أضواء المصابيح

في تحقيق

مشكوة المصابيح

تاليف

امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی رحمہ اللہ



ترجمہ، تخریج، تحقیق وفوائد

حافظ زبیر علی زئی

مکتبہ اسلامیہ



کتاب ---------------- اضواء المصابیح

تصنیف ---------------- حافظ زبیر علی زئی

کمپوزنگ ---------------- محمد قاسم برہ زئی

اشاعت ---------------- ۲۰۱۰ء

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ

لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7244973

فیصل آباد بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

اٹک مکتبۃ الحدیث حضرو فون: 057-2323216

فہرست: اضواء المصابیح

کتاب الایمان

کبیرہ گناہوں اور علاماتِ نفاق کا باب

دل میں پیدا ہونے والے وسوسے کا باب

تقدیر پر ایمان کا باب

اثباتِ عذابِ قبر کا باب

کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے کا باب

کتاب العلم



بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ اضواء المصابیح

إنّ الحمد للّٰه ، نحمده و نستعينه ، من يهده اللّٰه فلا مضلّ له و من يضلل فلا هادي له ، و أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده ، لا شريك له ، و [أشهد] أنّ محمّدًا عبده و رسوله ، أما بعد:فإنّ خير الحديث كتاب اللّٰه و خير الهَدْيِ هَدْيُ محمّد [ﷺ] و شرّ الأمور محدثاتها و كلّ بدعة ضلالة.

من يُطعِ اللّٰهَ و رسولَه فقد رشد و من يعصِ اللّٰهَ و رسولَه فقد غوىٰ .

[أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم ، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ و اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ [النساء :١]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○[الحشر :١٨]

ہر قسم کی حمد وثنا اللہ رب العالمین ، السمیع البصیر عالم الغیب اور معبود برحق کے لئے ہے ، جس نے آدم اور حوا (علیہما السلام) کو پیدا فرمایا اور ان دونوں سے اولادِ آدم کو دنیا میں پھیلایا ، اور انسان کے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز کو مسخر کر دیا۔

انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کا مقدس و منور سلسلہ جاری فرما کر اولادِ آدم پر اپنے بے انتہا فضل و انعام اور رحمتوں کی بارش نازل فرمائی اور خوش قسمت ہے وہ شخص جس نے اس سے فائدہ اٹھایا اور اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچالیا۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کے آسمانی ، روحانی ، مقدس اور منور سلسلے کے آخری فرد سیدنا و امامنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب الہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ و ازواجہ و اصحابہ وسلّم کو رحمۃ للعالمین ، سیدُ ولدِ آدم ، امام الانبیاء اور آخر الانبیاء بنا کر قیامت تک ساری انسانیت کے لئے بھیجا تا کہ مخلوق پر حجت قائم ہو جائے اور کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا اور اب قیامت تک سب لوگوں کی ہدایت و نجات صرف سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ آخر الانبیاء ﷺ کی اتباع و اطاعت پر ہی موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت اپنے ذمہ لے کر نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذریعے سے اسے کتابی شکل میں مدوّن فرما دیا اور قرآن مجید قیامت تک باقی رہے گا۔

اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں صحابۂ کرام ، تابعین باحسان ، تبع تابعین عظام اور صحیح العقیدہ محدثینِ اسلام پر جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کو حافظے ، تحریر اور عمل کے ذریعے سے محفوظ رکھا اور کتابی شکل میں بھی مدوّن کر دیا۔

یہی جماعت المسلمین ہیں اور یہی جماعت المومنین ہیں، یہی اہلِ سنت ہیں اور یہی اہلِ حدیث ہیں، یہی حزب اللہ ہیں اور یہی ورثۂ خاتم النبیین (ﷺ) ہیں۔

رضی اللّٰہ عن الصحابة أجمعين و رحمة اللّٰہ علٰی من تبعهم بإحسان إلٰی یوم الدین . آمین

صحابہ (مثلاً سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) تابعین (مثلاً امام ہمام بن منبہ رحمہ اللہ) تبع تابعین (مثلاً امام مالک رحمہ اللہ) اور خیر القرون کے محدثین (مثلاً امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ وغیرہم) نے علم الاسانید کا جھنڈا سر بلند کیا اور کتبِ احادیث کے مشہور مجموعے مدوّن ومرتب کر کے اُمت کے ہاتھوں میں دے دیئے۔

حدیث کی دو قسمیں ہیں:

۱: صحیح ۲: ضعیف

صحیح احادیث کے مشہور مجموعوں میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابی عوانہ، صحیح ابن الجارود، صحیح ابن حبان، المختارہ اور مستدرک الحاکم (کا غالب حصہ) بہت زیادہ مشہور ہیں لیکن اُمت کی تلقی بالقبول یعنی بالا جماع قبولیت کا شرف صرف دو کتابوں کو حاصل ہوا: صحیح بخاری اور صحیح مسلم، اور انھیں صحیحین کہا جاتا ہے۔

ان دونوں کتابوں کی مسند متصل مرفوع تمام احادیث بالاتفاق یا جمہور امت کے نزدیک صحیح ومقبول ہیں اور اُن پر ہر شخص کی جرح مردود ہے، خواہ وہ اپنے زمانے کا کتنا ہی مشہور ومعروف محقق کیوں نہ ہو۔!

صحیحین کے بعد سنن اربعہ (سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ) مسند احمد، سنن دارمی، موطأ امام مالک، کتاب الام للشافعی اور دیگر کتب کو دینِ اسلام میں بہت بڑی حیثیت حاصل ہے، لیکن ان میں صحیح روایات بھی ہیں اور ضعیف روایات بھی ہیں بلکہ بعض کتابوں میں مردود اور موضوع روایات بھی موجود ہیں، لہٰذا اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کے علم کی روشنی میں ان کتابوں کی ہر روایت کی تحقیق ضروری ہے۔

شرح السنہ کے مصنف اور مشہور محدّث امام ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) نے ''مصابیح السنۃ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں انھوں نے صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث جمع کر دیں اور یہ کتاب چار جلدوں میں مطبوع ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی رحمہ اللہ (وفات اندازاً ۷۴۰ھ یا اس کے قریب بعد) نے مصابیح السنہ اور اس پر اضافوں کو مشکاۃ المصابیح کے نام سے مرتب کیا، جسے برصغیر پاک و ہند اور دیگر ممالک میں عظیم شہرت حاصل ہوئی اور بہت سے مدارس میں یہ کتاب داخلِ نصاب ہے۔

تبریزی کے بارے میں اُن کے دوست شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۳ھ) نے فرمایا:

'' الأخ فی الدین، المساهم فی الیقین، بقية الأولياء ، قطب الصلحاء، شرف الزهاد والعباد ''

دینی بھائی، یقین میں حصہ دار یعنی قابلِ اعتماد ساتھی، اولیاء میں سے باقی رہ جانے والے، صالحین کے سردار، زہد وعبادت والوں کے شرفِ فضیلت۔ (الکاشف عن حقائق السنن ج ا ص ۱۸)

اس میں قطب سے مراد صوفیاء والا قطب نہیں بلکہ سردار ہے اور باقی ثنا ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح کی بہت سی شروحات لکھی گئیں جن میں طیبی کی الکاشف عن حقائق السنن ایک عظیم الشان شرح ہے، جو بارہ جلدوں میں مع فہارس مطبوع ہے۔

طیبی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''**الإمام المشهور صاحب شرح المشكوة وغيره**'' وہ مشہور امام، شرح مشکوٰۃ وغیرہ والے ہیں۔ (الدرر الکامنہ ۶۸/۲)

ان کے بارے میں بعض فضلاء نے کہا: ''**و كان كريمًا متواضعًا حسن المعتقد، شديد الرد على الفلا سفة والمبتدعة مظهرًا فضائحهم مع استيلائهم في بلاد المسلمين حينئذ، شديد الحب للّٰه و رسوله ، كثير الحياء ملازمًا للجماعة ليلاً أو نهارًا شتاءً أو صيفًا مع ضعف بصره بآخرة،ملازمًا لاشتغال الطلبة فى العلوم الإسلامية بغير طمع...**'' وہ مہربان، عاجزی کرنے والے، اچھے عقیدے کے حامل تھے، فلسفیوں اور مبتدعین پر شدید رد کرتے، اُن کی غلطیاں ظاہر کرتے، باوجودیکہ ان کے زمانے میں فلاسفہ ومبتدعین کا مسلمان ممالک پر غلبہ ہو گیا تھا، وہ بہت زیادہ حیادار تھے، دن ہو یا رات، سردی ہو یا گرمی آخر میں نظر کمزور ہونے کے باوجود نماز باجماعت کا التزام کرتے تھے، وہ طالب علموں کو بغیر لالچ کے علوم اسلامیہ میں مشغول رکھتے تھے... (الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۶۹)

مولانا عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے مرعاۃ المفاتیح کے نام سے مشکوٰۃ کی عظیم الشان شرح لکھی لیکن زندگی مزید وفا نہ کرسکی جس بنا پر یہ ادھوری (نامکمل) ہے۔

ملا علی قاری حنفی نے مرقاۃ المفاتیح کے نام سے مشکوٰۃ کی ایک مکمل شرح لکھی جو گیارہ جلدوں میں مع فہارس مطبوع ہے۔

راقم الحروف نے اضواء المصابیح فی تحقیق مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے مشکوٰۃ کی احادیث کی تحقیق اور صحیح احادیث کی شرح لکھی، جسے ماہنامہ الحدیث حضرو:۱ (جون ۲۰۰۴ء) سے مسلسل شائع کرنا شروع کیا اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔

اب اس سنہری سلسلے کی پہلی جلد جو کتاب الایمان اور کتاب العلم پر محیط ہے، آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے اور اُمیدِ واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے اس مشروعِ عظیم پر بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ ان شاء اللہ

راقم الحروف کے عمل کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

۱: نسخہ ہندیہ کو بنیاد بنا کر اردو میں اس کا سلیس اور مفہوماً ترجمہ لکھا ہے۔

۲: اصل مصادر سے احادیث کی تخریج کی ہے اور جو حوالہ نہیں ملا، اُس کی صراحت کر دی ہے۔

۳: صحیحین کی تمام روایات مرفوعہ متصلہ مسندہ صحیح ہیں لہٰذا غیر صحیحین کی جملہ روایات پر تحقیق کر کے صحت اور ضعف کے لحاظ سے حکم لگا دیا ہے۔

۴:   صحیح احادیث (جو صحیح لذاتہ اور حسن لذاتہ پر مشتمل ہیں) کا تفقہ اور فقہ الحدیث بیان کر دیا ہے اور اس میں اپنی محنت کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں مثلاً مرعاۃ، مرقاۃ، فتح الباری، شرح صحیح مسلم اور فوائد غزنویہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔

۵:   ضعیف روایات کی وجۂ ضعف بھی بیان کر دی ہے اور احادیث کے دیگر شواہد کو بھی مدنظر رکھا ہے۔

۶:   اگر کسی ضعیف روایت کے متن کے مطابق کوئی صحیح و حسن اثر مثلاً قولِ صحابی یا قولِ تابعی ملا ہے تو اسے بھی بطورِ فائدہ درج کر دیا ہے۔

۷:   جرح و تعدیل میں صحت کا التزام کیا ہے، یعنی میرے بطورِ جزم ذکر کردہ اقوال مذکورہ قائلین سے ثابت ہیں۔

۸:   تمام کتاب کی کمپوزنگ کے بعد حتی الوسع مراجعت کر دی ہے۔

۹:   شروع اور آخر میں بہترین فہارس درج کی ہیں مثلاً فہرست موضوعات، فہرست اطراف اور فہرست رجال وغیرہ تاکہ علماء، طلباء اور عوام سب اس سے فائدہ اُٹھا سکیں اور مطلوبہ حوالہ فوراً مل جائے۔

۱۰:   صحیح احادیث پر اکثر مقامات پر تبویب بھی قائم کر دی ہے تاکہ آسانی رہے۔

صحیح حدیث اسے کہتے ہیں جس کا ہر راوی عادل ہو، ضابط ہو (ان دو چیزوں کا مجموعہ ثقہ یا صدوق کہلاتا ہے) سند متصل ہو، شاذ نہ ہو اور معلول بعلتِ قادحہ نہ ہو۔

ان پانچ شرطوں والی حدیث کے صحیح ہونے پر اہلِ حدیث (محدثین کرام) کا کوئی اختلاف نہیں (یعنی اجماع ہے۔)

دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح مع شرح: التقیید والایضاح (ص۲۰)

جرح و تعدیل میں اختلاف کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کی ترجیح والے مسلک کو مقدم رکھا ہے اور کسی جگہ بھی اس اصول کی خلاف ورزی نہیں کی۔

آخر میں اللہ رب العالمین کا بے حد و انتہا شکر ہے، جس نے مجھے اس کام کی توفیق بخشی اور تمام ساتھیوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس عظیم کام میں تعاون فرمایا۔

اس کتاب میں اگر کسی قسم کی کوئی غلطی پائی جائے تو علانیہ حق کی طرف رجوع کیا جائے گا اور علمی اصلاح کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

مزید معلومات کے لئے الاتحاف الباسم فی تحقیق و تخریج الموطأ روایۃ ابن القاسم کے مقدمے کا مطالعہ بھی از حد مفید ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہمیشہ کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ یعنی حدیث، اجماع اور فہم سلف صالحین پر ثابت قدم رکھے اور ہماری مساعی کو خالصتاً اپنی رضا کے لئے بنا کر قبول فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان و اسلام پر ہو۔ آمین

حافظ زبیر علی زئی (۱۶/مئی ۲۰۱۰ء)

مقدمة المؤلف

صاحبِ مشکٰوۃ کا مقدمہ

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم
و به نستعين

(ہم شروع کرتے ہیں) اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن ہے رحیم ہے اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں۔

الحمد للّٰه، نحمده و نستعينه و نستغفره، و نعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، و من يضلل فلا هادي له، و أشهد أن لا إله إلا اللّٰه شهادةً تكون للنجاة وسيلة و لرفع الدرجات كفيلة، و أشهد أن محمدًا عبده و رسوله، الذي بعثه و طرق الإيمان قد عفت آثارها، و خبت أنوارها، و وهنت أركانها، وجهل مكانها، فشيد صلوات اللّٰه و سلامه عليه من معالمها ما عفا، وشفى من الغليل في تأييد كلمة التوحيد من كان على شفى، و أوضح سبيل الهداية لمن أراد أن يسلكها، و أظهر كنوز السعادة لمن قصد أن يملكها .أما بعد:

حمد وثنا اللہ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے استغفار کرتے ہیں، اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے بُرے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جسے وہ ہدایت دے تو اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے تو اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، ایسی گواہی جو نجات کا ذریعہ ہے اور درجات کی بلندی کے لئے کفالت برتی ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں، جنھیں اُس نے (نبی و رسول بنا کر) مبعوث فرمایا۔ ایمانی راستوں کے آثار ختم ہو چکے تھے، اُس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں، اُس کے ارکان کمزور ہو چکے تھے اور اس کا مکان نامعلوم تھا۔ پس آپ پر درود وسلام ہو آپ نے اُس کے مٹے ہوئے نشانات (واضح کر کے) مضبوط قائم کر دیئے اور کلمۂ توحید کی تائید سے ان (روحانی) بیماروں کو شفا بخشی جو (ہلاکت کے) کناروں پر پہنچ چکے تھے۔ جو ہدایت کے راستے پر چلنا چاہے اُس کے لئے راستہ واضح کر دیا اور خوش قسمتی کے خزانے ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیئے جو انھیں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ امابعد:

فإن التمسك بهديه لا يستتب إلا بالاقتفاء لما صدر من مشكاته و الإعتصام بحبل اللّٰه لا يتم إلا ببيان كشفه، و كان **كتاب المصابيح** الذي صنفه الإمام محيي السنة، قامع البدعة، أبو محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوي، رفع اللّٰه درجته أجمع كتاب صنف في بابه، و أضبط لشوارد

الأحاديث و أوابدها. و لما سلك _ رضي الله عنه _ طريق الإختصار و حذف الأسانيد، تكلم فيه بعض النقاد، و إن كان نقله _ و إنه من الثقات _ كالإسناد، لكن ليس ما فيه أعلام كالأغفال، فاستخرت الله تعالى و استوفقت منه، فأعلمت ما أغفله، فأودعت كل حديث منه في مقره كما رواه الأئمة المتقنون، و الثقات الراسخون، مثل أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، و أبي الحسين مسلم بن الحجاج القشيرى، و أبي عبدالله مالك بن أنس الأصبحي، و أبي عبد الله محمد بن إدريس الشافعي، و أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني، و أبي عيسى محمد بن عيسى الترمذي، و أبي داود سليمان بن الأشعث السجستاني، و أبي عبد الرحمن أحمد ابن شعيب النسائي، و أبي عبد الله محمد بن يزيد ابن ماجه القزويني، و أبى محمد عبد الله بن عبدالرحمن الدارمي، و أبي الحسن على بن عمر الدارقطني، و أبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي، و أبي الحسن رزين بن معاوية العبدري، وغيرهم، وقليل ما هو .

و إني إذا نسبت الحديث إليهم كأني أسندت إلى النبي ﷺ لأنهم قدفرغوا منه و أغنونا عنه . و سردت الكتب والأبواب كما سردها، واقتفيت أثره فيها، و قسمت كل باب غالبًا على فصول ثلاثة:

أولها: ما أخرجه الشيخان أو أحدهما، و اكتفيت

آپ کی سنت پر تمسک آپ کے انوار (یعنی احادیث) کے بغیر ناممکن ہے اور آپ کی شرح و بیان کے بغیر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھامنا ناقص ہے۔

امام محیی السنہ قامع البدعہ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغوی کے درجات اللہ بلند فرمائے ، اُن کی تصنیف کردہ کتاب المصابیح اپنے باب کی جامع کتاب تھی، اس کتاب میں منتشر اور نادر احادیث کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

اللہ آپ سے راضی ہو، جب آپ (بغوی) نے اختصار اور سندیں حذف کرنے والا راستہ اختیار کیا، بعض ماہر محدثین نے اس (کام) پر کلام کیا، اگرچہ وہ قابلِ اعتماد اماموں میں سے تھے لیکن باسند بات بے سند بات کی طرح نہیں، لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور مجھے توفیق دی گئی پس میں نے نامعلوم روایات پر نشانات لگا دیئے اور ہر حدیث کو اس کے مقام پر رکھ دیا جیسا کہ ثقہ و متقن راسخ علماء مثلاً ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری، ابوعبداللہ مالک بن انس الاصبحی ، ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی ، ابو داود سلیمان بن الاشعث السجستانی ، ابوعبداللہ احمد بن شعیب النسائی ، ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی ، ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی اور ابوالحسن رزین بن معاویہ العبدری وغیرہم نے روایت کیا تھا اور ان کے علاوہ دیگر تھوڑی احادیث ہیں۔

اور میں جب حدیث کو ان کی طرف منسوب کرتا ہوں تو گویا اسے نبی ﷺ تک سند سے بیان کر دیتا ہوں کیونکہ وہ (محدثین) اس سے فارغ ہو چکے ہیں اور ہمیں اس سے

بهما و إن اشترك فيه الغير لعلو درجتهما في الرواية .

و ثانيها : ما أورده غيرهما من الأئمة المذكورين.

ثالثها : ما اشتمل على معنى الباب من ملحقات مناسبة مع محافظة على الشريطة، و إن كان مأثورًا عن السلف و الخلف .

ثم إنك إن فقدت حديثًا في باب فذلك عن تكرير أسقطه . و إن وجدت آخر بعضه متروكًا على اختصاره، أو مضمومًا إليه تمامه، فعن داعي اهتمام أتركه و ألحقه . و إن عثرت على اختلاف في الفصلين من ذكر غير الشيخين في الأول، و ذكرهما في الثاني، فاعلم أني بعد تتبعي كتابي **الجمع بين الصحيحين للحميدي، و جامع الأصول**، اعتمدت على صحيحي الشيخين و متنيهما .

و إن رأيت اختلافًا في نفس الحديث، فذلك من تشعب طرق الأحاديث، و لعلي ما اطلعت علىٰ تلك الرواية التي سلكها الشيخ رضي اللّٰه عنه . و قليلاً ما تجد أقول : ما وجدت هذه الرواية في كتب الأصول، أو وجدت خلافها فيها. فإذا وقفت عليه فانسب القصور إلي لقلة الدراية، لا إلى جناب الشيخ رفع اللّٰه قدره في الدارين، حاشا للّٰه من ذلك .

رحم اللّٰه من إذا وقف على ذلك نبهنا عليه و أرشدنا طريق الصواب . و لم آل جهدًا في التنقير و التفتيش بقدر الوسع و الطاقة، ونقلت ذلك

بے نیاز کر دیا ہے۔ میں نے کتابیں اور ابواب اسی طرح درج کئے ہیں جس طرح انھوں (بغوی) نے لکھے تھے اور ہر باب کی عام طور پر تین فصلیں قائم کیں:

پہلی فصل: جسے بخاری اور مسلم یا دونوں میں سے ایک نے روایت کیا، میں نے انھی پر اکتفا کیا اور اگرچہ اسے دوسروں نے بھی روایت کیا ہے، کیونکہ وہ روایت میں عالی درجہ رکھتے تھے۔

دوسری فصل: ان کے علاوہ دوسرے اماموں کی بیان کردہ احادیث۔

تیسری فصل: جو باب مذکور کے مفہوم اور ذکر کردہ شرط کے مناسب ہے اور اگرچہ یہ اسلاف و اخلاف (کے اقوال و افعال) سے مروی ہے۔

اگر آپ باب میں کوئی حدیث نہ پائیں تو میں نے اسے تکرار کی وجہ سے حذف کر دیا ہے اور اگر کوئی حدیث اصل سے مختصر یا اضافے کے ساتھ پائیں تو اس میں کوئی خاص اور اہم فائدہ ہوگا۔ اگر دونوں فصلوں میں کوئی اختلاف ملے، پہلی فصلوں میں بخاری و مسلم کے علاوہ کوئی حدیث ملے تو جان لیجئے کہ میں نے (امام) حمیدی (اندلسی قرطبی متوفی ۴۸۰ھ) کی کتاب ''الجمع بین الصحیحین'' اور (ابن الاثیر کی) جامع الاصول پر اعتماد کیا ہے۔ اگر حدیث کے الفاظ میں کوئی اختلاف ہو تو یہ مختلف سندوں کی وجہ سے ہوگا۔

ہوسکتا ہے کہ شیخ (بغوی) رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایت کے الفاظ مجھے نہ ملے ہوں اور یہ بہت کم ہے کہ مجھے حدیث کی اہم کتابوں میں اس کی سند نہ ملی یا اس کے خلاف کچھ ملا۔

اگر آپ ایسا کوئی اختلاف پائیں تو سمجھیں کہ یہ قصور میری کم علمی کی وجہ سے ہے اور اس کی نسبت شیخ سے نہ کی جائے، اللہ

الإختلاف كما وجدت .

و ما أشار إليه رضي اللّٰه عنه من غريب أو ضعيف أو غيرهما، بينت وجهه غالبًا. و ما لم يشر إليه مما في الأصول، فقد قفيته في تركه إلا في مواضع لغرض . و ربما تجد مواضع مهملة، و ذلك حيث لم أطلع على راويه فتركت البياض . فإن عثرت عليه فألحقه به، أحسن اللّٰه جزاءك .

وسميت الكتاب : **بمشكاة المصابيح**

وأسال اللّٰه التوفيق و الإعانة و الهداية و الصيانة، و تيسير ما أقصده ، و أن ينفعني في الحياة و بعد الممات، وجميع المسلمين و المسلمات .

حسبي اللّٰه و نعم الوكيل . ولا حول و لا قوة إلا باللّٰه العزيز الحكيم .

دنیااورآخرت میں ان کی شان بلند فرمائے۔وہ اس سے بری ہیں۔

اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جوایسی کسی بات پر مطلع ہو پھر ہمیں بتادےاور ہماری راہنمائی فرمائے۔

میں نے اپنی طاقت کے مطابق بحث وتفتیش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور روایات میں جیسا اختلاف پایا تھا ویسا ہی لکھ دیا۔

جہاں انھوں نے کسی روایت کے غریب یا ضعیف وغیرہ ہونے کی طرف اشارہ کیا تو میں نے عام طور پر وجہِ ضعف بیان کر دی، جہاں انھوں نے اشارہ نہیں کیا جیسا کہ اصول میں تھا تو میں نے اسے چھوڑنے پر ہی اکتفا کیا، سوائے اس مقام کے جہاں ضرورت کا تقاضا تھا۔آپ بعض مقامات پر حدیث کا مخرج نہیں پائیں گے، یہ اس وجہ سے ہے کہ مجھے اس روایت کا حوالہ نہیں ملا، لہٰذا میں نے وہ جگہ خالی چھوڑ دی، اگر آپ کو یہ حوالہ مل جائے تو اس جگہ درج کر دیں، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں نے کتاب کا نام مشکوٰۃ المصابیح رکھا ہے اور اللہ سے توفیق، مدد، ہدایت، حفاظت اور مقصد کی آسانی کا سوال کرتا ہوں، وہ مجھے اور تمام مسلمان مردوں وعورتوں کو زندگی میں اور موت کے بعد بھی نفع پہنچائے۔

میرے لئے اللہ کافی ہے اور وہی کارساز مددگار ہے۔

لا حول ولا قوة إلا باللّٰه العزيز الحكيم .



كتاب الإيمان

الفصل الأول

[۱] وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، قال قال رسول الله ﷺ : ((إنما الأعمال بالنيات ، وإنما لا مرئ ءٍ ما نوى ، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله ، فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته إلٰى دنيا يصيبها، أو امرأةٍ يتزوجها فهجرته إلٰى ما هاجر إليه .)) متفق عليه .

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی، جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنا گھر بار چھوڑا تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے (ہی) ہے۔ (یعنی اسے ثواب ملے گا) اور جس شخص نے دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کے لئے گھر بار چھوڑا تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لئے ہے (یعنی اسے ثواب نہیں ملے گا۔) متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳) صحیح مسلم (۱۹۰۷) [سنن نسائی ۲/۱۳۵ ح ۳۸۲۵، التعلیقات السلفیۃ واللفظ لہ الاعندہ ''لدنیا'' بدل ''إلٰی دنیا'' وجاء فی بعض نسخ النسائی: ''إلٰی دنیا'']

فقہ الحدیث:

۱: یہ حدیث یحییٰ بن سعید الانصاری عن محمد بن ابراہیم التیمی عن علقمہ بن وقاص اللیثی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہے نیز صحیح غریب، خبر واحد ہے۔

۲: اس صحیح حدیث اور دیگر دلائل سے یہ ثابت ہے کہ حدیثِ مقبول کے لئے متواتر یا مشہور ہونا ضروری نہیں بلکہ خبر واحد صحیح بھی حجت ہے۔

۳: عمل کی مقبولیت کا دارومدار نیت پر ہے، لہٰذا وضو، غسل، نماز، روزہ، حج اور تمام عبادات کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے اور اسی پر فقہاء کا اجماع ہے۔ (دیکھئے ''الایضاح عن معانی الصحاح'' لابن ھبیرۃ ج ۱ ص ۵۶)

سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے، ان کے نزدیک وضو اور غسلِ جنابت میں نیت واجب نہیں (بلکہ) سنت ہے۔

(دیکھئے الہدایہ مع الدرایہ ج ۱ ص ۲۰)

۴: عربی لغت (زبان) میں دلی ارادے، عزم اور قصد کو نیت کہتے ہیں۔ (دیکھئے القاموس الوحید ص ۱۷۳۰)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''نیت دل کے ارادے اور قصد کو کہتے ہیں، قصد وارادہ کا مقام دل ہے زبان نہیں''

(الفتاوی الکبری ج ا ص ا، وهذا مفهوم العبارة بالاردية)

نماز کی نیت زبان سے کہنا نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ میں کسی سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس زبانی عمل سے اجتناب کرنا چاہئے۔

۵: کسی عمل کے عنداللہ مقبول ہونے کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ عامل کا عقیدہ کتاب وسنت اور فہم سلف صالحین کے مطابق ہو۔

۲۔ عمل اور طریقہ کار عین کتاب وسنت کے مطابق ہو۔

۳۔ اس عمل کو صرف اللہ کی رضا کے لئے سرانجام دیا جائے۔

۶: رسالہ ''الحدیث'' حضرو، کی ابتدا میں اس حدیث اور فقہ الحدیث کا مقصد یہ ہے کہ ''الحدیث'' کے اجراء سے ہمارا مقصد، اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور بخشش ہے (اشاعۃ الحدیث ہے، دفاعِ حدیث ہے) کوئی دنیاوی فائدہ پیشِ نظر نہیں ہے۔

۷: بعض علماء اس حدیث کو دین اسلام کا ثلث (۱/۳) قرار دیتے ہیں کیونکہ تمام اعمال کا تعلق:

① دل ② زبان ③ اور جوارح ہاتھ پاؤں وغیرہ سے ہے۔

چونکہ نیت کا تعلق دل سے ہے، لہٰذا یہ اسلام کا ثلث (ایک تہائی) ہے۔

۸: یہ حدیث ان بدعتیوں (مثلاً مرجیہ وغیرہ) کا رد ہے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ایمان دلی اعتقاد کے بغیر صرف زبانی قول کا نام ہے۔ عینی نے کہا: ''**فيه رد على المرجئة في قولهم الإيمان اقرار باللسان دون الإعتقاد بالقلب**'' اس میں مرجیہ کے اس قول پر رد ہے کہ ایمان زبانی اقرار ہے، دل کا اعتقاد نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ۱/۳۴)

۹: صحیح بخاری میں ((**إنما الأعمال بالنيات .إلخ**)) والی پہلی روایت میں ((**فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله.**)) کے الفاظ موجود نہیں ہیں (ح ۱) جبکہ دوسری روایت (ح ۵۴ وصحیح مسلم) میں موجود ہیں، اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے:

اول: ایک روایت میں ذکر ہو اور دوسری میں عدم ذکر ہو تو عدم ذکر، نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

دوم: ثقہ راوی کی زیادت، جب ثقہ راویوں یا اوثق کے ہر لحاظ سے خلاف نہ ہو تو یہ زیادت معتبر ومقبول ہوتی ہے۔

۱۰: بعض علماء نے امام بخاری کے طرزِ عمل سے استنباط کیا ہے کہ انھوں نے کتاب بدء الوحی کے شروع میں '' إنما الأعمال بالنيات '' والی حدیث ذکر کر کے دو مسئلے ثابت کئے ہیں:

اول: حدیث بھی وحی ہے۔

دوم: امام الحمیدی المکی سے روایت میں یہ اشارہ ہے کہ دین اسلام اور نزول وحی کی ابتدا مکے سے ہوئی، اسی طرح صحیح بخاری کی آخری حدیث ابوہریرہ المدنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ دین اسلام مدینے میں مکمل ہو گیا۔

[٢] عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، قال : بينا نحن عند رسول الله ﷺ ذات يوم إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب ، شديدسواد الشعر ، لا يرى عليه أثر السفر ، ولا يعرفه منا أحد، حتى جلس إلى النبي ﷺ فأسند ركبتيه إلى ركبتيه ، ووضع كفيه على فخذيه ، وقال :يا محمد !أخبرني عن الإسلام ، قال :((الإسلام ، أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدًا رسول الله، وتقيم الصلوة ، وتؤتي الزكاة ، وتصوم رمضان ، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلاً .)) قال : صدقت ـ فعجبنا له يسأله ويصدقه ! قال : فأخبرني عن الإيمان ـ قال :((أن تؤمن بالله ، وملائكته وكتبه ، ورسله واليوم الآخر ، وتؤمن بالقدر خيره وشره .)) قال، صدقت ، قال : فأخبرني عن الإحسان ، قال :((أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك .)) قال : فأخبرني عن الساعة ـ قال :((ما المسؤول عنها بأعلم من السائل .)) قال :فأخبرني عن أماراتها ، قال :((أن تلد الأمة ربتها وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان .))
قال :ثم انطلق، فلبثت مليًا ، ثم قال لي: ((يا عمر! أتدري من السائل ؟)) قلت : الله ورسوله أعلم : قال : ((فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم .))
رواه مسلم

(سیدنا) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے) تھے کہ اتنے میں ایک آدمی ہمارے سامنے نمودار ہوا جس کے کپڑے چٹے سفید اور بال سیاہ کالے تھے، اس شخص پر سفر کا کوئی نشان نہیں تھا اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا نہیں تھا، وہ شخص نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے ملا کر اپنے دونوں ہاتھ آپ (ﷺ) کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا: اے محمد! (ﷺ) آپ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دے، نماز قائم کرے زکوۃ ادا کرے اور اگر استطاعت ہو تو (اللہ کے) گھر کا حج کرے۔ اس پر (نووارد) شخص نے کہا: آپ نے سچ کہا۔
ہمیں تعجب ہوا کہ (خود) سوال بھی کرتا ہے اور (خود ہی) تصدیق کرتا ہے۔
اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے، آپ (ﷺ) نے فرمایا: (ایمان یہ ہے) کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، قیامت کے دن اور تقدیر خیر وشر (اسی کی طرف سے ہے) پر ایمان لے آئے، اس نے کہا: آپ (ﷺ) نے سچ کہا۔ مجھے احسان کے بارے میں بتائیں: آپ (ﷺ) نے فرمایا: (احسان یہ ہے) کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، اگرچہ تو اسے نہیں دیکھتا مگر وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتائیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، اس نے کہا: مجھے اس کی نشانیاں بتادیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: لونڈی اپنی مالکہ جنے گی اور تو دیکھے گا کہ

ننگے پاؤں، ننگے بدن، بھیڑ بکریوں والے غریب چرواہے کوٹھیوں میں تکبر کریں گے۔ عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: پھر وہ شخص چلا گیا تو میں تھوڑی دیر (چپ) ٹھہرا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے پوچھا: اے عمر! تجھے پتا ہے یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: بے شک یہ جبریل تھے، تمھیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے

تخریج: صحیح مسلم (۸/۱، دارالسلام: ۹۳)

فقہ الحدیث:

۱: یہ ایک عظیم الشان حدیث ہے، جس کا ابتدائی حصہ صاحبِ مشکوۃ نے حذف کر دیا ہے، محذوفہ حصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے برأت کا اعلان کیا جو تقدیر کے منکر تھے اور فرمایا: اگر ان (منکرینِ تقدیر) میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی (اللہ کی راہ) میں خرچ کر دے تو اللہ اسے قبول نہیں کرے گا۔ معلوم ہوا کہ (بدعتِ کبریٰ کے) مبتدعین کے اعمال باطل ہوتے ہیں۔

۲: ایمان قول وعمل کا نام ہے، نماز، رمضان کے روزے اور حج، چاروں اعمال ایمان اور ارکان ایمان میں سے ہیں۔

۳: قیامت آنے کی صحیح تاریخ اور وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے، اللہ کے سوا کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے غیب کی جو خبریں بیان فرمائیں، وہ سب وحی الٰہی کے ذریعے سے بتائی تھیں۔ صحابہ کرام بھی غیب نہیں جانتے تھے، ورنہ جبریل علیہ السلام کو پہلے ہی پہچان لیتے۔

۴: فرشتے انسانی شکل میں تمثل کر کے دنیا میں آتے رہے ہیں، اگرچہ ان کی اصل شکل وصورت اس کے علاوہ ہے اور فرشتوں کے پَر بھی ہوتے ہیں۔

۵: یہ حدیث بہت زیادہ فوائد پر مشتمل ہے۔ سعودی عرب کے کبار علماء میں سے شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد البدر حفظہ اللہ نے اس حدیثِ مبارکہ کی شرح میں (۷۹ صفحات کی) ایک زبردست مفید کتاب "**شرح حديث جبريل في تعليم الدين**"، لکھی ہے جس میں انھوں نے بہت سے فوائد جمع کر لیے ہیں، جزاہ اللہ خیراً۔

[تنبیہ: یہ کتاب میرے اردو ترجمے اور تحقیق وفوائد کے ساتھ مطبوع ہے۔]

امام قرطبی فرماتے ہیں: "یہ حدیث اس لائق ہے کہ اسے اُم السنۃ (سنت کی ماں) کہا جائے، کیونکہ اس میں (آپ ﷺ کی) سنت کے (بہت سے) جملوں کا علم ہے۔" (فتح الباری ۱/۱۲۵)

۲: نصوصِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ ہر مکلّف مسلمان پر دن رات میں پانچ نمازیں، ہر سال رمضان کے روزے ہر سال میں ایک دفعہ زکوۃ اور عمر بھر میں صرف ایک دفعہ حج فرض ہے۔

[۳] ورواه أبو هريرة مع اختلاف ، وفيه :((وإذا رأيت الحفاة العراة الصم البكم ملوك الأرض في خمس لا يعلمهن إلا الله .)) ثم قرأ :
﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ ﴾
الآية (لقمان:۳۴)

سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے (یہی روایت) مع اختلاف مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: اور جب تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، گونگے بہرے چرواہے زمین کے بادشاہ بن جائیں گے (تو یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے) پانچ (نشانیوں) کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، پھر انھوں نے قراءت کی کہ بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۵۰) صحیح مسلم (۹)

فقہ الحدیث:

۱: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی پوری حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے، وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے پوچھو، صحابہ نے سوال کرنے سے خوف محسوس کیا تو ایک آدمی آیا اور (آکر) آپ کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر کہا: اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کے ساتھ کچھ (بھی) شرک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو (یہ اسلام ہے) اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایمان یہ ہے) کہ تم اس (اللہ) کے فرشتوں، کتابوں، ملاقات (آخرت) اور رسولوں پر ایمان لاؤ، مرنے کے بعد (دوبارہ) زندگی کا یقین رکھو اور ساری تقدیر کو مانو (کہ خیر اور شر اللہ ہی کی طرف سے ہے)

اس نے کہا: آپ نے سچ کہا، اے اللہ کے رسول! احسان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے اس طرح ڈرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھتے (یعنی یہ درجہ حاصل نہ ہو سکے تو کم از کم یہ یقین کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، اس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تمہیں اس کی نشانیاں بتاتا ہوں، جب تم دیکھو کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، گونگے، بہرے، چرواہے زمین کے بادشاہ بن رہے ہیں تو یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ یہ (قیامت) ان پانچ چیزوں میں سے ہے، جسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:)

بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور (تمام) ارحام میں کیا ہے وہی جانتا ہے۔ کسی انسان کو یہ

معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی جان دار کو یہ معلوم ہے کہ وہ زمین کے کس حصے میں فوت ہوگا۔ پھر وہ آدمی کھڑا ہو گیا (اور چلا گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے واپس بلاؤ، اسے تلاش کیا گیا (لیکن) وہ نہ ملا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام ہیں، یہ اس لئے تشریف لائے تھے کہ تمہیں (دین) سکھائیں، کیونکہ تم خود سوال نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۲: قیامت کا علم اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

۳: ثقہ راوی کی زیادت مقبول اور حجت ہوتی ہے۔

۴: قرآن وحدیث میں قیامت کی جتنی نشانیاں مذکور ہیں، ان کے وقوع کے بعد ہی قیامت آئے گی۔

۵: تقدیر پر ایمان لانا فرض اور رکنِ ایمان ہے، جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں وہ اہلِ بدعت اور گمراہ ہیں۔

۶: حدیث قرآن کی شرح ہے۔ وغير ذلك من الفوائد .

[٤] وعن ابن عمر ، قال :قال رسول الله ﷺ : ((بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدًا عبده ورسوله، وإقام الصلاة ، وإيتاء الزكاة والحج وصوم رمضان .))

(سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ (ارکان) پر ہے، گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی اِلہ (معبود برحق) نہیں ہے، اور بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۸) صحیح مسلم (۱۶)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان اصلاً ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اسلام اور ایمان کے درمیان کچھ فرق اس طرح سے بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام آدمی کی ظاہری کیفیت اور ایمان باطنی (اعتقادی) کیفیت پر دلالت کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اعرابیوں نے کہا: ہم ایمان لائے، آپ کہہ دیجئے! تم ایمان نہیں لائے، لیکن تم کہو: ہم اسلام لائے، اور ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ (الحجرات:۱۴)

۲: تارک الصلوۃ کی تکفیر میں سلف صالحین میں اختلاف ہے، جمہور اس کی تکفیر کے قائل ہیں، نصوصِ شرعیہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے صحیح تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مطلقاً نماز ترک کردے، بالکل نہ پڑھے وہ کافر ہے، اور جو شخص کبھی پڑھے اور کبھی نہ پڑھے تو ایسا شخص کافر نہیں ہے مگر پکا مجرم اور فاسق ہے، اس کا فعل کفریہ ہے، خلیفۃ المسلمین اس پر تعزیر نافذ کرسکتا ہے، اس پر اجماع ہے کہ نماز، زکوۃ، رمضان کے روزے اور حج کا انکار کرنے والا کافر اور ملتِ اسلامیہ سے خارج ہے۔

[٥] وعن أبي هريرة ، قال قال رسول الله ﷺ : ((الإيمان بضع وسبعون شعبةً ، فأ فضلها: قول لا إله إلا اللّٰه ، وأدناها: إماطة الأ ذى عن الطريق ، والحيا ء شعبة من الإيمان .))

(سیدنا) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے ستر سے زائد درجے ہیں، ان میں سب سے افضل: لا الہ الا اللہ ہے۔ ان درجوں میں سب سے کمتر درجہ: راستے سے (معمولی) تکلیف والی چیز ہٹانا ہے اور حیا ایمان کے درجوں میں سے ایک درجہ ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح البخاری (۹) صحیح مسلم (۵۸/ ۳۵ واللفظ لہ)

فقہ الحدیث:

۱: عربی لغت میں " بضع "کالفظ: تین سے لے کر نو تک کے عدد پر بولا جاتا ہے۔ (القاموس الوحید ۱/۱۶۹)

۲: بعض روایات میں ساٹھ سے زائد درجوں کا ذکر آیا ہے (صحیح بخاری: ۹) ایک روایت میں چونسٹھ (الترمذی: ۲۶۱۴ب، أحمد ۲/ ۳۷۹ ح ۸۹۱۳ وسندہ صحیح، والقول بشذوذه قول شاذ) اور دوسری روایت میں بہتر (۷۲) کا عدد آیا ہے۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان ۱/۲۰۲ ح ۱۸۱، وقال: بخبر غریب غریب ، دوسرانسخہ ۱/۳۸۷ ح ۱۸۱ وقال شعيب الأرناووط: إسناده صحيح على شرطهما)

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں تحدید (حد بندی) مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ سب الفاظ رسول اللہ ﷺ نے فرمائے ہیں جو کہ راویوں نے یاد رکھے ہیں، یہاں تین باتیں ملحوظِ خاطر ہیں:

اول: یہ درجات مختلف لوگوں کے احوال سے ہیں، مثلاً انبیاء، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، شہداء، صدیقین وصالحین کے ستر سے زائد درجے ہیں، اسی طرح علماء اور عوام کے درجات میں بھی فرق ہے۔

دوم: بعض علماء کے نزدیک ایمان کے ان درجات میں سے بعض درجوں کی آگے ایک دو شاخیں ہیں، اس لحاظ سے جب ساٹھ سے زیادہ کا عدد بولا جائے گا تو اصل درجات مراد ہوں گے اور اگر ستر سے زیادہ کا عدد بولا جائے گا تو بعض درجات کی شاخیں بھی شامل ہوں گی۔

سوم: بعض کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ساٹھ سے زائد درجات اور احادیثِ مطہرہ میں ستر سے زائد درجات کا ذکر موجود ہے، لہٰذا جب ساٹھ کا لفظ بولا جائے گا تو کتاب اللہ کے درجے مراد ہوں گے اور ستر کے لفظ سے کتاب وسنت، دونوں کے درجات مراد ہوں گے۔ واللہ اعلم

۳: عینی حنفی نے ایمان کے ستہتر (۷۷) درجات کے نام لکھ کر شرح صحیح بخاری میں جمع کر دیے ہیں۔ (عمدۃ القاری ۱/۱۲۸۔۱۲۹ ح ۹)

۴: ایمان کے ان درجات کے نام بالتفصیل معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ یہی کافی ہے کہ آدمی قرآن وحدیث واجماع پر ایمان رکھے۔ ایک مسلمان جب راستے سے ہڈی وغیرہ اٹھا کر راستہ صاف کر رہا ہوتا ہے تو یہ ایمان کا ایک درجہ ہے، اگرچہ اسے یہ علم بھی نہ ہو اور وہ اسے نیکی کا ایک معمولی کام ہی سمجھتا ہو۔

۵: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان، دل اور زبان کے اقرار کے ساتھ اعمال کا نام ہے۔ اسی پر تمام اہل حق کا اجماع ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**وتعتقد أن الإيمان قول باللسان ومعرفة با لجنان وعمل بالأركان ، يزيد بالطاعة وينقص بالعصيان** '' اور یہ عقیدہ رکھو کہ ایمان (۱) زبان کے ساتھ اقرار (۲) دل کے ساتھ یقین (۳) اور ارکان کے ساتھ عمل کا نام ہے (۴) اطاعت سے زیادہ ہوتا ہے (۵) اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ۱/۱۰۹)

تقریباً یہی کلام ومفہوم شرح السنۃ للبغوی (۱/۳۹ ح ۱۹) وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ قاضی عبدالرحمٰن دیوبندی صاحب فرماتے ہیں:

''اور میری آخری تحقیق یہ ہے کہ حنفیہ بھی اعمال کو ایمان کا جزء مانتے ہیں'' (فضل الباری شرح اردو صحیح بخاری ۱/۳۱۷، از افادات شبیر احمد عثمانی)

۶: ایمان کے مختلف درجے ہیں، لہٰذا یہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔

سیدنا عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم (بھی) ہوتا ہے۔

(کتاب الایمان لابن ابی شیبہ: ۱۴ وسندہ صحیح، الحدیث: ۲/۲۳ توضیح الاحکام)

امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابن جریج اور معمر کہتے تھے کہ ایمان قول وعمل (کا نام) ہے، زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔

(کتاب الشریعۃ للآجری ص ۱۱۹ ح ۲۴۳ وسندہ صحیح)

یہی عقیدہ امام احمد بن حنبل، اوزاعی اور وکیع وغیرہم سے ثابت ہے۔ (الشریعۃ ص ۱۱۹، ۱۲۰، باسانید صحیحہ)

اور اسی پر اہل حق: اہل سنت کا اجماع ہے۔

۷: حیا کا ذکر یہاں بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ ایمان کا ایک اہم ترین درجہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((**الحياء لا يأتي إلا بخير .**)) حیا نیکی کے علاوہ کچھ بھی نہیں لاتی۔ (صحیح بخاری: ۶۱۱۷ وصحیح مسلم: ۳۷)

ایک روایت میں ہے: ((**الحياء خير كله.**)) ساری خیر (نیکی) حیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۶۱/ ۳۷ وترقیم دارالسلام: ۱۵۷)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ((**إذا لم تستح فاصنع ماشئت.**)) اگر تیرے اندر حیا نہیں تو جو مرضی ہے کر۔ (صحیح بخاری: ۶۱۲۰)

۸: اس روایت میں محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں، مگر ثبوتِ شئی کے بعد اس کا عدمِ ذکر، نفی کی دلیل نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ لا الٰہ الا اللہ کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) پر ایمان لایا جائے، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد، آپ پر ایمان کے بغیر لا الٰہ الا اللہ مکمل ہی نہیں ہوتا۔

[٦] وعن عبد الله بن عمرو، قال قال رسول الله ﷺ : ((المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه .))
هذا لفظ البخاري .
ولمسلم قال : أن رجلاً سأل النبيﷺ : أي المسلمين خير؟ قال: ((من سلم المسلمون من لسانه ويده .))

سیدنا عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو وہ (کام اور چیزیں) چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع کیا ہے، یہ الفاظ (امام) بخاری کے بیان کردہ ہیں۔ (امام) مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: مسلمانوں میں کون (سب سے) بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

تخریج: صحیح بخاری (۱۰) صحیح مسلم (۶۴/ ۴۰ مصابیح: ۴)

فقه الحدیث:

۱: کامل مسلمان کی (ایک) نشانی یہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہتے ہیں، وہ انھیں ضرر نہیں پہنچاتا، جبکہ منافق کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہیں رہتے، وہ ہر وقت مسلمانوں کو ایذا رسانی میں مصروف رہتا ہے۔

۲: کتاب وسنت میں جو احکامات آتے ہیں ان میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں، الا یہ کہ تخصیص کی واضح دلیل ہو، لہٰذا اس حدیث میں ''المسلم'' کے مفہوم میں ''المسلمہ'' (مسلمان عورت) بھی شامل ہے۔

۳: زبان سے محفوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو گالی، لعن وطعن، غیبت، چغلی، بہتان، مذاق اڑانا، ذلیل کرنا اور جھوٹے پروپیگنڈے وغیرہ کا نشانہ نہیں بناتا۔ اور ہاتھ سے محفوظ رہنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو مار کٹائی، قتل وغارت، دھکے دینا، مال وجائیداد کی تباہی، باطل تحریروں اور ایذا رسانی کا نشانہ نہیں بناتا۔

تنبیہ: دلائل کے ساتھ اہلِ باطل پر رد کرنا اس سے مستثنیٰ ہے، بلکہ انتہائی ثواب کا کام ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"فكل من لم يناظر أهل الإلحاد والبدع مناظرة تقطع دابرهم ، لم يكن أعطى الإسلام حقه"** پس ہر وہ شخص جو (اپنی استطاعت کے مطابق) ملحدین ومبتدعین سے مناظرہ کر کے انھیں لاجواب نہ کر دے (تو) اس نے اسلام کا (صحیح) حق ادا نہیں کیا۔ (درء تعارض العقل والنقل ج ۱ ص ۳۵۷)

علمائے حق نے ہر دور میں اہل بدعت پر رد کیا ہے، جس کے دلائل کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔ **والحمد لله**

۴: مہاجر کا لفظ ہجرت (جدائی) سے نکلا ہے نفس امارہ اور شیطان سے بچنا، باطنی ہجرت ہے اور فتنوں، بدعتوں، گمراہیوں اور گناہوں سے بچنا ظاہری ہجرت ہے۔

۵: سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب.))

مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں (خوب) کوشش کرے، اور مہاجر وہ ہے جو غلطیوں اور گناہوں سے دُور رہے۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۱۱۱۲۳، وسندہ حسن واضواء المصابیح: ۳۴، صحیح ابن حبان، موارد الظمآن: ۲۵)

یہ روایت الفاظ کے اختلاف اور کمی بیشی کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

سنن ابن ماجہ (۳۹۳۴) مسند احمد (۶/ ۲۱، ۲۲) المستدرک (۱/ ۱۰، ۱۱) مسند الشہاب للقضاعی (۱/ ۱۰۹ ح ۱۳۱) کشف الاستار (مسند البزار: ۱۱۴۳) اور کتاب الایمان لابن مندۃ (ح ۳۱۵)

۶: ایک صحیح و حسن روایت میں کچھ الفاظ موجود نہ ہوں اور دوسری صحیح یا حسن روایت میں کچھ الفاظ کا اضافہ موجود ہو، اور یہ اضافہ پہلی روایت کے سراسر خلاف نہ ہو، تو الفاظ کے اضافے والی روایت ضعیف نہیں ہو جاتی، بلکہ ثقہ کی زیادت جب تک ثقہ راویوں کے خلاف نہ ہو مقبول ہی رہتی ہے، جیسا کہ اصول حدیث میں مقرر ہے۔

اس حدیث میں ایمان کے دو اعلیٰ درجوں کا ذکر ہے۔

اس میں مرجیہ وغیرہ کا رد ہے، جو ایمان کی کمی و بیشی کے قائل نہیں ہیں اور جن کے نزدیک سب کا ایمان اور اسلام برابر ہوتا ہے، حالانکہ حدیثِ مذکور اور دیگر دلائل سے صاف ثابت ہے کہ ایمان اور اسلام میں لوگوں کے مختلف درجات ہیں۔

تنبیہ: یہ فوائد مرعاۃ المفاتیح وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔

۷: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما وہ مشہور صحابی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھ لیتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "**ما من أصحاب النبي ﷺ أحد أكثر حديثاً عنه مني إلا ما كان من عبدالله بن عمرو فإنه كان يكتب ولا أكتب**" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حدیثیں آپ سے بیان کرنے والا کوئی نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے وہ (حدیثیں) لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۱۱۳)

عبداللہ بن عمرو کی لکھی ہوئی کتاب کا نام "**الصحيفة الصادقة**" ہے۔

[۷] **وعن أنس رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ((لا يؤمن أحدكم حتى أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين .)) متفق عليه .**

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی اس وقت تک (پورا) مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے والد (یعنی والدین) اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۵)، صحیح مسلم (۴۴/۷)

فقه الحديث:

ا: یہاں'' لا یؤ من '' میں نفی کمال مراد ہے، جیسا کہ شارحینِ حدیث نے لکھا ہے، مثلاً بعض غلط کار اور ظالم آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''فلان لیس با نسان ''فلاں تو انسان (ہی) نہیں ہے۔ (دیکھئے مرعاۃ المصابیح ۱/ ۴۹)

تنبیہ: لا اگر اسم نکرہ پر ہو اور اسے آخر میں نصب (یعنی زبر) دے تو یہ لا نفی جنس ہوتا ہے۔

دیکھئے قطر الندی وبل الصدی (ص ۲۲۹) والکافیۃ فی النحو (ص ۱۱۵، المنصوب بلا التی لنفی الجنس)

مثلاً حدیث: ((لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب .)) (صحیح البخاری: ۷۵۶) میں لا نفی جنس ہے، لاجب نفی جنس ہو تو پوری جنس کی نفی مراد ہوتی ہے الا یہ کہ صحیح دلیل سے تخصیص واستثناء ثابت ہو جائے۔

۲: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محبت کرنا رُکن ایمان ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے زیادہ محبت آپ ہی سے کی جائے، تب ہی ایمان مکمل ہو سکتا ہے، جیسا کہ ((الآن یا عمر!)) (صحیح البخاری: ۶۶۳۲) وغیرہ دلائل سے ثابت ہے۔

۳: والد، والدہ اور اولاد سے انسان کی محبت عام طور پر سب سے زیادہ ہوتی ہے، لہٰذا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے تمام رشتہ داروں، دوستوں اور پیاروں سے زیادہ محبت نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کرنی چاہئے اور یہی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے محبت کا تقاضا ہے۔

۴: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت دس سال کی ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے وقت آپ کی عمر بیس سال تھی، آپ نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ۲۲۸۶ حدیثیں بیان کی ہیں، جن میں ۱۶۸ بخاری و مسلم میں ہیں۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آپ کے لئے دعا فرمائی: ((اللهم أكثر ماله وولده وبارك له فيه)) اے اللہ! اس کا مال اور اولاد زیادہ کر اور ان میں اسے برکت دے۔ (صحیح مسلم: ۲۴۸۱، صحیح البخاری: ۶۳۷۸، ۶۳۷۹)

یہ دعا من وعن پوری ہوئی۔ آپ کے پوتے پوتیاں سو کے قریب تھے۔ رضی اللہ عنہ

[۸] وعنه قال قال رسول الله ﷺ: ((ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الإيمان : من كان الله ورسوله أحب إليه مما سواهما ، ومن أحب عبدًا لا يحبه إلا لله ، ومن يكره أن يعود في الكفر بعد أن أنقذه الله منه كما يكره أن يلقى في النار .)) متفق عليه .

اور آپ (سیدنا انس بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں تو اس نے ایمان کی مٹھاس پالی۔ جو سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول (محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) سے محبت کرے، جو کسی بندے سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور جسے اللہ نے کفر سے نکال لیا ہے، وہ کفر میں دوبارہ لوٹ جانا اس طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں گر جانا (سخت) ناپسند کرتا ہے۔
متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۲۱)، صحیح مسلم (۶۷/ ۴۳ و دارالسلام: ۱۶۵)

فقه الحدیث:

۱: اس حدیث اور دوسری احادیث وآیات سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کے درجے ہیں، لہٰذا لوگ ان درجوں میں مختلف ہیں، کسی کا ایمان زیادہ ہے اور کسی کا ایمان کم ہے۔ سب سے اعلیٰ درجے کا ایمان نبیوں ورسولوں کا ایمان ہوتا ہے، پھر صحابہ کا اور پھر تابعین کا، لہٰذا جو شخص انبیاء وصحابہ کے ایمان کو ایک عام آدمی کے ایمان کے برابر سمجھتا ہے، اُس شخص کا عقیدہ غلط اور باطل ہے۔

۲: جس طرح انسان طبیعت کے لحاظ سے میٹھی چیز پسند کرتا ہے، اسی طرح اسے چاہئے کہ ایمان کے تمام درجات کو اپنی زندگی میں لانے کی مسلسل کوشش کرتا رہے، تا کہ اس کا ایمان زیادہ سے زیادہ ہی ہوتا جائے۔

۳: ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص (ایک) اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے پر راضی ہے، اُس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔ (صحیح مسلم:۳۴/۵۶، اضواء المصابیح:۹)

۴: اس حدیث میں ((مما سواھما)) تثنیہ کا صیغہ اس لئے آیا ہے کہ اللہ اور رسول سے بیک وقت محبت کرنا ہی ایمان واسلام کا تقاضا ورکن ہے، لہٰذا جو لوگ اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور رسول ﷺ (کی احادیث) سے محبت نہیں کرتے تو اُن کا دعویٰ ایمان باطل ہے۔

۵: اس حدیث اور دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے لئے خود آگ میں چھلانگ لگانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

۶: اسلام قبول کرنے کے بعد اُس سے انحراف، آگ میں کودنے کے مترادف ہے۔

[**۹**] **وعن العباس بن عبد المطلب قال قال رسول الله ﷺ: ((ذاق طعم الإيمان من رضي بالله ربًا، وبالإسلام دينًا، وبمحمد رسولاً .)) رواه مسلم .**

اور (سیدنا) عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو (ایک) اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۳۴/۵۶، دارالسلام:۱۵۱)

فقه الحدیث:

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص شرک (اور کفر) نہیں کرتا، صرف ایک اللہ ہی کو اپنا رب، مشکل کشا وحاجت روا سمجھتا ہے، سیدنا محمد ﷺ کو (آخری) رسول اور نبی مانتا ہے اور دین اسلام کو ہی اپنا دین سمجھتا ہے تو یہ شخص مومن اور کامل الایمان ہے۔

اسلام کے ارکان ثلاثہ (توحید، رسالت اور آخرت) میں پہلا رکن توحید ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں کسی مخلوق کو شریک کر لیا، اس شخص کے سارے اعمال ضائع اور مردود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اگر یہ شرک کرتے تو ان کے تمام اعمال ضائع و باطل ہو جاتے۔ (الانعام:۸۸)

۲: ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو تین سال بڑے تھے۔ غزوہ بدر سے پہلے یا بعد میں مسلمان ہوئے۔ آپ غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثابت قدم رہے تھے۔

(صحیح مسلم:۱۷۷۵، دارالسلام:۴۶۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”**هذا العباس بن عبد المطلب أجود قريشٍ كفًا وأوصلها**“ یہ عباس بن عبدالمطلب ہیں، جو قریش میں سب سے زیادہ سخی اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔

(مسند احمد ۱/ ۱۸۵ وسندہ حسن، النسائی فی الکبریٰ: ۸۱۷۴ وصححہ ابن حبان، الاحسان: ۷۰۵۲ والحاکم ۳/ ۳۲۸، ۳۲۹ ووافقہ الذہبی)

آپ کی بیان کردہ پینتیس (۳۵) احادیث مسند بقی بن مخلد میں ہیں۔ حافظ ذہبی نے آپ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/ ۷۸۔۱۰۳)

آپ ۳۲ھ یا ۳۴ھ کو فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

[۱۰] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((والذي نفس محمد بيده ، لا يسمع بي أحد من هذه الأمة ، يهودي ولا نصراني ، ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار.)) رواه مسلم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس امت (امت دعوت) میں سے میرے بارے میں جو بھی سن لے، چاہے یہودی ہو یا عیسائی، اگر وہ اس (دین) پر ایمان لانے سے پہلے مر جائے، جو میں لے کر آیا ہوں تو وہ شخص دوزخی ہے۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۵۳/۲۴۰، دارالسلام: ۳۸۶)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث اور دیگر دلائل سے صاف صاف ثابت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہر انسان پر فرض ہے۔ جو شخص چاہے یہودی ہو یا عیسائی یا کسی دوسرے مذہب والا ہو، جب تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا، آپ کو رسول و نبی نہیں مانتا تو یہ شخص کافر اور ابدی جہنمی ہے۔

۲: یہودیوں اور عیسائیوں کا خاص اس وجہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ دنیا کے دو بڑے آسمانی مذہب ہیں، جو انبیاء اور رسولوں کو ماننے کے دعویدار ہیں، انھیں اہل کتاب بھی کہتے ہیں۔ جب یہ اہل کتاب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے تو معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب مثلاً ہندو، بدھ مت وغیرہ والے بھی آپ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

۳: آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہوگئی ہیں۔
۴: جس شخص تک اسلام کی دعوت نہ پہنچے، اُس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔
ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایسے شخص کا امتحان قیامت کے دن ہوگا۔
دیکھئے صحیح ابن حبان (الموارد: ۱۸۲۷) والصحیحۃ للشیخ الالبانی رحمہ اللہ (۱۴۳۴)
تنبیہ: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔
۵: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت (ید) ہاتھ کا اثبات ہے۔ہم ان الفاظ پر ایمان رکھتے ہیں، ان کی تاویل نہیں کرتے اور نہ انھیں کسی قسم کی تشبیہ دیتے ہیں، اور یہی اہل سنت کا مسلک و مذہب ہے۔اللہ کی صفت ''یــــد'' کو متشابہات میں سے کہنا اہل بدعت کا مسلک ہے۔

[۱۱] وعن أبي موسى الأشعري ، قال: قال رسول الله ﷺ :((ثلاثة لهم أجران : رجل من أهل الكتاب آمن بنبيه وآمن بمحمد ، والعبد المملوك إذا أدّى حق الله وحق مواليه ، ورجل كانت عنده أمة يطؤها ، فأدبها فأحسن تأديبها ، وعلمها فأحسن تعليمها، ثم أعتقها فتزوجها فله اجران.)) متفق عليه .

اور (سیدنا) ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں (میں سے ہر ایک) کے لیے دوگنا اجر ہے: ① اہل کتاب میں سے وہ آدمی جو اپنے نبی اور (نبی) محمد (ﷺ) پر ایمان لائے۔
② وہ غلام جو اللہ اور اپنے آقاؤں کا حق ادا کرے۔
③ وہ آدمی جس کی ایک لونڈی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے، پھر وہ اسے اچھے طریقے سے علم و ادب سکھا کر آزاد کر دیتا ہے، پھر وہ اس سے (باقاعدہ) نکاح کر لیتا ہے۔اس کے لیے دو اجر ہیں۔متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۹۷) صحیح مسلم (۱۵۴/۲۴۱، دارالسلام: ۳۸۷)

فقہ الحدیث:

۱: اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ان میں سے جو شخص بھی اپنے نبی پر سچا ایمان لائے، اپنے ایمان کو شرک و کفر سے آلودہ نہ کرے اور آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صدقِ دل سے ایمان لے آئے تو اللہ کے ہاں اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔
۲: شریعتِ اسلامیہ میں جو مردوں کے احکام ہیں، وہی عورتوں کے احکام ہیں الا یہ کہ تخصیص کی کوئی واضح اور مقبول دلیل موجود ہو، اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل کتاب کی اسلام قبول کرنے والی عورتیں بھی اسی حدیث کے حکم میں شامل ہیں۔
۳: اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے: ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوا بِرَسُوْلِهٖ

يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهِ ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، وہ اپنی رحمت سے تمہیں دوہرا اجر دے گا (سورۃ الحدید:۲۸) آیت: ﴿ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ ﴾ انہیں دوگنا اجر ملے گا (القصص:۵۴) بھی اس کی مؤید ہے۔

۴: خوبصورت آواز والے سیدنا ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں۔ آپ نے تریسٹھ (۶۳) احادیث بیان کی ہیں۔ آپ تریسٹھ سال کی عمر میں ۵۰ یا ۵۲ ہجری کو مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔
دیکھئے مرعاۃ المفاتیح (۱/۵۴) ومرقاۃ المصابیح (۱/۱۵۲)

۵: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ اپنے آقا کی اطاعت کرنے والا غلام بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ اس حکم میں ہر وہ شخص شامل ہے، جو کتاب وسنت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے سربراہ اور افسر کی اطاعت کرتا ہے۔ تاہم یاد رہے کہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں کسی شخص کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

۶: اس حدیث میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی زبردست فضیلت کا ذکر ہے، اور یاد رہے کہ سابق حدیث (۱۰) سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے والا جہنم میں داخل ہوگا۔

۷: ''یعنی ان کی زندگی کے تمام عملوں کے اجر دوسرے لوگوں سے دوگنے ہوں گے۔ اگر دوسرے لوگوں کو دس گنا اجر ملے گا تو ان کو بیس گنا ملے گا۔ اگر اُن کو سات سو گنا اجر ملے تو اِن کو چودہ سو گنا ملے گا۔ پہلے آدمی کو اس لیے کہ اس نے دو شریعتوں پر عمل کیا، پہلی کے وقت بھی اس کی نیت یہ تھی کہ یہ حق ہے میں ہمیشہ اس پر قائم رہوں گا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سامنے آ گئی تو اس پر ایمان لایا پھر اس پر عمل کرتا رہا اور آخر تک کیا۔ دوسرے کو اس لیے کہ اس نے دو مالکوں کی اطاعت کی، ایک حقیقی مالک (اللہ) کی اور دوسرے مجازی مالک کی اور تیسرے کو اس لیے دوگنا اجر ہے کہ لونڈی اسی کی تھی حقوق زوجیت اس کو پہلے بھی حاصل تھے۔ پھر اس نے لونڈی کو علم سکھایا تہذیب سے روشناس کرایا۔ پھر آزاد کر کے اس کی حیثیت عرفی میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ پھر خود اس سے شادی کر کے اس کو اس گھر کی مالکہ بنا دیا جس گھر میں وہ صرف ایک خدمت گزار کی حیثیت رکھتی تھی''

(مشکوٰۃ مترجم ومحشی: شیخ محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۳ طبع مکتبہ نعمانیہ لاہور)

۸: اس حدیث اور دیگر دلائل شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔

۹: مشکوٰۃ میں مذکور الفاظِ حدیث، امام بخاری کی کتاب الادب المفرد (۲۰۳) کی روایت سے مشابہ ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صاحب مشکوٰۃ کا رواہ البخاری یا رواہ مسلم وغیرہ کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ہو بہو یہ الفاظ اسی کتاب میں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ روایت اپنے مفہوم کے ساتھ کتاب مذکور میں بایں الفاظ یا بہ اختلاف الفاظ موجود ہے۔

۱۰: اس حدیث سے تعلیم نسواں کا ثبوت ملتا ہے، عورتوں کو تعلیم دینا (اور لکھنا پڑھنا سکھانا) دوسرے دلائل سے بھی ثابت ہے بشرطیکہ (۱) یہ تعلیم کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو (۲) مردوں کے ساتھ عورتوں کو بٹھا کر مخلوط تعلیم نہ ہو۔ جس حدیث میں عورتوں کو لکھائی سیکھنے سے منع کیا گیا ہے وہ جعفر بن نصر العنبری (کذاب) کی وجہ سے موضوع ہے۔

دیکھئے الکامل لابن عدی (طبعۃ محققۃ ۲/۳۹۵) والموضوعات لابن الجوزی (۲/۲۶۸)
کتاب المجروحین لابن حبان (۲/۳۰۲) وشعب الایمان للبیھقی (۲/۴۷۷ ح ۲۴۵۴) والموضوعات لابن الجوزی (۲/۲۶۹)
میں اس کی ایک دوسری سند ہے جو محمد بن ابراھیم الشامی (کذاب) کی وجہ سے موضوع ہے۔ شعب الایمان (۲۴۵۳) میں عبد الوھاب بن الضحاک (کذاب) نے محمد بن ابراھیم الشامی کی متابعت کر رکھی ہے، اس کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: " بل موضوع ، وآفته عبد الوهاب ، قال أبو حاتم : كذاب " (تلخیص المستدرک ۲/۳۹۶ ح ۳۴۹۴)

یہ موضوع روایات اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے، جس میں آیا ہے کہ شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:
نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: ((ألا تعلمين هذه رقية النملة كما علمتيها الكتابة .)) کیا تو اسے پھوڑے پھنسی کا دم نہیں سکھاتی جیسا کہ تو نے اسے (یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا کو) لکھنا (پڑھنا) سکھایا ہے۔

(ابوداود: ۳۸۸۷ واحمد ۶/۳۷۲ ح ۲۷۰۹۵ والطحاوی فی معانی الآثار ۴/۳۲۶ وھو حدیث صحیح تلخیص نیل المقصو د ۴/۷۷۷)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا لکھنا پڑھنا سیکھنا اور سکھانا جائز ہے۔ والحمد للہ

[**۱۲**] وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قال قال رسول الله ﷺ :((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدًا رسول الله ، ويقيموا الصلاة ، ويؤتوا الزكاة ، فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماء هم وأموالهم إلا بحق الإسلام ، وحسابهم على الله .)) متفق عليه .
إلا أن مسلمًا لم يذكر :((إلا بحق الإسلام .))

اور (سیدنا عبداللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار، نماز قائم اور زکوۃ ادا نہ کریں، جب وہ ایسا کرلیں تو ان کے خون (جانیں) اور اموال مجھ سے محفوظ رہیں گے سوائے حقِ اسلام کے، اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔
متفق علیہ
مگر صحیح مسلم میں "سوائے حق اسلام کے" مذکور نہیں ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۲۵) صحیح مسلم ([۱۲۹] ۲۲/۳۶)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلمہ شہادت: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے کے بعد، نماز اور زکوۃ، دینِ اسلام کے دو انتہائی اہم ارکان ہیں۔ ان ارکان کی ادائیگی کے بعد ہی لوگوں کی جانیں اور مال محفوظ رہ سکتے ہیں، ورنہ ان کے خلاف بزورِ طاقت جہاد کیا جائے گا۔

۲: اسلام کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں، اگر کسی شخص نے ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا اور بظاہر ارکانِ اسلام پر عمل پیرا ہوا، تو اقضِ

اسلام کا ارتکاب نہیں کیا تو اسے دنیا میں اہلِ اسلام کے تمام حقوق حاصل ہوں گے، اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر باطن میں وہ کافر و منافق ہوا تو قیامت کے دن یہ ظاہری اسلام اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ (دیکھئے مشکوۃ مترجم ج۱ص۱۲۴ مع فوائد غزنویہ [بتصرف یسیر])

۳: أُمِـــرتُ (مجھے حکم دیا گیا) کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے سوا، کوئی حکم دینے والا نہیں ہے۔

۴: اس حدیث میں نماز سے مراد فرض نماز ہے۔ امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ جان بوجھ کر، کسی شرعی عذر کے بغیر فرض نماز ترک کرنے والے کو، اس کی حد میں قتل کیا جائے گا۔ جبکہ امام احمد کی طرف منسوب ہے کہ اس تارکِ نماز کو کفر اور ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور اس آخری قول کے استدلال میں نظر ہے۔ دیکھئے مرعاۃ المفاتیح (۱/۵۹)

۵: بحق الاسلام سے مراد تمام وہ امور ہیں، جن کی سزا اسلام میں قتل ہے مثلاً: (۱) شادی شدہ زانی کا سنگسار ہونا (۲) قتل کا بدلہ قتل: قصاص (۳) مسلمان کا مرتد ہوجانا، وغیرہ جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

۶: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان حاکم کو اجازت ہے کہ وہ مانعین زکوۃ سے جنگ کرے، اور اسی طرح اس پر یہ لازم ہے کہ توحید کے ساتھ ساتھ نظامِ صلوۃ اور نظامِ زکوۃ قائم کرے۔

۷: اس حدیث میں مرجیہ فرقے پر رد ہے، جو کہ اعمال کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے۔

۸: أقاتل الناس سے مراد " أقاتل المشركين " ہے جیسا کہ صحیح روایت سے واضح ہے۔
دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/۹۲) وسندہ صحیح، والسنن المجتبیٰ للنسائی (۷/۵ ح۳۹۷۱) وعلقہ البخاری (۳۹۳) بعضہ

۹: اس حدیث کے بعد صحیح مسلم میں ہے: ((من قال لا إله إلا اللّٰه وكفر بما يعبد من دون اللّٰه ، حرم ماله ودمه وحسابه على اللّٰه)) جس شخص نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور غیر اللہ کی عبادت سے انکار کیا تو اس کا مال اور خون (بہانا) حرام ہے۔ اس کا حساب اللہ پر ہے۔ ([۱۳۰] ۲۳/۳۷) معلوم ہوا کہ کفر و شرک سے انکار رکنِ ایمان ہے۔

[۱۳] وعن أنس، أنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ : ((من صلى صلاتنا ، واستقبل قبلتنا ، وأكل ذبيحتنا ، فذلك المسلم الذي له ذمة اللّٰه وذمة رسوله ، فلا تخفروا اللّٰه في ذمته .)) رواه البخاري .

اور (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلے (مکہ) کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ شخص ایسا مسلم ہے کہ اس کے لئے اللہ و رسول کا ذمہ (حفاظتِ جان و مال) ہے۔ پس اللہ کے ذمے کو مت توڑو۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۳۹۱)

فقه الحدیث:

۱: اللہ اور رسول کے ذمہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اللہ ورسول کی امان، عہد اور ضمانت میں ہے۔ اس کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ اسے تمام وہی حقوق میسر ہوں گے جو عام مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جب وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرے گا جس کی سزا موت ہے تو اسے مسلمان حاکم و قاضی قتل کرا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ نواقضِ اسلام کا ارتکاب کرے گا تو ثبوت واقامتِ حجت کے بعد اس کے بنیادی حقوق ختم کر دیئے جائیں گے۔

۲: اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ دینِ اسلام میں اعمال کا اعتبار ظاہر پر ہے۔ یعنی ظاہری طور پر ارکانِ اسلام ادا کرنے والا شخص ہی مسلم ہے، لہٰذا اس پر اسلام کے ظاہری احکام نافذ ہوں گے۔ رہا مسئلہ باطنی طور پر بھی مسلم و فرمان بردار ہونا تو یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

۳: ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں، جبکہ مرجیہ یہ باطل عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ اعمال ضروری نہیں ہیں۔ اس حدیث سے ان مرجیہ پر بھی واضح رد ہوتا ہے۔

۴: اس حدیث اور دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ نماز اسی طرح پڑھنی چاہئے جس طرح رسول اللہ ﷺ (اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے نماز پڑھی ہے۔

۵: اہلِ قبلہ پر اہلِ اسلام کے احکام جاری ہیں، اِلا یہ کہ وہ کفرِ صریح اور نواقضِ اسلام کا ارتکاب کریں۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مرزا غلام قادیانی کذاب کے پیروکار، قادیانی مرزائی و لاہوری سب اہلِ اسلام (اہلِ قبلہ) سے خارج، کافر اور غیر مسلم ہیں۔ اس طرح کتاب وسنت اور اجماع سے جن لوگوں کا کافر و غیر مسلم ہونا ثابت ہے، وہ بھی اہلِ قبلہ اور اہلِ اسلام سے خارج ہیں۔

[١٤] وعن أبي هريرة ، قال: أتى أعرابي النبي ﷺ ، فقال : دلني على عمل إذا عملته دخلت الجنة ، قال: ((تعبدالله ولا تشرك به شيئاً، وتقيم الصلاة المكتوبة ، وتؤدي الزكاة المفروضة ، وتصوم رمضان)) قال: والذي نفسي بيده ! لا أزيد على هذا شيئاً ولا أنقص منه ، فلما ولى، قال النبي ﷺ: ((من سره أن ينظر إلى رجل من أهل الجنة فلينظر إلى هذا)) متفق عليه .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک اعرابی (دیہاتی شخص) آیا اور کہا: آپ مجھے ایسا عمل سکھائیں جسے کر کے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: اللہ کی عبادت کر اور کسی چیز میں اس کے ساتھ شرک نہ کر، فرض نماز قائم کر اور فرض زکوۃ ادا کر، (ماہِ) رمضان کے روزے رکھ۔ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نہ اس سے زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ پس جب وہ واپس چلا تو نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۳۹۷) صحیح مسلم (۱۴/۵)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ارکانِ اسلام ادا کرنے والا شخص (اگر نواقضِ اسلام کا ارتکاب نہ کرے تو) ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ چاہے ابتدا سے ہی اس کے سارے گناہ معاف کر کے اسے جنت میں داخل کر دیا جائے یا اسے گناہوں کی سزا دے کر آخر کار جنت میں داخل کیا جائے۔ کافر ومشرک اگر توبہ کے بغیر مر گیا تو ابدی جہنمی ہے، جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

۲: حدیث میں مذکور اعرابی کے نام میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں سعد ہے اور بعض عبداللہ بن اخرم کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی تحقیق میں اس سے مراد لقیط بن عامر یا ابن المنفق ہے۔
دیکھئے التوضیح لمبھمات الجامع الصحیح لابن العجمی (قلمی ص ۸۲)

اعرابی کے نام میں اختلاف چنداں مضر نہیں ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ضرور بالضرور اس کا نام معلوم کیا جائے۔

۳: اللہ کی عبادت سے مراد اس پر ایمان، مکمل اطاعت اور شرک وکفر سے کلی اجتناب ہے۔

۴: اس حدیث میں حج کا ذکر نہ ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت حج فرض نہیں ہوا تھا۔

۵: احادیث سابقہ کی طرح یہ حدیث بھی مرجیہ کا زبردست رد ہے، جو اعمال کو ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔

۶: ایک روایت میں ایک چیز کا ذکر ہو اور دوسری میں ذکر نہ ہو تو اس حالت میں عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

۷: بعض لوگ اس حدیث سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ سنتیں اور نوافل ضروری نہیں ہیں۔ سیدنا سعید بن المسیب (تابعی) فرماتے ہیں: " **أوتر رسول الله ﷺ وليس عليك وضحّى وليس عليك وصلّى الضحى وليس عليك وصلّى قبل الظهر وليس عليك** "، رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھا ہے اور یہ تجھ پر لازم نہیں ہے۔ آپ نے قربانی کی اور یہ تجھ پر واجب نہیں ہے۔ آپ نے چاشت کی نماز پڑھی، یہ تجھ پر ضروری نہیں ہے۔ آپ نے ظہر سے پہلے نماز پڑھی اور یہ تجھ پر لازم نہیں ہے۔
(مسند علی بن الجعد: ۹۴۵ وسندہ صحیح)

تاہم بہتر اور افضل یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کیا جائے اور تمام سننِ ثابتہ کو اپنی زندگی میں اپنایا جائے۔ قیامت کے دن فرائض کی کمی سنن ونوافل سے پوری کی جائے گی اور صحیح احادیث میں نوافل وسنت ادا کرنے کی ترغیب اور فضیلت بھی بہت زیادہ موجود ہے، لہٰذا انھیں بلا وجہ یا معمولی سمجھتے ہوئے ہمیشہ چھوڑنا ایک مذموم حرکت ہے۔

۸: رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرنے سے ہی انسان اپنے رب کے فضل سے جنت کا حق دار بن سکتا ہے۔

۹: مبشرین بالجنۃ کا عدد دس میں محصور نہیں ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث سے جن کا جنتی ہونا ثابت ہے وہ جنتی ہیں۔

۱۰: اللہ پر ایمان اور عقیدہ توحید کے بعد ہی اعمالِ صالحہ فائدہ دے سکتے ہیں۔

[**١٥**] وعن سفيان بن عبدالله الثقفي ، قال قلت : يارسول الله ! قل لي في الإسلام قولاً لا أسال عنه أحدًا بعدك ، وفي رواية :غيرك . قال : ((قل آمنت بالله ، ثم استقم .)) رواه مسلم .

اور (سیدنا) سفیان بن عبداللہ الثقفی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام میں ایسی (جامع) بات بتائیں کہ آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: کہو! میں اللہ پر ایمان لایا، پھر (اس پر) ثابت قدم ہو جاؤ۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۳۸/۶۳)

فقہ الحدیث:

ا: اس حدیث اور دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ دین اسلام کا اصل اور بنیادی رکن ایمان باللہ ہے۔ اللہ ہی معبود برحق، مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس، حاکم اعلیٰ اور قانون ساز ہے۔ اس کی صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں، یہی وہ عقیدہ توحید ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسول بھیجے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ اور یقیناً ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا تا کہ تم (ایک) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچ جاؤ۔ (سورۃ النحل:۳۶)

☆ طاغوت ہر شیطان، کاہن، جادوگر اور اس معبود باطل کو کہتے ہیں جو اپنی عبادت پر راضی ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب التمیمی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۰۶ھ) فرماتے ہیں:

طاغوتوں کے سردار پانچ ہیں: (۱) شیطان (۲) ظالم حکمران جو اللہ کے احکام کو بدل دیں (۳) جو شخص اللہ کے نازل کردہ دین کے بغیر حکم چلائے اور فیصلے کرے (۴) جو شخص اللہ کے بغیر علمِ غیب کا دعویٰ کر دے (۵) جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے اور وہ اپنی عبادت پر راضی ہو۔ (رسالہ معنی الطاغوت وأنواعہ / مولفات الامام محمد بن عبدالوہاب ج ا ص ۳۷۷)

یاد رہے کہ توحید کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ آدمی۔ رسول اللہ ﷺ کی گستاخیاں شروع کر دے آپ کے علم کو حیوانات، پاگلوں اور بچوں کے علم سے تشبیہ دینے لگے۔ معاذ اللہ ایسا آدمی موحد نہیں بلکہ ملحد و زندیق ہے۔

توحید کا یہ لازمی نتیجہ اور رکن ہے کہ آدمی۔ رسول اللہ ﷺ پر بغیر افراط و تفریط کے صحیح ایمان لائے، آپ ﷺ سے والہانہ محبت اور پیار کرے، آپ کی گستاخی کے تصور اور خیال سے بھی بہت دور بھاگے۔ نہ تو آپ کو الٰہ معبود بنا دے اور نہ آپ کے مقام، فضیلت و درجات میں کسی قسم کی کمی کرے۔ المختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ﷺ کا مقام ہے۔ ہم سب آپ پر فدا ہوں۔ آمین

۲: یہ حدیث اس آیت کریمہ کے مطابق ہے جس میں ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے نازل ہو کر کہتے ہیں: نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی تمہیں خوشخبری ہو جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا۔ (حم السجدہ:۳۰)

نیز دیکھئے سورۃ الاحقاف:۱۳

۳: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان دلی تصدیق، زبانی قول اور جسمانی عمل کا نام ہے، لہٰذا یہ حدیث بھی بدعتی فرقے مرجیہ کا رد ہے، جن کا یہ خیال ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ ان بدعتیوں کے نزدیک ایمان صرف زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے۔

۴: یہاں استقامت اور ثابت قدمی سے شرک و کفر اور تمام منہیات سے کلی اجتناب اور تمام ظاہری و باطنی طاعات (اعمال صالحہ) پر عمل مراد ہے۔

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "**ثم استقاموا فلم یلتفتوا إلی إله غیره**" پھر وہ ثابت قدم رہے، پس انھوں نے اللہ کے سوا کسی الہ (معبود) کی طرف دیکھا تک نہیں۔ (تفسیر طبری ج ۲۴ ص ۷۳ و سندہ صحیح)

مفسر قرآن قتادہ بن دعامہ (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**استقاموا علی طاعة الله**" وہ اللہ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ۲۷۰۶ و سندہ صحیح)

۵: اس حدیث کی بعض سندوں میں یہ اضافہ ہے کہ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میرے بارے میں کس چیز کا آپ کو سب سے زیادہ خوف ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: "یہ" یعنی اس زبان کا خوف سب سے زیادہ ہے۔

(سنن الترمذی: ۲۴۱۰ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح، شعب الایمان للبیہقی: ۴۹۱۹ والزہری صرح بالسماع عندہ)

اصولِ حدیث میں یہ بات مقرر ہے کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔ ایک صحیح روایت میں کچھ الفاظ نہ ہوں اور دوسری صحیح میں موجود ہوں تو دونوں روایتوں کو ملا کر ہی مسئلہ سمجھنا اور حجت ماننا چاہئے۔

[**۱۶**] وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ، ثَائِرَ الرَّأْسِ ، نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ ، حَتّٰى دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ . فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ .)) فَقَالَ : هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ فَقَالَ : ((لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ .)) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((وَ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ .)) قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ ؟ قَالَ : ((لَا ، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ .)) قَالَ : وَذَكَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الزَّكَاةَ ، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ فَقَالَ: ((لَا ،

(سیدنا) طلحہ بن عبیداللہ (القرشی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، اہلِ نجد میں سے ایک آدمی آیا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہم اس شخص کی آواز کی گنگناہٹ تو سن رہے تھے مگر سمجھ نہیں رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ حتی کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا (اور بیٹھ گیا، بعد میں ہم نے سنا کہ) وہ اسلام (کے احکام) کے بارے میں پوچھ رہا تھا...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دن اور رات میں پانچ نمازیں (فرض ہیں) اس نے پوچھا: ان کے علاوہ مجھ پر کچھ اور بھی ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ تم (اپنی مرضی سے) نوافل پڑھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ .)) قَالَ: فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ : وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ .
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((أَفْلَحَ الرَّجُلُ إِنْ صَدَقَ))
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

نے فرمایا: اور رمضان کے روزے (فرض ہیں) اس نے پوچھا: کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ تم (اپنی مرضی سے) نفلی روزے رکھو۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے زکوۃ کے متعلق بھی بتایا (کہ فرض ہے) اس نے پوچھا: کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ لازمی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ تم (اپنی مرضی سے) نفلی صدقات دے دو۔ وہ شخص یہ کہتے ہوئے واپس چلا کہ اللہ کی قسم، میں ان (فرائض) میں سے نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اس نے صحیح کہا ہے تو یہ شخص کامیاب ہوگیا۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۴۶) صحیح مسلم (۱۱/۸)

فقه الحدیث:

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کامیابی کا دارومدار اعمال اور فرائض کی ادائیگی پر ہے۔ تاہم سنن ونوافل کو بھی نہیں چھوڑنا چاہئے جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ جب فرائض میں کمی ہوگی تو سنن ونوافل کام آئیں گے، نیز احکامِ اسلام کما حقہ بجالانے کی فضیلت بھی واضح ہو رہی ہے۔

۲: اہلِ نجد والا آدمی کون تھا، حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ ابن بطال اور ابن العجمی وغیرہما کا خیال ہے کہ وہ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (شرح ابن بطال ۹۷/۱ والتوضیح لمبھمات الجامع الصحیح لابن العجمی قلمی ص۱۳)

۳: اسلام فرائض واعمال کا نام ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ مرجیہ کا عقیدہ باطل ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں۔

۴: اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے، جبکہ دوسری احادیث سے حج کا فرض ہونا ثابت ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر ایک دلیل میں کوئی مسئلہ مذکور نہیں اور دوسری دلیل میں وہ مسئلہ مذکور ہے تو اسی کا اعتبار ہوگا، اس حالت میں عدمِ ذکر کو نفی ذکر کی دلیل نہیں بنایا جائے گا۔

۵: بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ وتر واجب نہیں بلکہ سنتِ موکدہ ہے۔
اس کی تائید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول سے بھی ہوتی ہے: "لَيْسَ الْوِتْرُ بِحَتْمٍ كَالصَّلٰوةِ وَلٰكِنَّهُ سُنَّةٌ فَلَا تَدَعُوْهُ"
وتر (فرض) نماز کی طرح ضروری (واجب) نہیں ہے، لیکن یہ سنت ہے اسے نہ چھوڑو۔ (مسند احمد ۱۰۷/۱ ح ۸۴۲ وسندہ حسن)
ایک شخص ابو محمد نامی نے کہا: وتر واجب ہے تو سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ (بدری صحابی) نے فرمایا: "كَذَبَ أَبُوْ مُحَمَّدٍ"

ابومحمد نے جھوٹ (یعنی غلط) کہا۔ (سنن ابی داود: ۱۴۲۰ وسندہ حسن، مؤطا امام مالک ۱/۱۲۳ و صحیح ابن حبان، موارد: ۲۵۲، ۲۵۳)

۶: عربی زبان میں بلند وسخت جگہ کو نَجد اور پست اور نچلی زمین کو غور کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۶۱۱، ۱۱۸۹)
عرب کے علاقے میں بہت سے نجد ہیں۔ مثلاً نجد برق، نجد خال، نجد عفر، نجد کبکب اور نجد مریع (دیکھئے معجم البلدان ۵/۲۶۲) تہامہ سے عراق کی زمین تک نجد ہے۔ (لسان العرب ۳/۴۱۳)
جن احادیث میں قرن الشیطان، زلزلوں اور فتنوں والے نجد کا ذکر ہے، ان سے مراد نجد العراق ہے۔ دیکھئے ''اکمل البیان فی شرح حدیث نجد قرن الشیطان'' (از حکیم محمد اشرف سندھو) اور ''فتنوں کی سرزمین نجد یا عراق'' (از رضاء اللہ عبدالکریم)
نیز دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ''الاتحاف الباسم تحقیق وشرح موطأ امام مالک روایۃ ابن القاسم'' (ص ۳۵۱-۳۵۲)
حدیثِ ہذا میں جس نجدی کا ذکر ہے وہ جلیل القدر صحابی (ضمام بن ثعلبہ) رضی اللہ عنہ ہے جیسا کہ اوپر گزر رہا ہے (نمبر ۲)
نیز دیکھئے الاصابۃ (ص ۶۲۷ ت ۴۳۴۲)

[**۱۷**] وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ وَفْدَ عَبْدِالْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنِ الْقَوْمُ أَوْ مَنِ الْوَفْدُ؟)) قَالُوْا: رَبِيْعَةُ قَالَ: ((مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ – غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى .)) قَالُوْا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، فَمُرْ نَابِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرُبِهِ مَنْ وَرَاءَنَا وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَأَلُوْهُ عَنْ الْأَشْرِبَةِ، فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ ، أَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ ، قَالَ: ((أَتَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ ؟)) قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ ، قَالَ: ((شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ)) وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ :عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيْرِ وَ الْمُزَفَّتِ وَقَالَ: ((احْفَظُوْهُنَّ وَأَخْبِرُوْابِهِنَّ مَنْ وَرَائَكُمْ .)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ.

(سیدنا عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبدالقیس (قبیلے) کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں، یا کون سا وفد ہے؟ انھوں نے کہا: ربیعہ (کا قبیلہ) آپ نے فرمایا: اس قوم یا وفد کو خوش آمدید ہو، (تم) نہ ذلیل ہوگے اور نہ شرمندہ، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس صرف حُرمت والے مہینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) میں ہی آ سکتے ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان مضر قبیلے کے کافروں کا علاقہ ہے، آپ ہمیں ایسی جامع بات بتائیں جو ہم اپنے قبیلے میں واپس جا کر لوگوں تک پہنچا دیں اور ہم سب جنت میں داخل ہو جائیں۔ انھوں نے آپ سے پینے پلانے والے برتنوں کے بارے میں بھی پوچھا تھا۔ پس آپ نے انھیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع کر دیا۔ آپ نے انھیں ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کی

گواہی دینا کہ ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ (بیت المال کو) دے دو۔ آپ نے انھیں چار چیزوں سے منع کر دیا:
① ہرے سیاہ رنگ کے ٹھیکرے والا گھڑا جس میں نبیذ تیار کی جاتی تھی۔ ② کدو کا برتن جس میں نبیذ تیار کی جاتی تھی۔
③ پیالہ نما لکڑی کا برتن جس میں نبیذ تیار کی جاتی تھی۔
④ تارکول والے برتن جن میں نبیذ تیار کی جاتی تھی۔
متفق علیہ، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

تخریج: صحیح بخاری (۵۳) صحیح مسلم (۲۴/ ۱۷)

فقہ الحدیث:

۱: حصولِ علم اور جنت میں جانے کا جذبہ کس قدر صادق ہے کہ ہر قسم کی آزمائش کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میلوں کا سفر طے کیا، اسی طرح معرفتِ حق کے بعد دوسرے تک پہنچانے کا جذبہ بھی لائقِ تحسین ہے۔ سبحان اللہ

۲: اس حدیث میں واضح ثبوت ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ نبی ﷺ نے نماز، زکوٰۃ، روزوں اور مالِ غنیمت کی ادائیگی کو ایمان میں سے قرار دیا ہے۔ اس فرمانِ نبوی کے سراسر برعکس گمراہ فرقہ مرجیہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں۔!!

۳: سلام و کلام کے بعد مہمانوں کو خوش آمدید کہنا صحیح ہے۔ نیز شبہات سے بچنے میں ہی احتیاط ہے۔

۴: نبی ﷺ کی احادیث یاد کر کے دوسرے لوگوں تک پہنچانا جنت میں داخلے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔
اس حدیث سے محدثین کرام کی زبردست فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

۵: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمھیں تین باتوں سے منع کیا تھا، اب میں تمھیں ان کے بارے میں حکم دیتا ہوں، میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا، اب ان کی زیارت کو چلے جایا کرو، یقیناً ان کی زیارت میں عبرت اور نصیحت ہے۔ میں نے تمھیں چمڑے کے برتنوں کے علاوہ کئی برتنوں میں پینے سے روکا تھا، تو (اب) ہر قسم کے برتنوں میں پی سکتے ہو لیکن کوئی نشہ آور چیز مت پیو۔ میں نے تمھیں قربانی کا گوشت تین دن کے بعد استعمال کرنے سے روکا تھا، اب اُسے کھا سکتے ہو اور اپنے سفروں میں اُس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ (صحیح مسلم: ۹۷۷، سنن ابی داود: ۳۶۹۸ واللفظ لہ)
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم

۶: بعض اوقات مومن کمزور بھی ہوسکتا ہے، مگر اسے ہر حال میں کتاب و سنت پر ڈٹا رہنا چاہئے۔

[**۱۸**] وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ: ((بَايِعُوْنِي عَلَى أَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَفَاعَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ .)) فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذٰلِكَ ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

(سیدنا) عبادہ بن الصامت (البدری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اردگرد صحابہ کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، کہ آپ نے فرمایا: میری اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز میں شرک نہیں کرو گے۔ نہ چوری کرو گے، نہ زنا کرو گے، اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے، اپنے آگے پیچھے بہتان گھڑ کر نہ پھیلاؤ گے، معروف میں نافرمانی نہ کرو گے جس نے ان احکامات کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے۔ اور جو شخص ان گناہوں میں (شرک کے علاوہ) مبتلا ہوا تو اگر دنیا میں اسے سزا مل گئی تو یہی اُس کے لئے کفارہ ہے اور جو شخص ان گناہوں کا مرتکب ہوا، پھر اللہ نے دنیا میں اس پر پردہ ڈالے رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو وہ اسے معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے۔ پس ہم نے ان امور پر آپ (ﷺ) کی بیعت کر لی۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۸) صحیح مسلم (۴۱/ ۱۷۰۹)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث میں واردشرائطِ بیعت کی اصل قرآن مجید میں موجود ہے۔ دیکھئے سورۃ الممتحنہ آیت:۱۲

۲: شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد اور بہتان تراشی کبیرہ گناہ ہیں۔ ان میں سب سے بڑا (اکبر الکبائر) گناہ شرک ہے، جس کی مغفرت نہیں ہے۔ باقی گناہ اگر اللہ چاہے تو معاف کر دے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

۳: جس شخص پر دنیا میں (اسلامی حکومت کی طرف سے) حد یا تعزیر قائم ہو جائے تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے مسند احمد (۲۱۴/۵، ۲۱۵) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۳۲۸/۸، ۳۲۹) ومرعاۃ المفاتیح (۷۷/۱) والموسوعۃ الحدیثیہ (۱۹۲/۳۶۔۱۹۴)

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ توبہ بھی ضروری ہے، مگر راجح یہی ہے کہ اقامتِ حد ہی کفارہ ہے۔ واللہ اعلم

مستدرک الحاکم (۳۶/۱ ح ۱۰۴) کی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((وَمَا أَدْرِي الْحُدُوْدُ كَفَّارَاتٌ لِأَهْلِهَا أَمْ لَا .)) مجھے معلوم نہیں ہے کہ حدود سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔ (وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

ان دونوں روایات کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کو بعد میں حدود کے کفارات ہونے کی اطلاع بذریعہ وحی دے دی گئی تھی۔

۴: کتاب وسنت کے دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں بیعت صرف دوقسم کی ہے: (۱) نبی کی بیعت (۲) خلیفہ کی بیعت

یاد رہے کہ جوصوفی حضرات اپنے پیروں کی بیعت وغیرہ کرتے رہتے ہیں اس کا کوئی ثبوت کتاب وسنت میں نہیں ہے۔ یہی صوفیانہ بیعتوں والے کبھی خلیفہ اور کبھی خلیفہ مجاز اور کبھی مہدی وغیرہ کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں (العیاذ باللہ)۔اسی طرح پارٹیوں کی بیعتیں بھی ہوتی رہتی ہیں، یہ سب بیعتیں بدعت یعنی مردود ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو صوفیوں، حزبیوں اور خارجیوں کے شر سے محفوظ رکھے۔(آمین)

[**۱۹**] وعن أبي سعيد الخدري، قال: خرج رسول اللّٰه ﷺ في أضحى أو فطر إلى المصلى فمر على النساء ، فقال: ((يا معشر النساء ! تصدقن ، فإني أريتكن أكثر أهل النار)) فقلن :وبم يارسول اللّٰه ؟ قال: ((تكثرن اللعن ، وتكفرن العشير ، مارأيت من ناقصات عقل ودين أذهب للب الرجل الحازم من إحدا كن .)) قلن :ما نقصان ديننا وعقلنا؟ يا رسول اللّٰه! قال: ((أليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل ؟)) قلن: بلى قال: ((فذلك من نقصان عقلها)) قال: ((أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم؟)) قلن : بلى . قال: ((فذلك من نقصان دينها)) متفق عليه .

اور (سیدنا) ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کے دن رسول اللہ ﷺ عیدگاہ تشریف لے گئے تو آپ (ﷺ) نے عورتوں کے پاس تشریف لا کر فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقے کرو کیونکہ میں نے تمھاری (عورتوں کی) اکثریت کو (جہنم کی) آگ میں دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگیں: کیوں؟ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) نے فرمایا: تم لعن (وطعن) بہت کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا جو عقل و دین کے نقصان (کمی) کے باوجود عقل مند مرد کی عقل کو اُچک کر پاگل کردے۔ انھوں نے پوچھا: یارسول اللہ! ہماری عقل اور دین کا نقصان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: یہ اس کی عقل کا نقصان ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا جب عورت کو حیض ہو تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۳۰۴) صحیح مسلم (۸۰/۱۳۲)

فقہ الحدیث:

۱: اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مَردوں کو عورتوں پر بحیثیت مجموعی برتری حاصل ہے۔اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ مرد عورتوں پر نگران ہیں۔(سورۃ النساء:۳۴)

۲: نماز دین اسلام کا ایک (یعنی دوسرا) بنیادی رکن ہے، چونکہ نماز عمل کا نام ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ نماز اعمال دین (یعنی ایمان) میں سے ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ اوراللہ تمہارے ایمان (یعنی نمازیں) ضائع نہیں کرے گا۔

(سورۃ البقرہ:۱۴۳)

۳: عورت ایامِ حیض میں نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ اس کے لئے دین کے یہ دونوں کام، اس حالت میں ممنوع ہیں۔ دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ ایامِ حیض گزرنے کے بعد وہ روزوں کی قضا تو کرے گی، لیکن نماز کی قضا نہیں کرے گی۔

۴: آپ ﷺ نے کب عورتوں کو جہنم میں دیکھا تھا؟ اس کا ذکر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے سورج گرہن والی نماز کے دوران میں عورتوں کو جہنم میں دیکھا تھا۔

دیکھئے صحیح بخاری (۱۰۵۲) وصحیح مسلم (۱۷/ ۹۰۷) واضواء المصابیح (۱۴۸۲)

تنبیہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ ہر آدمی کو بہتر (۷۲) حوریں اور سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد سے دو عورتیں ملیں گی۔

(مسند ابی یعلی بحوالہ النہایہ فی الفتن والملاحم ۱/ ۱۷۷ ح ۴۹۸ بتحقیقی، وتحقیق ثانی ح:۵۳۰ والمطولات للطبرانی ح:۳۶/ المعجم الکبیر ۲۵/ ۲۷۶)

اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ ہوں گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے، اس کا راوی اسماعیل بن رافع: ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: **ضعیف الحفظ** (تقریب التہذیب:۴۴۲)

اس روایت کی سند متصل نہیں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**لا يصح**'' یہ صحیح نہیں ہے۔ (الکامل لابن عدی ۱/ ۲۷۸ وسندہ صحیح)

۵: اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کی گواہی آدھی ہے۔ یعنی ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ ﴾ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں [کی گواہی پیش کرو۔] (سورۃ البقرہ:۲۸۲)

تنبیہ: جن امور کا تعلق خاص عورت سے ہے مثلاً بچے کو دودھ پلانا وغیرہ تو اس میں ایک عورت کی گواہی بھی مقبول ہے اور اسی طرح قبولِ روایت میں ایک ثقہ عورت کی گواہی مقبول ہے۔

۶: مسلمان کا مسلمان پر لعنت بھیجنا حرام ہے، اگرچہ جس پر لعنت بھیجی جا رہی ہے وہ گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک شرابی پر کسی نے لعنت بھیجی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((**لا تلعنوه**)) اس پر لعنت نہ بھیجو۔

(صحیح البخاری:۶۷۸۰)

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ متعین زندہ کافر پر بھی لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔ اگر کافر مر جائے اور اس بات کا یقینی ثبوت ہو کہ وہ کفر پر مرا ہے تو پھر اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے، جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کافروں پر لعنت بھیجنا بالاجماع جائز ہے۔

کسی متعین انسان کا نام لئے بغیر عام لعنت بھیجی جاسکتی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے شرابی اور سودی پر لعنت بھیجی ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۳۶۷۵) وصحیح مسلم (۱۵۹۷، ۱۵۹۸)

[**۲۰**] **وعن أبي هريرة ، قال: قال رسول الله ﷺ: ((قال اللّٰه تعالى: كذبني ابن آدم ولم يكن له ذلك، وشتمني ولم يكن له ذلك ؛ فأما تكذيبه إياي فقوله: لن يعيدني كما بدأني ، وليس أول الخلق بأهون علي من إعادته ۔ وأما شتمه إياي :فقوله :اتخذ اللّٰه ولدًا، وأنا الأحد الصمد الذي لم ألد ولم أولد ، ولم يكن لي كفوًا أحد))**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے یہ جائز نہیں تھا، اور اس (ابن آدم) نے مجھے گالیاں دیں، حالانکہ اس کے لئے یہ جائز نہیں تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: جس طرح اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے اس طرح دوبارہ (پیدا کر کے) نہیں لوٹائے گا۔ حالانکہ میرے لئے دوبارہ پیدا کرنا پہلے پیدا کرنے سے مشکل نہیں ہے (یعنی میرے لئے پہلے پیدا کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا دونوں آسان ترین ہیں) رہا اس (ابن آدم) کا مجھے گالیاں دینا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں اکیلا بے نیاز ہوں، نہ کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی مجھ سے پیدا ہوا ہے اور میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

تخریج: صحیح بخاری (۴۹۷۴)

[**۲۱**] **وفي رواية عن ابن عباس :((وأما شتمه إياي فقوله :لي ولد ، وسبحاني أن أتخذ صاحبة أوولدًا)) رواه البخاري .**

(سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی روایت میں آیا ہے کہ (اللہ نے فرمایا:) اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: میرا (خدا کا) بیٹا ہے، حالانکہ میری شان پاک ہے، نہ میری کوئی بیوی ہے اور نہ میرا کوئی بیٹا ہے۔
اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۴۴۸۲)

فقه الحدیث:

۱: عیسائی پولسی حضرات یہ کہتے پھرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کنواری مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے۔ آپ اولادِ آدم میں سے، اور داود علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

صلیب کے پجاری عیسائی حضرات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے اور سمجھنے کی وجہ سے خدا کو گالیاں دیتے ہیں۔

۲: مشرک شرک کرتا ہے اور اپنے شرک کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو گالیاں دیتا ہے۔

۳: تمام اہلِ اسلام اور متبعین انبیاء کرام کا یہی عقیدہ ہے کہ قیامت کے بعد تمام انسانوں کو زندہ کیا جائے گا اور اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ جو شخص اس عقیدے کا انکار کرتا ہے وہ اپنے خالق و مالک، اللہ تبارک وتعالیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہے، اور یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جھوٹا سمجھنے والا شخص کائنات کا بدترین کافر ہے۔

۴: یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جنھیں احادیث قدسیہ کہتے ہیں۔ یہ احادیث تقریباً ایک سو سے زیادہ ہیں۔ حدیثِ قدسی اور قرآن مجید میں یہ فرق ہے کہ حدیث قدسی وحی غیر متلو ہے جو الہام، خواب یا فرشتے کے ذریعے سے بالمعنی یا باللفظ آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے بتائی گئی ہے، جبکہ قرآن مجید سارے کا سارا وحی متلو ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا ہر لفظ، اللہ کا کلام ہے اور نبی ﷺ تک متواتر ہے۔

نیز دیکھئے مرعاۃ المفاتیح (۱/۸۳)

۵: اللہ رب العزت کتنا بے نیاز ہے کہ وہ ان لوگوں کو بھی دنیا میں ڈھیل دے رہا ہے، جو اسے گالیاں دیتے ہیں اور اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ ڈھیل ان لوگوں کی موت تک ہے۔ مرنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ دکھ دینے والے عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں گے اور انھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

۶: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتوں کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے، بس الفاظ میں معمولی اختلاف ہے۔ ہر ایک نے جو سنا ہے وہ یاد رکھا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ایک روایت میں ایک چیز کا ذکر ہو اور دوسری میں ذکر نہ ہو تو عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

۷: روایت بالمعنی بھی جائز ہے۔

[**۲۲**] وعن أبي هريرة ، قال: قال رسول الله ﷺ: ((قال الله تعالى: يؤذيني ابن آدم يسب الدهر ، وأنا الدهر ، بيدي الأمر ، أقلب الليل والنهار)) متفق عليه .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے ابن آدم تکلیف دیتا ہے، وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور (حالانکہ) میں زمانہ (یعنی زمانے کا خالق) ہوں۔ اختیار میرے ہی ہاتھ میں ہے، رات اور دن کو میں ہی تبدیل کر رہا ہوں۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۴۸۲۶ واللفظ لہ) صحیح مسلم (۲۲۴۶/۲)

فقہ الحدیث:

۱: اللہ کو تکلیف دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔

۲: مطلقاً زمانے کو بُرا کہنا، یعنی گالیاں وغیرہ دینا ممنوع ہے، کیونکہ زمانے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس سے یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ اعتراض کرنے والا زمانے کے خالق یعنی اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر رہا ہے۔ معاذ اللہ

۳: دہریہ عقائد والے کفار زمانے کو برا کہتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول منقول ہے: ﴿ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ﴾ یعنی ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ (سورۃ الجاثیہ: ۲۴) انھی کی پیروی کرتے ہوئے بعض جاہل عوام زمانے کو برا کہہ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ ایسی حرکتوں سے کلی اجتناب کرنا چاہئے۔ ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ ان تمام کاموں سے بچے جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

۴: صرف ایک اللہ ہی مدبر اور متصرف ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ جو لوگ اس کے شریک بنا لیتے ہیں، ان شریکوں سے اللہ پاک ہے۔

۵: بعض روایتوں میں زمانے کی مذمت بھی آئی ہے، مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ ((لایأتی علیکم زمان إلا والذی بعده أشر منه.)) تم پر جو زمانہ بھی آئے گا اس کے بعد والا زمانہ اس کی بہ نسبت زیادہ شر والا (خراب) ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۷۰۶۸)

ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اچھا زمانہ ہو یا بظاہر برا زمانہ، سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں زمانے کو برا نہیں کہا گیا اور نہ گالیاں دی گئی ہیں۔

[**۲۳**] وعن أبي موسى الأشعري ، قال : قال رسول اللّٰه ﷺ :((ما أحد أصبر على أذى يسمعه من اللّٰه ، يدعون له الولد ، ثم يعافيهم ويرزقهم)) متفق عليه .

(سیدنا) ابو موسیٰ الاشعری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایذا (تکلیف) کی باتیں سن کر صبر کرنے والا اللہ سے زیادہ کوئی نہیں۔ (عیسائی اور مشرکین) یہ دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، پھر (اس کے باوجود) اللہ انھیں رزق دیتا ہے اور عافیت (صحت) میں (بھی) رکھتا ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۷۳۷۸) مسلم (۴۹/۲۸۰۴)

فقہ الحدیث:

۱: اللہ کے صبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہونے کے باوجود کافروں اور مشرکوں کو ڈھیل دیتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو سب کافروں اور مشرکوں کو آن واحد میں تہس نہس کر دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ اور وہ انھیں ڈھیل دیتا ہے تو وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ:۱۵)

۲: اللہ کو ایذا اور تکلیف دینے سے مراد مشرکین کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا کی اولاد ہے۔ یعنی مشرکین اپنے شرک کی وجہ سے اپنے رب کو ناراض کر دیتے ہیں۔

۳: دنیا میں اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کو بھی رزق وخوشیاں دیتا ہے، لیکن مرنے کے بعد ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ مرنے کے بعد رزق اور خوشیاں صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لاتے ہیں، شرک وکفر نہیں کرتے، قرآن وحدیث کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

۴: صبر کرنا بہترین عمل ہے۔ رب کریم فرماتا ہے: ﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ صرف صبر کرنے والوں کو ان کا اجر (بہترین بدلہ) بے حدوحساب دیا جائے گا۔ (سورہ الزمر:۱۰)

۵: سب گناہوں سے بڑا گناہ شرک ہے۔ مشرک اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو ابدی جہنمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا (جہنم کی) آگ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (سورۃ المائدہ:۷۲)

[**٢٤**] وعن معاذ، قال: كنت ردف رسول الله ﷺ علٰى حمار، ليس بيني وبينه إلا مؤخرة الرحل، فقال: ((يا معاذ! هل تدري ما حق اللّٰه على عباده؟ وما حق العباد على اللّٰه؟)) قلت: اللّٰه و رسوله أعلم. قال: ((فإن حق اللّٰه على العباد أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئًا، وحق العباد على اللّٰه أن لا يعذب من لا يشرك به شيئًا)) فقلت: يا رسول اللّٰه! أفلا أبشر به الناس؟ قال: ((لا تبشرهم فيتكلوا)) متفق عليه.

(سیدنا) معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں، رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (عفیر نامی) گدھے (کے کجاوے) پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان صرف کجاوے کی لکڑی ہی تھی۔ پس آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے معاذ! کیا تجھے پتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: پس بے شک، اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز میں شرک نہ کریں، اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اللہ اس شخص کو عذاب نہ دے جو کسی چیز میں (بھی) شرک نہیں کرتا، تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں؟ آپ نے فرمایا: انھیں بشارت نہ دو ورنہ وہ اسی پر توکل کر لیں گے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۲۸۵٦) صحیح مسلم (۴۹، ۴۸/۳۰ و دار السلام: ۱۴۳، ۱۴۴)

فقه الحدیث:

۱: صرف اللہ ہی کی عبادت کرنا اور ہر قسم کے شرک سے مکمل اجتناب انتہائی اہم مسئلہ اور بنیادی عقیدہ ہے۔ اس عظیم الشان عقیدے پر اہلِ توحید ساری زندگی ثابت قدم رہتے ہیں اور ہر وقت کٹ مرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

۲: اللہ تعالیٰ کا اہل توحید سے یہ وعدہ ہے کہ وہ انھیں عذاب نہیں دے گا۔ اگر بعض موحدین کو ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل کیا گیا تو بعد میں ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انھیں جہنم سے نکال کر ابدی جنت میں داخل فرمائے گا۔

۳: ہر انسان کو چاہئے کہ اپنے سے افضل انسان کا کما حقہ احترام کرے۔ تمام معاملات میں اپنے آپ کو اس سے برتر ثابت کرنے کے بجائے، اسے اپنے آپ پر ترجیح دے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سواری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہر مسلمان پر، چاہے وہ عوام میں سے ہو یا طلباء میں سے، یہ لازم ہے کہ علمائے حق کا احترام و ادب کرے۔

۴: اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ لوگ نیک اعمال کرنا چھوڑ دیں۔ اسی وجہ سے اسے عوام الناس کے سامنے بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کی غلط فہمی، فتنے اور دیگر مضر اثرات کے خوف کی وجہ سے بعض نصوص صحیحہ کا عام لوگوں کے سامنے بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے اور اگر بیان کیا جائے تو ان کی صحیح تشریح اور مفہوم بھی سمجھا دینا چاہئے۔

۵: اللہ کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے مطابق اس کی عبادت کی جائے۔ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام احکامات پر عمل کیا جائے۔ اگر اعمال صالحہ کو ترک کر کے اور کتاب و سنت سے ہٹ کر کوئی عبادت کی جائے تو اللہ کے ہاں اس کا کوئی وزن نہیں ہے، جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

٦: سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے باوجود یہ حدیث کیوں بیان کی تھی؟ اس کا ذکر آنے والی حدیث (۲۵) کے تحت آ رہا ہے۔ والحمد للہ

[**۲۵**] وعن أنس عن النبي ﷺ، ومعاذ رديفه على الرحل، قال: ((يامعاذ!)) قال: لبيك يا رسول الله وسعديك۔ قال: ((يامعاذ !)) قال: لبيك يا رسول الله وسعديك – ثلاثًا – قال قال:
((مامن أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدًا رسول الله، صدقًا من قلبه إلا حرمه الله على النار.)) قال: يا رسول الله! أفلا أخبر به الناس فيستبشروا؟ قال: ((إذًا يتكلوا.)) فأخبر بها معاذ

(سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک سواری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے معاذ (رضی اللہ عنہ) بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے معاذ! انھوں نے کہا: یارسول اللہ! حاضر ہوں اور آپ کی خوشی میرے لئے سعادت ہی سعادت ہے۔ آپ نے فرمایا: اے معاذ! انھوں نے کہا: یارسول اللہ! حاضر ہوں اور آپ کی خوشی میرے لئے سعادت ہی سعادت ہے۔ آپ نے فرمایا: اے معاذ! انھوں نے کہا: یارسول اللہ! حاضر ہوں اور آپ کی خوشی میرے لئے سعادت ہی سعادت

عند موته تأثمًا ـ متفق عليه .

ہے۔آپ (ﷺ) نے فرمایا: جوکوئی بھی سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے تو اللہ اس پر (جہنم کی) آگ حرام کر دیتا ہے۔
انھوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دوں؟ تاکہ وہ خوش ہو جائیں! آپ نے فرمایا: تو وہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔
یہ حدیث (سیدنا) معاذ (رضی اللہ عنہ) نے وفات کے وقت گناہ کے خوف سے بیان کی تھی۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۲۸) صحیح مسلم (۳۲/۵۳ ودارالسلام: ۱۴۸)

فقہ الحدیث:

۱: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت گناہ کے خوف سے یہ حدیث بیان فرمادی تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**من كتم علمًا تلجم بلجام من نار يوم القيامة**)) جو شخص علم چھپائے گا اسے قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۹۵، الموارد: ۹۵)
علماء کرام نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث چند خاص لوگوں کے سامنے بیان کی تھی، اور حدیث میں ممانعت عام لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی ہے، یا یہ کہ ممانعت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔ واللہ اعلم

۲: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا زبانی اقرار کافی نہیں، بلکہ دلی یقین کے ساتھ اس کا اقرار اور اس پر عمل بھی ضروری ہے۔

۳: احادیثِ نبویہ کا بیان کرنا دین وایمان میں سے ہے۔

۴: کوئی اہم بات بتانے کے لئے سامعین کو اچھی طرح متوجہ کرنا مسنون ہے، تاکہ وہ پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ سن لیں۔

[**٢٦**] وعن أبي ذر قال: أتيت النبي ﷺ وعليه ثوب أبيض وهو نائم ثم أتيته وقد استيقظ فقال: ((مامن عبدٍ قال لا إله إلا الله ، ثم مات على ذلك إلا دخل الجنة .)) قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال: ((وإن زنىٰ وإن سرق)) قلت: وإن زنى وإن

(سیدنا) ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا، آپ سفید کپڑے میں سوئے ہوئے تھے۔ پھر میں (دوبارہ) آیا تو آپ جاگ گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: جو بندہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اور پھر اسی پر فوت ہو جاتا ہے تو وہ (ضرور) جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے پوچھا: اگرچہ وہ

سـرق؟ قـال: ((وإن زنـىٰ وإن سـرق))قلـت: وإن زنـى وإن سـرق؟ قـال: ((وإن زنـىٰ وإن سرق علىٰ رغـم أنف أبي ذر .)) وكان أبو ذر إذا حدث بهذا قال :وإن رغم أنف أبي ذر . متفق عليه .

زنا کرے اور چوری کرے؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ابوذر کی ناک خاک آلودہو جائے۔(سیدنا) ابوذر (رضی اللہ عنہ) جب یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے تھے: اگرچہ ابو ذر کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۵۸۲۷) صحیح مسلم (۱۵۴/۹۴ وترقیم دارالسلام: ۲۷۲، ۲۷۳)

فقہ الحدیث:

۱: معلوم ہوا کہ گناہ گار مومن آخر کار رب کریم کی مغفرت سے ضرور جنت میں جائے گا۔ جنت میں جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گناہ کا کوئی نقصان نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو گناہ معاف فرمادے اور اگر چاہے تو سزا دینے کے بعد جنت میں داخل کردے، لہٰذا گناہ گار ابدی جہنمی نہیں ہے۔

۲: یہ حدیث خوارج و معتزلہ کا رد ہے، کیونکہ وہ زنا اور چوری کرنے والے کو ابدی جہنمی سمجھتے ہیں۔

۳: ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زانی زنا کرتا ہے تو وہ (اس وقت) مومن نہیں ہوتا، اور جب چوری کرتا ہے تو (اس وقت) وہ مومن نہیں ہوتا۔ الخ (صحیح البخاری: ۲۴۷۵، صحیح مسلم: ۱۰۰/۵۷ و أضواء المصابیح: ۵۳)

لہٰذا ہر مومن پر لازم ہے کہ تمام کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے ہمیشہ اجتناب کرے ۔

۴: تصدیق کے لئے بات دھرانا جائز ہے۔

[**۲۷**] وعن عبادة بن الصامت، قال: قال رسول الله ﷺ :((من شهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدًا عبده ورسوله ، وأن عيسى عبد الله ورسوله وابن أمته وكلمته ألقاها إلى مريم، وروح منه ، والجنة حق والنار حق . أدخله الله الجنة علىٰ ما كان من العمل)) متفق عليه .

(سیدنا) عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں، اور بے شک (سیدنا) عیسیٰ (ابن مریم علیہما السلام) اللہ کے بندے اور اس کے رسول، اس کی بندی

(مریم علیہا السلام) کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں، جو اس (اللہ) نے مریم (علیہا السلام) کی طرف القاء کیا اور اس کی (پیدا کردہ) روح ہیں۔ جنت حق ہے اور جہنم حق ہے، تو اللہ اسے (ضرور) جنت میں داخل کرے گا، چاہے اس کے اعمال جیسے بھی رہے ہوں۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۳۴۳۵) صحیح مسلم (۱۴۰/۲۸)

فقہ الحدیث:

۱: معلوم ہوا کہ ارکانِ اسلام وشرائط ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں، جو قرآن وحدیث میں بیان کر دی گئی ہیں۔ ان سب پر ایمان لانے کے بعد ہی اللہ کے فضل سے آدمی جنت میں داخلے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جو شخص شرائط وارکانِ ایمان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دے تو ایسا شخص جنت میں داخلے کا حقدار نہیں بلکہ اپنے کفر کی وجہ سے جہنمی ہے۔

۲: اس حدیث پاک میں یہود ونصاریٰ کا بیک وقت رد کیا گیا ہے۔ یہودی حضرات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور عیسائی حضرات انھیں اللہ کا بندہ نہیں مانتے، بلکہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ''عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔

۳: ''کلمۃ اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلمے ''کُنْ'' سے باپ کے بغیر پیدا فرمایا ہے۔

''روح منه'' کا مطلب ''اللہ کی پیدا کردہ اور پھونکی ہوئی روح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾ اور اسی نے تمہارے لئے مسخر کیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی (کے پیدا کرنے) میں سے ہے۔ (الجاثیہ:۱۳)

جو مطلب '' جميعًا منه'' میں ''منه'' کا ہے وہی مطلب ''روح منه'' میں ''منه'' کا ہے۔

۴: اس صحیح حدیث سے معتزلہ وخوارج کا رد ہوتا ہے، جو کبیرہ گناہ کرنے والوں کو ابدی جہنمی سمجھتے ہیں۔

۵: مشہور جلیل القدر تابعی حسن بصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ ''عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے (سب اہلِ کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے) اللہ کی قسم وہ اب اللہ کے پاس زندہ ہیں، جب وہ نازل ہوں گے، تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔'' (تفسیر طبری ۶/۱۴ وسندہ صحیح)

اسی پر خیر القرون کا اجماع ہے۔ یاد رہے کہ سیدنا عیسیٰ ابن مریم الناصری علیہ السلام آسمانوں سے نازل ہوں گے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھئے کشف الأستار عن زوائد البزار ۱۴۲/۴ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح، اور الحدیث حضرو: ۲، ۳، ۴، ۶)

ابو الحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) اپنی مشہور کتاب ''الابانة'' میں لکھتے ہیں: ''**وأجمعت الأمة على أن الله رفع عيسى إلى**

السماء'' اوراس بات پر اُمت کا اجماع ہے کہ بے شک اللہ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔

(ص۳۴ باب ذکر الاستواء علی العرش)

۶: اس حدیث میں قرآن مجید، آخرت اور دیگر ارکانِ ایمان وشرائط ایمان کا ذکر نہیں ہے، جب کہ دوسرے دلائل میں ان کا ذکر موجود ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر بعض دلائل میں کسی چیز کا ذکر موجود ہو اور دوسرے دلائل میں موجود نہ ہو تو عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

۷: جنت اور جہنم حق ہیں اور دونوں موجود ہیں، لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ جنت وجہنم کا وجود نہیں وہ باطل اور گمراہی پر ہے۔

[**۲۸**] وعن عمرو بن العاص، قال: أتيت النبي ﷺ،فقلت :ابسط يمينك فلأبايعك،فبسط يمينه ، قال:فقبضت يدي ،فقال :((مالك ياعمرو؟)) قلت : أردت أن اشترط .

فقال:((تشترط ماذا؟)) قلت :أن يغفرلي.

قال:((أما علمت ياعمرو!؟ أن الإسلام يهدم ماكان قبله ، وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها،وأن الحج يهدم ماكان قبله !)) رواه مسلم .

والحديثان المرويان عن أبي هريرة ،قال:

((قال اللّٰه تعالىٰ:أنا أغنى الشركاء عن الشرك))

والآخر: ((الكبرياء ردائي.)) سنذكرهمافي باب الرياء والكبر إن شاء اللّٰه تعالىٰ .

اور (سیدنا) عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا: آپ اپنا دایاں ہاتھ پھیلائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کروں، تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا۔ پس میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ آپ نے پوچھا: اے عمرو! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا: ایک شرط طے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم کیا شرط رکھنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: یہ کہ میری مغفرت (بخشش) ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو کیا تجھے پتہ نہیں کہ اسلام (قبول کرنا) سابقہ (تمام گناہ) ختم کر دیتا ہے اور ہجرت اپنے گذشتہ (تمام گناہ) ختم کر دیتی ہے اور حج اپنے اگلے (تمام گناہ) ختم کر دیتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) قال اللّٰه تعالىٰ : أنا أغنى الشركاء عن الشرك

(۲) الكبرياء ردائي ، انھیں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ باب الریاء والکبر میں ذکر کریں گے۔ دیکھئے (ح ۵۳۱۵، ۵۱۱۰)

تخریج: صحیح مسلم (۱۹۲/۱۲۱، بطولہ)

فقہ الحدیث:

۱: ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی زندگی میں آپ کی اور آپ کی وفات کے بعد اولوالامر (امراء) کی بیعت دائیں ہاتھ سے کی جاتی

تھی۔سیدناعبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**ترون كفي هذه، فأشهد أني وضعتها على كف محمد ﷺ** ''تم میری یہ ہتھیلی دیکھتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اسے (سیدنا) محمد ﷺ کی ہتھیلی پر (بیعت کے لئے) رکھا تھا۔

(مسند احمد ۱۸۹/۴ ح ۱۷۸۴۲ وسندہ صحیح، وأنحطأ من أعلہ، وأوردہ الضیاء فی المختارہ ۵۹/۹)

لہٰذا صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ جائز ومشروع بلکہ افضل ہے۔ دیوبندیوں کے ایک بڑے عالم محمود حسن گنگوہی صاحب ایک شخص کے استفسار پر مصافحہ کے بارے میں کہتے ہیں: ''ایک ہاتھ سے بھی صحیح ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی، دونوں قول کوکب الدری ج ۲ ص ۱۴۱ میں ہیں'' (ملفوظات فقیہ الامت ج ۷ ص ۲۳)

صحیح بخاری میں ہے کہ ''**وصافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه** ''اور حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔ (کتاب الاستئذان باب الاخذ بالیدین قبل ح: ۶۲۶۵)

لہٰذا اگر کوئی شخص دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ عام مرفوع احادیث سے استنباط کرتے ہوئے صرف ایک (دائیں) ہاتھ سے ہی مصافحہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

فائدہ: ثابت البنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**كنا إذا أتينا أنس بن مالك،فإذا رآنا دعا بدهن طيب ،فيمسح به يديه ليصافح به إخوانه** ''ہم جب (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کے پاس آتے، جب وہ ہمیں دیکھتے تو خوشبودار تیل منگواتے پھر اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر ملتے تاکہ اس (خوشبودار تیل) کے ساتھ اپنے بھائیوں سے مصافحہ کریں۔

(کتاب الزہد لابی حاتم الرازی ص ۷۶ وسندہ صحیح)

اسی روایت کی دوسری سند میں ثابت البنانی رحمہ اللہ سے آیا ہے کہ '' **أن أنسًا كان إذا أصبح دهن يده بدهن طيب لمصافحة إخوانه** '' بے شک جب صبح ہوئی تو (سیدنا) انس رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ پر خوشبودار تیل لگاتے تاکہ اپنے بھائیوں سے مصافحہ کریں۔ (الادب المفرد للبخاری: ۱۰۱۲ وسندہ حسن)

اس مسئلے میں تشدد کرنا صحیح نہیں ہے۔ جس کی جو تحقیق ہے وہ اس پر عمل کرلے، ان شاء اللہ عنداللہ ماجور ہوگا۔

(نیز دیکھئے الادب المفرد للبخاری: ۹۷۳ وسندہ حسن)

۲: اگر کوئی (دارالحرب والا) کافر سچے دل سے مسلمان ہوجائے تو اس کے پہلے (سابقہ) سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ حج اور ہجرت سے سارے صغیرہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے توبہ اور حق دار تک اس کا حق لوٹانا ضروری ہے۔

۳: سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست کہ ان کی مغفرت ہوجائے، ان کی فضیلت کی زبردست دلیل ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((**ابنا العاص مؤمنان عمرو وهشام.**))

عاص کے دونوں بیٹے: عمرو (بن العاص) اور ہشام (بن العاص رضی اللہ عنہما) مومن ہیں۔ (مسند احمد ۳۰۴/۲ ح ۸۰۲۹ وسندہ حسن)

الفصل الثاني

[۲۹] عن معاذ ، قال: قلت يا رسول الله ! أخبرني بعملٍ يدخلني الجنة ، ويباعدني من النار .
قال: ((لقد سألت عن أمر عظيم ، وإنه ليسير على من يسره الله تعالى عليه : تعبدالله ولا تشرك به شيئًا، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت .))
ثم قال: ((ألا أدلك على أبواب الخير؟ الصوم جنة، والصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار، وصلاة الرجل في جوف الليل))
ثم تلا: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ...... ﴾ حتى بلغ ﴿ يَعْمَلُوْنَ ﴾ ثم قال: ((ألاأدلك برأس الأمر وعموده وذروة سنامه ؟))
قلت : بلٰى يارسول الله ﷺ! قال: ((رأس الأمر الإسلام ، وعموده الصلاة، وذروة سنامه الجهاد.))
ثم قال: ((ألا أخبرك بملاك ذلك كله ؟))
قلت: بلٰى يا نبي الله ! فأخذ بلسانه فقال: ((كف عليك هذا)) فقلت: يانبي الله ! وإنا لمؤاخذون بما نتكلم به ؟ قال: ((ثكلتك أمك يامعاذ! وهل يكب الناس في النار على وجوههم أو على مناخرهم، إلا حصائد ألسنتهم ؟))
رواه أحمد، والترمذي، وابن ماجة.

(سیدنا) معاذ (بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور (جہنم کی) آگ سے دُور کردے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: یقیناً تُو نے بڑی (اہم) بات کے بارے میں پوچھا ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ اسے آسان فرمائے تو اُس کے لئے (بہت) آسان ہے۔ اللہ کی عبادت کر اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ اور (اللہ کے) گھر کا حج کر۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا میں تجھے خیر کے دروازے نہ بتادوں؟ روزہ ڈھال ہے، گناہوں کو صدقہ اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور آدمی کا آدھی رات کو (نفل) نماز پڑھنا۔ پھر آپ نے (یہ آیات) تلاوت فرمائیں: ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًاوَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآاُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْايَعْمَلُوْنَ ﴾ اُن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف واُمید کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہم نے اُنہیں جو رزق دیا اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُن کے لئے کونسی (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں جن میں اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یہ بدلہ ہے اُس کا جو یہ اعمال کرتے تھے۔ (سورۃ السجدۃ:۱۶،۱۷)
پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا میں تجھے تمام اُمور کا سر،

ستون اور کوہان کی چوٹی نہ بتادوں؟
میں نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ! ضرور بتائیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: امور (دین) کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اوراس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا میں تجھے ان سب اُمور کی اصل بنیاد نہ بتادوں؟ میں نے کہا: ضرور بتائیں یا نبی اللہ! تو آپ نے اپنی زبان (مبارک) پکڑ کر فرمایا: اسے روک لے، میں نے پوچھا: ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان کا بھی مواخذہ ہوگا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے معاذ! تیری ماں تجھے گم پائے (یعنی اللہ تجھ پر رحم کرے) زبانی (فضول) باتیں ہی لوگوں کو (جہنم کی) آگ میں منہ یا نتھنوں کے بل گراتی ہیں۔
اسے احمد (بن حنبل ۵/۲۳۱ ح ۲۲۳۶۶) ترمذی (۲۶۱۶ وقال: هذا حديث حسن صحيح) اور ابن ماجہ (۳۹۷۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

اس حدیث کے راوی ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ (تابعی کبیر) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کے نوجوان تھے۔ ابووائل مدلس نہیں ہیں لہٰذا سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت اتصال پر محمول ہے۔ بعض الناس کا اسے منقطع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ابووائل تک سند حسن لذاتہ ہے۔ قاری عاصم بن ابی النجود حسن الحدیث ہیں، جمہور محدثین کرام نے ان کی توثیق کی ہے۔ عاصم بن ابی النجود پر بعض محدثین کی جرح جمہور کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ راویانِ حدیث کی دو قسمیں ہیں:

۱: جن کی جرح وتعدیل میں کوئی اختلاف نہیں، اتفاق واجماع ہے، مثلاً سعید بن المسیب، سعید بن جبیر اور امام زہری وغیرہم بالاجماع ثقہ ہیں۔ محمد بن مروان السدی، ثویر بن ابی فاختہ اور حماد بن الجعد وغیرہم بالاجماع مجروح ہیں۔
۲: جن راویوں کی جرح وتعدیل میں محدثین کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ ایسے راویوں کے بارے میں عام وخاص اور جمع و تطبیق کی عدم موجودگی میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ہی ترجیح ہوتی ہے۔

فقه الحدیث:

۱: اس حدیث میں دینِ اسلام کے اہم ارکان اور افعال خیر کا ذکر ہے۔

۲: زبان کی حفاظت اہم ترین مسئلہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((من يضمن لي ما بين لحييه و ما بين رجليه، أضمن له الجنة)) جو شخص مجھے زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۴۷۴ و أضواء المصابیح: ۴۸۱۲)

ایک روایت میں آیا ہے: ((إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله ، لايلقي لها بالاً ، يهوي بها في جهنم)) بندہ (اپنے رب) اللہ کی خوشنودی کی ایسی بات کہہ دیتا ہے، جس کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا تو اللہ اس کے درجے (بہت) بلند کر دیتا ہے، اور بندہ (اپنے رب) اللہ کی ناراضی کی بات کہہ دیتا ہے جس کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا تو اسے اس کی وجہ سے جہنم میں گرایا جائے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۴۷۷، ۶۴۷۸ وصحیح مسلم: ۲۹۸۸/۵۰ و أضواء المصابیح: ۴۸۱۳)

۳: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بہت زیادہ فضائل ہیں۔ آپ کو نبی کریم ﷺ نے یمن کی طرف معلم بنا کر بھیجا تھا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رہا عالم کی غلطی کا مسئلہ تو (سنو) اگر وہ سیدھے راستے پر بھی (جا رہا) ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو''

(کتاب الزہد للامام وکیع ۱/۳۰۰ ح ۷۱ وسندہ حسن، الحدیث حضرو: ۹ ص ۴۴)

معلوم ہوا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ لوگوں کو تقلید سے منع کرتے اور کتاب وسنت کی پیروی کا حکم دیتے تھے، لہٰذا تقلید کرنے والے لوگ اُن کی مخالفت کرتے ہیں۔

۴: نماز دین کا ستون ہے اور جہاد اس کی کوہان ہے۔ یاد رہے کہ کتاب وسنت کی دعوت دینا اور اہلِ باطل کا رد کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔ والحمدللہ

۵: اللہ کا خوف اور جنت کی طمع وحصول کا خیال رکھتے ہوئے عبادت کرنا بالکل صحیح ہے۔

[۳۰] وعن أبي أمامة قال قال رسول الله ﷺ : ((من أحبّ لله وأبغض لله وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان .)) رواه أبو داود.

(سیدنا) ابوامامہ (صُدَیّ بن عجلان الباہلی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کے لئے محبت کرے اور اللہ کے لئے بُغض کرے اور اللہ کے لئے (اپنا مال) دے اور اللہ کے لئے (اپنا مال) روک لے تو یقیناً اُس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

اسے ابوداود (۴۶۸۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن (لذاتہ) ہے۔

اسے طبرانی نے بھی المعجم الکبیر میں يحي بن الحارث عن القاسم عن أبي أمامة رضي الله عنه کی سند سے روایت کیا ہے۔ (۲۰۸/۸ ح ۷۷۳۷)

① یحییٰ بن الحارث الذِّ ماری: ثقہ ہیں، دیکھئے تقریب التہذیب (۷۵۲۲)

② قاسم بن عبدالرحمٰن ابوعبدالرحمٰن الدمشقی صاحب ابی امامہ: صدوق حسن الحدیث ہیں، جمہور محدثین نے انھیں ثقہ، صدوق وحسن الحدیث قرار دیا ہے۔ توثیق وتعریف کرنے والوں کے نام مع حوالہ درج ذیل ہیں:

یحییٰ بن معین (روایۃ الدوری: ۵۱۲۰، سوالات ابن الجنید: ۵۱۴، ۵۷۱) ترمذی (۴۲۸، ۲۳۴۷) یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفۃ والتاریخ ۴۵۶/۲) بخاری (سنن ترمذی: ۳۱۹۵، ۲۷۳۱ وعلل الترمذی الکبیر ۵۱۲/۱) عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر (التاریخ الکبیر للبخاری ۱۵۹/۷ وسندہ قوی، البخاري بريئ من التدليس) ابن شاہین (الثقات: ۱۱۵۰) العجلی (التاریخ: ۱۵۰۵ قال: ''شامي تابعي ثقة يكتب حديثه وليس بالقوي ''یعنی وہ سعید بن جبیر وغیرہ کی طرح القوی نہیں ہیں بلکہ عجلی کے نزدیک حسن الحدیث ہیں۔) الحاکم (المستدرک ۸۳/۲ صحح لہ) الذہبی (الکاشف ۳۳۳/۲ وقال: ''صدوق'') البوصیری (صحح لہ فی زوائد ابن ماجہ: ۱۵۹۷ ووثقہ) المنذری (دیکھئے مسند احمد ۲۶۱/۵ ح ۲۲۶۰۳ والموسوعۃ الحدیثیۃ ۵۸۶/۳۶ ح ۲۲۲۴۸/ الترغیب والترھیب للمنذری ۹۹/۳ ح ۳۰۴۶) الہیثمی (دیکھئے المعجم الکبیر ۲۷۹/۸ ح ۷۹۱۳ ومجمع الزوائد ۳۳/۴) ابن حجر العسقلانی (تقریب التہذیب: ۵۴۷۰ وقال: ''صدوق يغرب كثيرًا'' ثقہ وصدوق عند الجمہور، راوی پر ''يغرب كثيرًا'' کوئی جرحِ قادح نہیں ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل علماء سے بھی توثیق وتعریف مروی ہے: ابوحاتم الرازی، یعقوب بن شیبہ، ابواسحاق الحربی اور ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی۔ (دیکھئے تہذیب الکمال نسخہ مصغرہ ۶/۴۷ وتہذیب التہذیب ۳۱۸/۸، ۳۱۹)

قاسم مذکور پر درج ذیل علماء سے جرح مروی ہے:

احمد بن حنبل، الغلابی، العقیلی، ابن الجوزی، ابن حبان اور زیلعی (نصب الرایہ ۶۹/۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ راوی جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہیں لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔

تنبیہ: حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: ''وهو ضعيف عند الأكثرين''

اور وہ (قاسم ابوعبدالرحمٰن) جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۹۶/۱)

یہ قول تین وجہ سے غلط ہے:

۱: تحقیق کے بعد یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ قاسم مذکور جمہور کے نزدیک موثق ہیں۔

۲: حافظ ہیثمی بذاتِ خود انھیں ثقہ کہتے ہیں۔ كما تقدم آنفًا.

۳: عینی حنفی نے کہا: ''والقاسم بن عبد الرحمٰن وثقه الجمهور و ضعفه بعضهم'' (عمدۃ القاری ۱۴۶/۷ ح ۱۱۰۳)

فقہ الحدیث:

۱: ثابت ہوا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے، لہٰذا مرجیہ کا عقیدہ باطل ہے۔

۲: اپنا مال ودولت صرف انہی مصارف پر خرچ کرنا چاہئے جو کتاب وسنت کے مطابق ہیں۔

۳: کتاب وسنت کے مخالف کاموں پر اپنا مال ودولت کبھی خرچ نہیں کرنا چاہئے ورنہ ایمان میں کمی واقع ہوجائے گی۔

۴: اہل بدعت اور مجرمین سے بغض رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔
۵: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے اللہ کے لئے محبت کرنا بڑی فضیلت والا عمل ہے۔

[۳۱] ورواه الترمذي عن معاذ بن أنس مع تقديم وتأخير وفيه : ((فقد استكمل إيمانه .))

اور اسے ترمذی (۲۵۲۱) نے (سیدنا) معاذ بن انس (رضی اللہ عنہ) سے تقدیم و تاخیر کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: پس اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن ہے۔
اسے حاکم (۱۶۴/۲) اور ذہبی نے شیخین کی شرط (!) پر صحیح کہا ہے۔ اسے " هذا حديث منكر " کہنا غلط ہے۔

[۳۲] وعن أبي ذر قال قال رسول الله ﷺ : ((أفضل الأعمال الحبّ في الله والبغض في الله .)) رواه أبو داود.

(سیدنا) ابوذر (جندب بن جنادہ الغفاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اعمال میں سب سے افضل عمل، اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض ہے۔
اسے ابوداود (۴۵۹۹) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔
۱: یزید بن ابی زیاد الہاشمی الکوفی ضعیف (راوی) ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۷۱۷) وسوالات البرقانی للدارقطنی (۵۶۱) وتفسیر ابن کثیر (۹۸/۲، ۱۱۶/۴) ومجمع الزوائد (۱۷/۵) اور المحلیٰ لابن حزم (۴۸۴/۷)
احمد بن ابی بکر البوصیری (متوفی ۸۴۰ھ) نے کہا: "وضعفه الجمهور" اور جمہور نے اسے ضعیف کہا۔ (زوائد سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۶)
امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "ضعيف الحديث" وہ حدیث میں ضعیف ہے۔
(الکامل لابن عدي ۲۷۲۹/۷ والنسخة المحققة ۱۶۳/۹ وسندہ صحیح)
۲: یزید بن ابی زیاد مدلس ہے، دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (۱۱۲/۳) وجامع التحصیل للعلائی (ص ۱۱۲) والمدلسین لابی زرعۃ ابن العراقی (۷۴) والمدلسین للسیوطی (۶۷)
یہ روایت "عن" سے ہے، سماع کی تصریح موجود نہیں ہے۔ اگر مدلس راوی، غیر صحیحین میں عن سے روایت کرے تو یہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔
دیکھئے شرح صحیح مسلم للنووی (درسی نسخہ ج ۱ ص ۳۱، ۳۲ تحت ح ۱۵)

۳: یزید بن ابی زیاد کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا، وہ اختلاط کا شکار ہو چکا تھا۔

دیکھئے سنن الدارقطنی (۲۹۴/۱ ح ۱۱۱۸) والمجروحین لابن حبان (۱۰۰/۳)

اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ خالد بن عبداللہ اور یزید بن عطاء (لین الحدیث) نے یزید بن ابی زیاد کے اختلاط سے پہلے اس سے احادیث سنی ہیں، لہٰذا یہ سند اختلاط کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔

☆ یزید بن عطاء (ضعیف) عن یزید بن ابی زیاد والی روایت مسند احمد میں ہے۔

(دیکھئے ۱۴۶/۵ ح ۲۱۳۰۳ بلفظ: إن أحب الأعمال إلى الله)

۴: اس روایت میں "رجل" راوی مجہول ہے، لہٰذا یہ سند چار وجہ سے ضعیف ومردود ہے۔

شواہد کی بحث وتحقیق:

۱: **لیث (بن أبي سلیم) عن عمرو بن مرة عن معاویة بن سوید بن مقرن عن البراء بن عازب (عن رسول الله ﷺ قال:) "إن أوثق عری الإیمان أن تحبّ فی الله وتبغض فی الله"**

(مسند احمد ۲۸۶/۴ ح ۱۸۵۲۴ ومسند الطیالسی: ۷۴۷ وشعب الإیمان للبیہقی: ۱۴ والتمہید لابن عبدالبر ۴۳۱/۱۷)

یہ سند ضعیف ہے، لیث بن ابی سلیم کو جمہور (محدثین) نے ضعیف کہا ہے۔

دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۳۰ قال: **وقد ضعفه الجمهور وهو مدلس**)

مصنف ابن ابی شیبہ (۴۱/۱۱، ۲۲۹/۱۳) وکتاب الإیمان لابن ابی شیبہ (۱۱۰) میں اسی سند سے معاویہ بن سوید کا واسطہ گر گیا ہے، یہ سند بھی لیث کی وجہ سے ضعیف ہے، شعب الایمان (۱۳) میں لیث سے مروی ایک دوسری ضعیف سند بھی ہے۔

۲: کتاب الزہد للإمام وکیع (۶۰۰/۲ ح ۳۲۹) میں ایک مرسل روایت ہے، جس کا راوی ابوالیسع المکفوف مجہول الحال ہے۔ اگر یہ راوی ثقہ بھی ہوتا تو بھی یہ سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۳: عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (دیکھئے مسند احمد ۲۴۷/۴)

اس میں زبان بن فائد ضعیف ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۹۸۵)

۴: عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۱۵/۱۱ ح ۱۱۵۳۷، شرح السنۃ للبغوی ۵۳/۱۳، ۵۴ ح ۳۴۶۸)

اس کی سند حنش یعنی حسین بن قیس الرجبی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۱۳۴۲ وقال: متروک)

۵: عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (الحاکم فی المستدرک ۴۸۰/۲ ح ۳۷۹۰، والطیالسی فی مسندہ: ۳۷۸ والطبرانی فی الکبیر ۲۲۰/۱۰ ح ۱۰۵۳۱، والاوسط ۲۴۱/۵ ح ۴۴۷۶ والصغیر ۲۲۴/۱ ح ۶۱۲ وابن عبدالبر فی التمہید ۴۳۰/۱۷)

من طریق عقیل بن یحیی الجعدي عن أبی إسحاق السبیعي عن سوید بن غفلة عن ابن مسعود به إلخ عقیل الجعدی: منکر الحدیث ہے۔ (دیکھئے کتاب الضعفاء للبخاری: ۲۹۲ بتحقیقی)

اورابواسحاق السبیعی مدلس تھے۔(دیکھئے طبقات المدلسین ۹۱/۳ وصحیح ابن حبان ۱/۱۶۱ نسخہ محققہ) المعجم الکبیر (۱۰/۲۱۱، ۲۱۲ ح ۱۰۳۵۷) میں اس کی ایک دوسری سند بھی ہے۔

''**حدثنا إسحاق بن إبراهيم أبي حسان الأنما طي:ثنا هشام بن عمار:ثنا الوليد بن مسلم:حدثني بكير بن معروف عن مقاتل بن حيان عن القاسم بن عبدالرحمٰن عن أبيه عن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ :**

((يا ابن مسعود !)) قلت:لبيك ثلاثا، قال:((هل تدرون أي عرى الإيمان أوثق؟)) قلت:الله ورسوله أعلم، قال:((الولاية فى الله والحب فى الله والبغض فى الله ...)) اس روایت کے ایک راوی ولید بن مسلم مدلس تھے، آپ تدلیس تسویہ کرتے تھے(دیکھئے تقریب التہذیب:۷۴۵۶) تدلیس تسویہ کرنے والے راوی کی صرف وہی روایت مقبول ہوتی ہے جس میں وہ آخر تک سماعِ مسلسل کی تصریح کرے۔اس روایت میں سماعِ مسلسل کی تصریح نہیں ہے۔

ہشام بن عمار آخری عمر میں کچھ تغیر (اختلاط) کا شکار ہو گئے تھے(دیکھئے الکواکب النیرات فی معرفۃ من اختلط من الرواۃ الثقات ص ۸۴) اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اسحاق الانماطی نے ان سے اختلاط سے پہلے احادیث سنی تھیں، لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

۶: عن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۴۳۰/۳)

اس کی سند ضعیف ہے، رشدین بن سعد ضعیف ہے۔دیکھئے تقریب التہذیب (۱۹۴۲) اور سند منقطع ہے۔ابو منصور کی عمرو بن الجموح سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

۷: عن معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۴۳۸/۳)

اس کی سند ضعیف ہے، زبان بن فائد ضعیف ہے۔دیکھئے شاہد نمبر ۳

☆ **وعنه قال قال رسول الله ﷺ :" من أعطى لله تعالىٰ ومنع لله وأبغض لله وأنكح لله فقد استكمل إيمانه''** جو اللہ کے لئے (مال) دے اور اللہ کے لئے روک دے، اللہ کے لئے محبت کرے اور اللہ کے لئے بغض رکھے، اور اللہ کے لئے نکاح کروائے تو اس کا ایمان مکمل ہے(مسند احمد ۴۴۰/۳ ح ۱۵۷۲۳ واللفظ لہ وسنن الترمذی:۲۵۲۱ وقال:''**هذا حديث منكر**'')اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے، منکر نہیں ہے، لیکن اسے حدیث مشکوۃ کا شاہد بنانا صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ روایتِ مذکورہ'' **أفضل الأعمال** ''اِلخ اپنے تمام شواہد قریبہ وشواہد بعیدہ کے ساتھ ضعیف ہی ہے، حسن نہیں ہے، لہٰذا بعض علماء کا اسے حسن قرار دینا غلط ہے۔یہ بھی یاد رہے کہ حسن لغیرہ روایت بذاتِ خود حجت نہیں ہوتی بلکہ ضعیف ہی رہتی ہے۔

فائدہ: اس روایت کے ضعیف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ روایتِ مذکورہ میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض ایمان میں سے ہے۔دیکھئے اضواء المصابیح (ح ۳۰)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''**حدثنا ابن نمير عن مالك بن مغول عن زبيد عن مجاهد قال:أوثق**

عرى الإيمان الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ'' مجاہد (تابعی ومفسر قرآن) نے فرمایا: ایمان کے مضبوط ترین حلقے (دو) ہیں، اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ کے لئے بغض رکھنا۔ (کتاب الایمان:۱۱۱، وسندہ صحیح)

[**۳۳**] **وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمؤمن من أمنه الناس علٰى دما ئهم وأموالهم .)) رواه الترمذي والنسائي .**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور مال امن میں (محفوظ) رہیں، اسے ترمذی (۲۶۲۷ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) اور نسائی (۱۰۴/۸، ۱۰۵ ح ۴۹۹۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

اسے ابن حبان (الاحسان: ۱۸۰) حاکم (المستدرک ۱/۱۰ ح ۲۲) احمد بن حنبل (المسند ۳۷۹/۲ ح ۸۹۳۱) اور محمد بن نصر المروزی (تعظیم قدر الصلوۃ ۵۹۹/۲، ۶۰۰ ح ۶۳۷) نے **لیث بن سعد عن محمد بن عجلان عن القعقاع بن حکیم عن أبي صالح ذکوان عن أبي هريرة رضي الله عنه** کی سند سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا: ''**ھذا حدیث حسن صحیح**'' ابن حبان نے صحیح قرار دیا، حاکم نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا۔ اس روایت کے ایک راوی محمد بن عجلان مدلس ہیں۔ دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (۹۸/۳، المرتبۃ الثالثۃ) وجامع التحصیل للعلائی (ص ۱۰۹) والمدلسین لابی زرعۃ ابن العراقی (۵۶) والمدلسین للسیوطی (۵۰) والمدلسین للحلبی (ص ۵۲) وقصیدۃ الذہبی وقصیدۃ ابی محمود المقدسی والثقات لابن حبان (۳۸۶/۷، ۳۸۷) والتدلیس فی الحدیث للدمینی (۱۴۵/۳)

یہ روایت ''عن'' سے ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

اب اس روایت کے بعض شواہد کا مختصر ذکر پیش خدمت ہے:

۱۔ **((المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده .))** (صحیح البخاری: ۱۰ ومسلم: ۶۴/۴۰، وأضواء المصابیح: ۶)

۲۔ **((المؤمن من أمنه الناس على دما ئهم وأموالهم .))**

(ابن ماجہ: ۳۹۳۴ بلفظ'' المؤمن من أمنه الناس على أموالهم وأنفسهم'' وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان، الموارد: ۲۵، والحاکم ۱۰/۱، ۱۱ علی شرطہما)

''**أنفسهم**'' اور ''**دمائهم**'' کا مطلب ایک ہی ہے، لہٰذا ان شواہد کے ساتھ محمد بن عجلان کی روایت صحیح ہے۔ **والحمدلله**

[٣٤] وزادالبيهقي في شعب الإيمان برواية فضالة :((والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله. والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب.))

(سیدنا) فضالہ (بن عبید رضی اللہ عنہ) کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرنے میں، اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو غلطیوں اور گناہوں سے دوری اختیار کرے۔
اسے بیہقی نے شعب الایمان (۱۱۱۲۳) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند صحیح ہے۔

اسے ابن ماجہ (۳۹۳۴) اور احمد بن حنبل (۲۱/۶ ح ۲۴۴۵۸) نے بھی روایت کیا ہے، اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے دیکھئے حدیث سابق (۳۳)

اس حدیث کے راوی ابو ہانی حمید بن ہانی ثقہ وصدوق تھے۔ **والحمد لله**

فقہ الحدیث:

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف کفار سے جنگ کرنا ہی جہاد نہیں ہے، بلکہ نفس کو اللہ ورسول کی اطاعت اور کتاب وسنت پر قائم رکھنا بھی جہاد ہے۔ دُور کے کفار کی بہ نسبت اپنے نفس سے جہاد کرنا بڑا مشکل ہے۔ کفار سے تو بعض اوقات آمنا سامنا ہوتا ہے، جبکہ نفس ہر وقت آدمی سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔ نفس یہی کہتا ہے کہ گرم بستر میں سوئے رہو ابھی بڑا وقت ہے، نماز پڑھ لیں گے۔ نفس کہتا ہے کہ مال ودولت کو خوب گن گن کر تجوریوں میں رکھو، اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنا ورنہ مال کم ہو جائے گا اور تم فقیر ومحتاج ہو جاؤ گے وغیرہ وغیرہ، خوش قسمت ہے وہ مجاہد جو اپنے نفس سے جہاد کر کے ہر وقت کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو کر اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ (دیکھئے مرعاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۰۴)

۲۔ جو شخص دارالکفر سے ہجرت کر کے دارالاسلام آجائے اور پھر کتاب وسنت کی مخالفت اور قوم پرستی میں دن رات مصروف رہے، وہ اپنے آپ کو مہاجر نہ سمجھے۔ حقیقی مہاجر تو وہ شخص ہے جو گناہوں اور نافرمانیوں سے مسلسل بچتا رہتا ہے، توبہ کرتا ہے اور دن رات کتاب وسنت پر عمل کرتا اور کرواتا رہتا ہے۔

۳۔ مسند احمد میں اس کی صراحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث مبارک حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی۔ (۲۱/۶ وسندہ صحیح)

۴۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ شیخ عبدالمحسن العباد المدنی فرماتے ہیں: ''اسلام اور ایمان کے الفاظ اگر اکٹھے ذکر کئے جائیں تو ان کے معنی میں فرق ہوتا ہے.... اسلام، اللہ کے لئے سرِ تسلیم خم کر دینے اور فرماں برداری کا نام ہے۔ ایمان کی تفسیر باطنی اُمور سے کی گئی ہے اور یہ اس کے معنی سے مناسب ہے۔ (دل، زبان اور عمل سے) تصدیق واقرار کو ایمان کہتے ہیں۔ جب اسلام اور ایمان کا مفرداً (علیحدہ علیحدہ) ذکر کیا جائے تو ظاہری وباطنی اُمور کے دونوں معنی مراد ہوتے ہیں۔''

(شرح حدیث جبریل، عربی ص ۱۷، اردو ترجمہ از راقم الحروف ص ۲۴)

[۳۵] وعن أنس رضى الله عنه قال: قلّما خطبنا رسول اللّه ﷺ إلا قال: ((لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له.))
رواه البيهقي في شعب الإيمان .

(سیدنا) انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (عام طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جو بھی خطبہ دیتے تو (اس میں) یہ ارشاد فرماتے: جس کی امانت نہیں اس کا ایمان نہیں، اور جس کا عہد (ومعاہدہ) نہیں اس کا دین نہیں۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان (۴۳۵۴) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

اسے بیہقی (السنن الکبریٰ ۲۸۸/۶، ۹۳۱ شعب الایمان) احمد (۱۳۵/۳ ح ۱۲۳۸۳) ابن ابی شیبہ (۱۱/۱۱) عبد بن حمید (المنتخب: ۱۱۹۸) اور البغوی فی شرح السنۃ (۷۵/۱ ح ۳۸ وقال: ھذا حدیث حسن) وغیرہم نے ابو ہلال محمد بن سلیم الراسبی عن قتادۃ عن انس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہ سند دو وجہ سے ضعیف ہے (۱) قتادہ مدلس ہیں۔
[طبقات المدلسین لابن حجر ۹۲/۳، المرتبۃ الثالثۃ] اور یہ سند معنعن (عن سے) ہے۔
(۲) ابو ہلال الراسبی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ومجروح ہے۔

تنبیہ: راقم الحروف نے جزء رفع الیدین کی تحقیق میں لکھا ہے کہ ''ابو ہلال محمد بن سلیم الراسبی البصری کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ حسن الحدیث ہے۔ واللہ اعلم'' (ص ۵۵ تحت ح ۳۰) یہ تحقیق غلط ہے، صحیح یہی ہے کہ ابو ہلال مذکور ضعیف ہے، لہٰذا جزء والی عبارت کی اصلاح کر لی جائے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جزء والی روایت سابقہ شاہد (جزء رفع الیدین: ۲۹) کی رُو سے حسن ہے۔
والحمد لله

اب روایت مذکورہ کے چند شواہد کی مختصر تخریج پیش خدمت ہے:

۱: **المغيرة بن زياد الثقفي عن أنس رضي الله عنه .إلخ** (مسند احمد ۲۵۱/۳ ح ۱۳۶۳۷)
مغیرہ بن زیاد مجہول الحال ہے۔ دیکھئے تعجیل المنفعۃ (ص ۴۱۰) وزبدۃ تعجیل المنفعۃ (للشیخ ابی الاشبال صغیر احمد شاغف بہاری المکی ص ۱۱۸) لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

۲: **مؤمل بن إسماعيل عن حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس رضي الله عنه. إلخ** (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۹۴ وسندہ صحیح)
مؤمل بن اسماعیل جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے، لہٰذا اُن کی بیان کردہ حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی، باقی سند صحیح لذاتہ ہے۔

۳: **سنان بن سعد الكندي عن أنس بن مالك أن النبي ﷺ قال: " لا إيمان لمن لا أمانة له" إلخ**
(صحیح ابن خزیمہ ۵۱/۴ ح ۲۳۳۵ وسندہ ضعیف)
اس کے راوی سنان بن سعد جمہور کے نزدیک موثق اور حسن الحدیث ہیں، لیکن یزید بن ابی حبیب کی اُن سے روایات میں

کلام ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

درج بالا روایت شاہد نمبر۲ کے ساتھ حسن ہے۔ **والحمد للّٰہ**

فقه الحديث:

۱: معلوم ہوا کہ جس شخص میں امانت اور عہد سرے سے موجود نہیں ہے۔ وہ ہر شخص کے ساتھ بلکہ اللہ و رسول کے ساتھ بھی خیانت اور بدعہدی ہی کرتا رہتا ہے تو ایسے شخص کا کوئی ایمان اور دین نہیں ہے۔ جو شخص بعض لوگوں کے ساتھ امانت اور پابندی عہد پر عمل کرتا ہے اور بعض کے ساتھ خیانت اور وعدہ خلافی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ ''**لا إيمان**'' اور ''**لا دين**'' کا مخاطب نہیں ہے، بلکہ اس کی مذمت کے لئے دوسرے دلائل ہیں۔ ایسا شخص فاسق وفاجر اور ناقص الایمان ہے، جبکہ اول الذکر شخص میں ایمان سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

۲: اگر اسم نکرہ پر ''**لا**'' داخل ہو کر اسے نصب دے تو جنس کی نفی مراد ہوتی ہے۔

دیکھئے قطر الندی وبل الصدی (ص۲۲۹) والکافیۃ فی النحو (ص۱۱۵)

لہٰذا اس حدیث میں ایمان، امانت، دین اور عہد سب کی نفی جنس مراد ہے۔ بعض لوگ اسے نفی کمال پر محمول کرتے ہیں، اُن کا قول قواعدِ نحو کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔ **واللّٰہ أعلم**



الفصل الثالث

[۳۶] عن عبادة بن الصامت قال:سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((من شهد أن لا إلـه إلا اللّـه و أن محمدًا رسول اللّٰه، حرّم اللّٰه عليه النار.))
رواه مسلم.

(سیدنا) عبادہ بن الصامت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دی (تو) اللہ نے اس پر (جہنم کی) آگ حرام قرار دی ہے۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۹/۴۷)

فقہ الحدیث:

۱: جو شخص لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں) اور محمد رسول اللہ (محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) کی گواہی دیتا ہے تو یہ شخص مسلم ہے اِلا یہ کہ نواقضِ اسلام میں سے کوئی ناقض ثابت ہو جائے، جو اسے دائرۂ اسلام سے باہر نکال دے۔ **واللّٰه المستعان**

۲: اہلِ توحید مسلمان جہنم میں کفار کی طرح ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ اگر کوئی مسلم کسی گناہ کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگا تو بالآخر اسے جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ **والحمدللّٰه**

۳: جو شخص زبان کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کی گواہی نہیں دیتا وہ شخص ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۴: ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((**من قال: لاإله إلا اللّٰه صادقًا بها دخل الجنة**)) جو شخص تصدیق کرتے ہوئے، لا الٰہ الا اللہ کہے گا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسند احمد ۴/۴۱۱ ح ۱۹۶۸۹ وسندہ صحیح)

دوسری روایت میں آیا ہے: ((**يشهد أن لاإلٰه إلااللّٰه مستيقنًا بها قلبه فبشره بالجنة**)) جو شخص دل سے یقین کرتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ کہے گا تو اسے جنت کی خوش خبری دے دو۔ (صحیح مسلم: ۳۱/۵۲)

ایک اور روایت میں ہے: ((**من قال: لاإله إلااللّٰه و كفر بما يعبد من دون اللّٰه ....**)) جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اور اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے اُس (کی عبادت) کا انکار کرے... الخ (صحیح مسلم: ۲۳/۳۷)

معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کے دلی و زبانی اقرار کے ساتھ شرک و کفر سے برأت کرنا بھی شرطِ ایمان ہے۔

۵: اس حدیث سے بھی ایمان کا قول و عمل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

[۳۷] وعن عثمان رضي اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((من مات وهو يعلم أنه لا إله إلا اللّٰه دخل الجنة.)) رواه مسلم .

(سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ لاالہ الا اللہ (تصدیق کرتے ہوئے یقینی طور پر) جانتا ہوتو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۴۳/۲۶)

فقہ الحدیث:

۱: نجات صرف اللہ و رسول پر ایمان لانے اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے پر ہی موقوف ہے۔ توحید وسنت کے بغیر اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ توحید کو ماننے والا ہی جنتی ہے۔

۲: توحید سے پہلے اس کا علم ہونا اور پھر دل، زبان اور جسم سے اس کی تصدیق کرنا ہی ایمان ہے۔

[۳۸] وعن جابر قال: قال رسول اللّٰه ﷺ : ((ثنتان موجبتان)) قال رجل : يارسول اللّٰه! ما الموجبتان ؟ قال: ((من مات يشرك باللّٰه شيئًا دخل النار، ومن مات لا يشرك باللّٰه شيئًا دخل الجنة.)) رواه مسلم.

(سیدنا) جابر (بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں۔ ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں مرے گا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز میں (بھی) شرک کرتا تھا تو آگ میں داخل ہوگا، اور جو شخص اس حالت میں مرے گا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز میں بھی شرک نہیں کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۵۱/۹۳)

فقہ الحدیث:

۱: شرک ایسا گناہ ہے جو تمام اعمال صالحہ کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ہر دور میں شرک میں مبتلا رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾

اور لوگوں کی اکثریت اللہ پر ایمان لانے (کا دعویٰ کرنے) کے باوجود شرک کرتی ہے۔ (سورۃ یوسف:۱۰۶)

[٣٩] وعن أبي هريرة قال:

كنا قعودًا حول رسول اللّٰه ﷺ ومعنا أبو بكر وعمر رضي اللّٰه عنهما في نفر، فقام رسول اللّٰه ﷺ من بين أظهرنا، فأبطأ علينا، وخشينا أن يقتطع دوننا، ففزعنا فقمنا، فكنت أول من فزع، فخرجت أبتغي رسول اللّٰه ﷺ، حتى أتيت حائطًا للأنصار لبني النجار، فساورت به، هل أجد له بابًا؟ فلم أجد ، فإذا ربيعٌ يدخل في جوف حائطٍ من بئر خارجة۔ والربيع الجدول۔ قال: فاحتفزت فدخلت على رسول اللّٰه ﷺ.

فقال: ((أبو هريرة ؟)) فقلت: نعم يا رسول اللّٰه! قال: ((ما شأنك؟)) قلت: كنت بين أظهرنا فقمت فأبطأت علينا، فخشينا أن تقتطع دوننا، ففزعنا، فكنت أول من فزع، فأتيت هذا الحائط، فاحتفزت كما يحتفز الثعلب، وهؤلاء الناس ورائي. فقال: ((ياأبا هريرة!)) وأعطاني نعليه، فقال: ((اذهب بنعلي هاتين، فمن لقيك من وراء هذا الحائط يشهد أن لاإله إلااللّٰه مستيقنًا بها قلبه؛ فبشره بالجنة)) فكان أول من لقيت عمر فقال: ما هاتان النعلان يا أبا هريرة ؟ قلت: هاتان نعلارسول اللّٰه ﷺ بعثني بهما، من لقيت يشهد أن لا إله إلااللّٰه مستيقنًا بها قلبه، بشرته بالجنة، فضرب عمر بين ثديي، فخررت لإستي۔ فقال: ارجع ياأبا هريرة ! فرجعت إلى رسول اللّٰه ﷺ فأجهشت بالبكاء، وركبني عمر ، وإذا هو على أثري، فقال رسول اللّٰه ﷺ:

(سیدنا) ابو ہریرہ (﷛) سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھ دوسرے لوگوں میں (سیدنا) ابوبکر اور (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان سے اُٹھ کر چلے گئے اور آپ نے کافی دیر لگا دی۔ ہمیں یہ خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں آپ (ﷺ) کو ہماری غیر حاضری میں کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ ہم ڈر کر اُٹھ کھڑے ہوئے، میں سب سے پہلے ڈرا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے انصاری قبیلے بنونجار کے چار دیواری والے باغ کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کا دروازہ تلاش کیا مگر دروازہ نہ ملا، تاہم باہر کے کنویں سے باغ کے اندر ایک (بڑی) نالی جا رہی تھی۔ میں سُکڑتے ہوئے اس نالی کے راستے سے باغ میں داخل ہو گیا تو آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے پوچھا: تمھیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا: آپ ہمارے پاس تھے، پھر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے تو کافی دیر ہو گئی۔ ہمیں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں آپ کو ہماری غیر حاضری میں کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ تو ہم سب گھبرا گئے۔ میں سب سے پہلے گھبرایا تھا پس میں اس چار دیواری والے باغ کے پاس پہنچا اور لومڑی کی طرح سُکڑ کر آ گیا ہوں، لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔

آپ (ﷺ) نے مجھے اپنے جوتے دے کر فرمایا: اے ابوہریرہ! میرے یہ دونوں جوتے لے کر جاؤ، پھر تمھیں اس باغ کے باہر جو شخص دل سے یقین کرتے ہوئے لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ملے تو اسے جنت کی خوش خبری دے دو۔

سب سے پہلے مجھے (سیدنا) عمر (﷛) ملے تو پوچھا: اے ابوہریرہ! یہ جوتے کیا ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ

((مالك يا أبا هريرة ؟))
فقلت: لقيت عمر فأخبرته بالذي بعثتني به، فضرب بين ثديي ضربة خررت لإستي ـ فقال: ارجع، فقال رسول الله ﷺ :
((يا عمر !ما حملك على مافعلت؟))
قال:يا رسول الله !بأبي أنت وأمي، أبعثت أبا هريرة بنعليك، من لقي يشهد أن لاإله إلاالله مستيقناً بها قلبه بشره بالجنة؟ قال:((نعم.)) قال:فلا تفعل، فإني أخشى أن يتكل الناس عليها، فخلهم يعملون۔ فقال رسول الله ﷺ:((فخلهم .))
رواه مسلم .

کے جوتے ہیں۔آپ نے مجھے یہ جوتے دے کر بھیجا ہے کہ میں جس شخص سے ملوں جو دل سے یقین کرتے ہوئے لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے تو اسے خوش خبری دے دوں کہ وہ جنتی ہے۔(سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے میری چھاتی پر مارا تو میں پیٹھ کے بل گر گیا۔انھوں نے کہا:اے ابو ہریرہ!واپس چلے جاؤ،تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس گیا اور میں رونے کی وجہ سے ہچکیاں لے رہا تھا۔عمر (رضی اللہ عنہ) میرے پیچھے پیچھے (تیز) آرہے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے ابوہریرہ ! تمھیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا: میری عمر (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات ہوئی تو میں نے انھیں وہ بتا دیا جو آپ نے مجھے بتایا تھا۔پس انھوں نے میری چھاتی پر زور سے مارا حتی کہ میں پیٹھ کے بل گر پڑا اور کہا: واپس چلے جاؤ۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تم نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ نے ابو ہریرہ کو اپنے جوتے دے کر بھیجا (اور بتایا) کہ جو شخص دل سے یقین کرتے ہوئے لا الہ الا اللہ کی گواہی دے تو اسے جنت کی خوش خبری دے دو؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جی ہاں۔انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا: آپ ایسا نہ کریں، مجھے ڈر ہے کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے اعمال چھوڑ دیں گے تو رسول اللہ ﷺ نے (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے) فرمایا، پس انھیں چھوڑ دو۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۳۱/۵۲)

فقہ الحدیث:

۱: اصل نجات دل سے یقین والے ایمان پر ہے۔ایمان کے بعد ہی اعمالِ صالحہ اللہ کے ہاں مقبول ہو سکتے ہیں۔

۲: نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کی بظاہر گمشدگی پر وہ بہت پریشان ہوئے اور آپ کی تلاش میں چاروں طرف والہانہ انداز میں نکل کھڑے ہوئے۔ **رضي الله عنهم أجمعين**

۳: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت جلیل القدر صحابی ہیں۔ نبی ﷺ سے محبت اور آپ کی احادیث کا سماع وروایت آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔

۴: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں آسمان سے قرآن نازل ہوتا تھا۔ نبی ﷺ نے بھی آپ کے مشورے کو اہمیت دی۔
اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جنتی ہیں۔ **والحمدللّٰه**

۵: روایت کے ساتھ اگر قرائن بھی ہوں تو دلی اطمینان اور یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے نعلین (جوتے) دے کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

۶: اگر شاگرد سبق یاد نہ کرے یا قابلِ تادیب حرکت کرے تو اسے عندالضرورت مارا پیٹا بھی جا سکتا ہے تا کہ اس کی اصلاح ہو جائے۔

۷: صرف لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کہہ لینے پر ہی اعتماد نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کلمہ طیبہ پر جسم و جان کے ساتھ پورا پورا عمل کرنا چاہئے۔
اس روایت میں مرجیہ کا رد ہے جو اعمال کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں۔

۸: اگر کسی مکان کے مالک کی ناراضی کا خوف نہ ہو اور کوئی شرعی مانع نہ ہو تو اس مکان میں عندالضرورت اضطراری حالت میں بغیر اجازت کے داخل ہونا جائز ہے۔

۹: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی طاقتور اور دلیر تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے علی الاعلان اُس کا اظہار کرتے تھے۔

۱۰: عوام الناس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے ڈر کی وجہ سے بعض آیات واحادیث صحیحہ کا بیان نہ کرنا جائز ہے تا کہ ناسمجھ لوگ ان سے غلط مفہوم مراد نہ لے لیں۔

[٤٠] **وعن معاذ بن جبل قال قال لي رسول الله ﷺ: ((مفاتيح الجنة شهادة أن لا إله إلا الله .)) رواه أحمد.**

(سیدنا) معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کی چابیاں لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے۔
اسے احمد (۲۴۲/۵ ح ۲۲۴۵۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔
اسے بزار (البحر الزخار ۱۰۴/۷ ح ۲۶۶۰ وکشف الاستار: ح ۲) طبرانی (الدعاء: ۱۴۷۹)

اورابن عدی (الکامل ۱۳۵۶/۴ دوسرانسخہ ۶۰/۵) نے إسماعیل بن عیاش :ثنا ابن أبي حسین عن شهر بن حوشب عن معاذ بن جبل رضي الله عنه کی سند سے روایت کیا ہے۔ بزار نے کہا: ''وشهر بن حوشب لم یسمع من معاذ بن جبل'' اور شہر بن حوشب نے معاذ بن جبل سے (کچھ) نہیں سنا۔ (البحر الزخار ۱۰۴/۷)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: ''وفیه انقطاع بین شهر ومعاذ وإسماعیل بن عیاش روایته عن أهل الحجاز ضعیفة وهذا منها '' اور اس (سند) میں شہر (بن حوشب) اور معاذ کے درمیان انقطاع ہے۔ اسماعیل بن عیاش کی حجازیوں سے روایت ضعیف ہوتی ہے اور یہ ان (ضعیف) روایتوں میں سے ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۶/۱)

تنبیہ: شہر بن حوشب مختلف فیہ راوی ہیں۔ میری تحقیق میں جمہور محدثین نے انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے، لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں۔ نیز دیکھئے ماہنامہ ''الحدیث'': ۱۷ ص ۲۵، اور عدد: ۶۳ ص ۳۷

[٤١] وعن عثمان، رضي الله عنه، قال: إن رجالاً من أصحاب النبي ﷺ حین توفي حزنوا علیه، حتی کاد بعضهم یوسوس، قال عثمان: وکنت منهم، فبینا أنا جالس مر علي عمر، وسلم فلم أشعر به، فاشتکی عمر إلی أبي بکر رضي الله عنهما، ثم أقبلا حتی سلما علي جمیعًا، فقال أبوبکر: ما حملك علی أن لا ترد علی أخیك عمر سلامه؟ قلت: ما فعلت۔ فقال عمر: بلی، والله لقد فعلت۔ قال: قلت: والله ما شعرت أنك مررت ولا سلمت۔ قال أبو بکر: صدق عثمان، قد شغلك عن ذلك أمر۔ فقلت: أجل۔ قال: ما هو؟ قلت: توفی الله تعالی نبیه ﷺ قبل أن نسأله عن نجاة هذا الأمر۔ قال أبو بکر: قد سألته عن ذلك۔ فقمت إلیه وقلت له: بأبي أنت وأمي، أنت أحق بها۔ فقال أبو بکر: قلت یا رسول الله! ما نجاة هذا الأمر؟ فقال رسول الله ﷺ: ((من قبل مني الکلمة التي عرضت علی عمي فردها؛ فهي له

(سیدنا) عثمان (بن عفان) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب نبی ﷺ فوت ہوئے تو آپ کے صحابہ غمگین ہوئے حتی کہ قریب تھا کہ بعض ان میں سے وسوسے کا شکار ہو جاتے۔ عثمان (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں بھی ان میں سے تھا۔ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس سے عمر (رضی اللہ عنہ) گزرے اور سلام کہا، پس مجھے پتا نہ چلا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے (میری) شکایت کی پھر وہ دونوں میرے پاس تشریف لائے اور مجھے سلام کہا۔ پھر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب نہیں دیا؟ میں نے کہا: میں نے تو ایسا کام نہیں کیا۔ عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ضرور، اللہ کی قسم انھوں نے ایسا ہی کام کیا ہے۔ (یعنی میرے سلام کا جواب نہیں دیا) میں نے کہا: اللہ کی قسم مجھے آپ کے سلام اور آنے جانے کا پتا ہی نہیں چلا۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: عثمان نے سچ کہا، تجھے اس سے کسی بات نے مشغول کر دیا تھا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ انھوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو وفات دے دی، اس سے پہلے کہ ہم آپ سے اس امر کی نجات کے بارے میں پوچھتے۔

نجاة.)) رواه أحمد.

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں کھڑا ہو گیا اور ان سے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ سب سے زیادہ اسی کے مستحق تھے۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس امر کی نجات کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جو کلام اپنے چچا پر پیش کیا تھا (یعنی لا الہ الا اللہ) جس نے اسے قبول کرلیا وہ نجات پا جائے گا۔

اسے احمد (۶/۱ ح ۲۰، ۲۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس کی سند میں ایک راوی ''رجل من الأنصار من أهل الفقه'' مجہول الحال ہے۔ میرے علم کے مطابق کسی نے بھی اس کی توثیق نہیں کی۔ کسی کو، زمانۂ تدوینِ حدیث میں ''من أهل الفقه'' اور ''غير متهم'' کہنا توثیق نہیں ہوتی۔

مسند احمد (۶/۱) اور مسند ابی یعلی (ح ۱۰) مسند البزار (البحر الزخار ۱/۵۶ ح ۴) التاریخ الکبیر للبخاری (۱/۱۶۹) اور مسند ابی بکر الصدیق (ح ۱۴) میں ''من أهل الفقه'' ہے۔

جبکہ کشف الاستار (ح ۱) میں ''من أهل العقبة'' اور مجمع الزوائد (۱/۱۴) میں ''من أهل الثقة'' غلطی سے چھپ گیا ہے۔

حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی نے بغیر کسی تحقیق کے ''من أهل العقبة'' والے الفاظ کو صحیح قرار دیا ہے جو کہ مذکورہ بالا حوالوں کی روشنی میں مردود ہے۔

تنبیہ: مرعاۃ المفاتیح (۱/۱۱۳) میں بھی بغیر تحقیق کے ''من أهل الثقة'' لکھ دیا گیا ہے اور پھر اس کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے، حالانکہ حق وانصاف یہی ہے کہ یہ الفاظ اس روایت کی سند میں ثابت ہی نہیں ہیں۔ والله هو الموفق

مسند احمد (۱/۷ ح ۳۷) میں بعض حدیث کا مختصر شاہد ہے جس کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ ضعیف ہے (نیل المقصود: ۱۱۰۵) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(دیکھئے مجمع الزوائد ۱/۸)

تنبیہ: دوبارہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ قولِ راجح میں ابوالحویرث مذکور جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے، لہٰذا یہ وجہِ ضعف نہیں ہے۔

۲: سند منقطع ہے۔ محمد بن جبیر نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا، لہٰذا اس سند کو بوصیری اور سیوطی کا حسن قرار دینا غلط ہے۔

شاہد دوم: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ذکر کے بغیر، بعض حدیث کا شاہد مسند احمد (۱/۲۸ ح ۱۸۷) میں ہے۔ اس کی سند بھی مجالد بن سعید

(ضعیف) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

شاہد سوم: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ذکر کے ساتھ، اس سیاق کے بغیر بعض حدیث کا شاہد مسند احمد (۶۳/۱ ح ۴۴۷) ومستدرک الحاکم (۳۵۱/۱) میں ہے، لیکن اس شاہد کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس سند میں سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ بن دعامہ دونوں مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں، لہٰذا اس سند کو "**صحیح علی شرط الشیخین**" کہنا غلط ہے۔

شاہد چہارم: مسند ابی یعلیٰ (ح ۹) البحر الزخار (ح ۵) مسند ابی بکر الصدیق للمروزی (ح ۷، ۸) اور شعب الایمان للبیہقی (۱۰۷/۱ ح ۹۲) وغیرہ میں الزہری عن سعید بن المسیب عن عثمان عن ابی بکر کی سند سے مروی ہے۔ یہ سند بھی ضعیف ہے۔ زہری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔ امام بخاری اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "**ولا یصح فیه سعید**" اس میں سعید کا لفظ صحیح نہیں ہے۔ (التاریخ الکبیر ۱۶۹/۱)

آپ نے دیکھ لیا کہ اس متن والی یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ومردود ہے۔ تاہم یہ بات بالکل صحیح وثابت ہے کہ نجات کا دار ومدار سچے دل سے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار ہے۔ بشرطیکہ آدمی ہر قسم کے شرک وکفر سے اعلان برأت کر لے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**من مات وهو يعلم أنه لا إله إلا الله دخل الجنة**" جو آدمی اس حالت میں مرے کہ وہ (سچے دل سے) جانتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے (اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۲۶/۱۳۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بذاتِ خود سنی تھی۔ (دیکھئے صحیح مسلم ۲۶/۱۳۷)

تنبیہ بلیغ: روایت مذکورہ سے مشابہ قصہ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جنھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی تھی۔ دیکھئے مسند احمد (۱۶۱/۱ ح ۱۳۸۶) وعمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۱۱۰۰) وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین (۳۵۰/۱، ۳۵۱) ووافقہ الذہبی (!)

شرک وکفر کرنے والا شخص اگر آخری وقت میں یہ کلمہ پڑھ لے اور شرک وکفر سے اعلان براءت کر دے تو نجات پا لے گا۔

واللّٰه غفور رحيم

تنبیہ: بعض لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی اس غیر ثابت روایت کی تاویلات وتشریحات بھی کی ہیں لیکن جب روایت ہی ضعیف ہوگئی تو ان تاویلات وتشریحات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

[**۴۲**] **وعن المقداد أنه سمع رسول اللّٰه ﷺ يقول: ((لا يبقى على ظهر الأرض بيت مدر ولا وبر إلا أدخله اللّٰه كلمة الإسلام، بعز عزيز وذل**

(سیدنا) مقداد (بن الاسود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: (عرب کی) زمین پر (شہروں اور دیہاتوں میں) کوئی گھر یا خیمہ ایسا باقی

ذليل، إما يعزهم الله فيجعلهم من أهلها، أو يذلهم فيدينون لها.))قلت: فيكون الدين كله لله. رواه أحمد.

نہیں رہے گا جس میں کلمۂ اسلام داخل نہ ہو، چاہے وہ عزت سے مانیں یا ذلت سے۔ جو لوگ عزت سے مانیں گے وہ اس کلمے والے (اور غالب) ہوں گے۔ اور جو ذلت سے مانیں گے تو وہ اہلِ کلمہ (مسلمانوں) کی اطاعت کریں گے۔ سارے کا سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوگا۔
اسے احمد (۶/۴۴ ح ۲۴۳۱۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اسے ابن حبان (موارد الظمآن: ۱۶۳۱، ۱۶۳۳، الاحسان: ۶۶۶۳، ۶۶۶۶ دوسرا نسخہ ۶۶۹۹، ۶۷۰۱) نے صحیح حاکم (۴/۴۳۰) اور ذہبی نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیرۃ العرب (عربستان مثلاً حجاز، عراق، شام، یمن وغیرہ) میں دین اسلام غالب ہو جائے گا۔ لوگ مسلمان ہو جائیں گے یا پھر جزیہ دے کر زندگی گزاریں گے۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ والحمد للہ

۲: اگر اس حدیث میں ''ظهر الأرض'' سے مراد ساری زمین لی جائے تو پھر اس کا وقوع ابھی باقی ہے۔ جب سیدنا عیسیٰ بن مریم الناصری علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے تو ان کے دور میں ساری زمین پر اسلام غالب ہو جائے گا اور کفر تہس نہس ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

[**۴۳**] وعن وهب بن منبه، قيل له: أليس لا إله إلا الله مفتاح الجنة؟ قال: بلى، ولكن ليس مفتاح إلا وله أسنان، فإن جئت بمفتاح له أسنان فتح لك، وإلا لم يفتح لك. رواه البخاري في ترجمة باب.

وہب بن منبہ (تابعی رحمہ اللہ) سے پوچھا گیا کہ کیا لا إله إلا الله جنت کی چابی نہیں ہے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، لیکن ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں۔ اگر تو دندانوں والی چابی لے کر آئے گا تو دروازہ تیرے لئے کھل جائے گا ورنہ نہیں کھلے گا۔ اسے بخاری نے ترجمۂ باب میں (تعلیقاً قبل ح ۱۲۳۷) روایت (یعنی ذکر) کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (تعلیقاً قبل ح ۱۲۳۷)

[٤٤] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((إذا أحسن أحد كم إسلامه، فكل حسنة يعملها تكتب له بعشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف، وكل سيئة يعملها تكتب بمثلها حتى لقي الله .)) متفق عليه .

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اچھے طریقے سے اسلام لائے تو ہر نیکی کرنے کے بدلے اس کے لئے دس سے لے کر سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے اور ہر برائی کے بدلے ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے پاس چلا جاتا (یعنی وفات پا جاتا) ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۴۲) صحیح مسلم (۱۲۹/۲۰۵)

فقہ الحدیث:

۱: رب کریم اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہر نیکی کے بدلے دس گنا ثواب عطا فرماتا ہے، بلکہ لوگوں کی نیتوں پر بعض نیکوکاروں کو سات سو گنا ثواب بھی عطا کر دیتا ہے۔

۲: گناہ گار کے نامۂ اعمال میں گناہ کرنے کی وجہ سے صرف ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔

۳: جنت اور جہنم والے اعمال کا دارومدار موت تک ہے۔ موت کے بعد اعمالِ تکلیفیہ (وہ اعمال جنھیں سرانجام دینے پر انسان مکلّف، مامور یا مجبور رہے) منقطع ہو جاتے ہیں۔

[٤٥] وعن أبي أمامة أن رجلاً سأل رسول الله ﷺ: ما الإيمان ؟ قال: ((إذا سرتك حسنتك وساء تك سيئتك فأنت مؤ من .))
قال: يارسول الله! فما الإثم؟ قال: ((إذا حاك في نفسك شئ فدعه .)) رواه أحمد .

(سیدنا) ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تمھیں تمھاری نیکی اچھی لگے اور برائی بری محسوس ہو تو پھر تم (کامل) مومن ہو، اس نے کہا: یارسول اللہ! گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارے دل میں اگر کوئی چیز کھٹکے تو اسے چھوڑ دو۔

اس (حدیث) کو احمد (بن حنبل رحمہ اللہ) نے (اپنی کتاب المسند ج ۵ ص ۲۵۱ ح ۲۲۵۱۹ میں) روایت کیا ہے۔

تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔

اسے ابن حبان (الاحسان: ۱۷۶، الموارد: ۱۰۳) حاکم (المستدرک ۱/۱۴، ۲/۱۳، ۴/۹۹) بیہقی (شعب الایمان: ۵۷۴۶،

۶۹۹۰، ۶۹۹۱) ابن منده (کتاب الایمان: ۱۰۸۸) قاضی محمد بن سلامہ القضاعی (مسند الشہاب: ۴۰۲) عبدالرزاق (المصنف: ۲۰۱۰۴ نسخہ جدیدہ: ۲۰۲۷۳) اور طبرانی (المعجم الکبیر: ۷۵۳۹، المعجم الاوسط: ۳۱۰۷) نے یحییٰ بن ابی کثیر عن زید بن سلام عن ابی سلام (ممطور) عن ابی امامہ (رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت کیا ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر ثقہ ثبت ہونے کے ساتھ ساتھ مدلس بھی تھے۔ (دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ۲/۶۳)

دارقطنی نے فرمایا: ''**معروف بالتدلیس**'' آپ تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ (العلل الواردۃ ۱۱/۱۲۴ سوال: ۲۱۶۳)

زید بن سلام کے بھائی اور ممطور ابو سلام کے پوتے معاویہ بن سلام (ثقہ) نے کہا: یحییٰ بن ابی کثیر نے مجھ سے میرے بھائی زید بن سلام کی کتاب لی تھی۔ (تاریخ ابی زرعہ الدمشقی: ۸۰۹ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''**لم يلق يحيى بن أبي كثير زيد بن سلام ، وقدم معاوية بن سلام عليهم ،فلم يسمع يحيى بن أبي كثير ، أخذ كتابه عن أخيه ولم يسمعه ، فدلسه عنه**'' یحییٰ بن ابی کثیر نے زید بن سلام سے ملاقات نہیں کی۔ معاویہ بن سلام ان کے پاس آئے۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے (زید بن سلام سے) نہیں سنا، اس کی کتاب اس کے بھائی سے لے لی اور اُس سے کچھ نہیں سنا پھر اس سے تدلیس کی۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۹۸۳)

معلوم ہوا کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے زید بن سلام سے کچھ نہیں سنا، بلکہ ان کی کتاب سے روایت کرتے تھے۔ کتاب سے روایت کرنا قول راجح میں صحیح ہے، بشرطیکہ کتاب کی سند میں طعن ثابت نہ ہو۔ یہاں تو واسطہ بین الکتاب ثقہ ہے، لہٰذا یہ روایت زید بن سلام سے ثابت ہے اور باقی سند صحیح ہے۔ اس روایت کے صحیح مسلم (۲۵۵۳) اور سنن الترمذی (۲۱۶۵ وقال: ''حسن صحیح غریب'') وغیرہما میں شواہد بھی ہیں۔

فقہ الحدیث:

۱: طیبی شارحِ مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ اگر آپ نیکی کر کے خوش ہوں کہ اس پر ثواب ملے گا اور گناہ کے بعد پریشان ہو جائیں (کہ اس پر عذاب ملے گا) تو یہ اللہ اور قیامت پر ایمان لانے کی علامت ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۶، الکاشف عن حقائق السنن للطیبی ۱/۱۹۲)

۲: اس حدیث میں ''فأنت مؤمن'' پس تم مومن ہو، سے مراد کامل الایمان ہے۔

۳: جن کاموں کی واضح حرمت شریعت میں مذکور نہیں ہے، لیکن ان کی حلت وحرمت میں شک رہتا ہے تو ایسے تمام مشکوک امور سے مکمل اجتناب کرنا ایمان کی علامت ہے۔

۴: جو امور شریعت مطہرہ سے ثابت ہیں، ان پر عمل کرنا باعثِ ثواب اور ایمان کی علامت ہے، چاہے دل پسند کرے یا نہ کرے۔

۵: جس طرح انسان میٹھی چیزوں کو پسند اور کڑوی چیزوں کو ناپسند کرتا ہے، اسی طرح اہلِ ایمان کی دلی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ نیکیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ رہے منافقین، کفار اور گناہ گار لوگ تو یہ نیکیوں سے دوری اور برائیوں سے قربت ومحبت اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح دل پر سیاہ دھبے لگتے جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک دن سارا دل ہی سیاہ ہو کر اپنے رب کا مکمل نافرمان بن جاتا ہے۔ یہی لوگ دنیا وآخرت میں سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں۔

[٤٦] وعن عمرو بن عبسة قال: أتيت رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله !من معك على هذا الأمر ؟ قال : ((حر و عبد .)) قلت : ما الإسلام؟ قال : ((طيب الكلام واطعام الطعام .)) قلت : ما الإيمان؟ قال:((الصبر والسماحة .)) قال قلت : أي الإسلام أفضل؟ قال :((من سلم المسلمون من لسانه ويده .)) قال قلت:أي الإيمان أفضل؟ قال: ((خلق حسن .)) قال قلت:أي الصلٰوة أفضل؟ قال:((طول القنوت .)) قال قلت :أي الهجرة أفضل؟ قال : ((أن تهجر ما كره ربك .)) قال قلت : فأي الجهاد أفضل؟ قال : ((من عقر جواده وأهريق دمه .)) قال قلت :أي الساعات أفضل؟ قال :((جوف الليل الآخر)) رواه أحمد .

(سیدنا) عمرو بن عبسہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس (اسلام کے ابتدائی زمانے میں) آیا تو پوچھا: اس دین پر آپ کے ساتھ کون کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک آزاد مرد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور ایک غلام (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) میں نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا کلام کرنا اور (غریب وامیر کو) کھانا کھلانا۔ میں نے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: صبر اور فراخ دلی۔ میں نے پوچھا: کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ میں نے پوچھا: کون سا ایمان افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا اخلاق۔ میں نے پوچھا: کون سی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: لمبے قنوت (قیام) والی۔ میں نے پوچھا: کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جسے تیرا رب ناپسند کرے تو اُسے چھوڑ دے۔ میں نے پوچھا: کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کا گھوڑا کاٹ دیا جائے اور اس کا اپنا خون بہا دیا جائے (یعنی شہید ہو جائے) میں نے پوچھا: (عبادت کے لئے) کون سا وقت افضل ہے؟
آپ نے فرمایا: رات کا آخری حصہ۔
اسے احمد (۳۸۵/۴ ح ۱۹۶۵۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے امام احمد کے علاوہ ابن ماجہ (۲۷۹۴ مختصراً جداً) اور عبد بن حمید (المنتخب: ۳۰۰ مطولاً) نے حجاج بن دینار عن محمد بن ذکوان عن شہر بن حوشب عن عمرو بن عبسہ (رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہ سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

① محمد بن ذکوان المصری الازدی: ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۸۷۱)

② یہ سند منقطع ہے۔ ابو حاتم الرازی نے فرمایا کہ شہر بن حوشب نے عمرو بن عبسہ سے (کچھ) نہیں سُنا۔

(کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص ۸۹)

یہی بات ابوزرعہ الرازی نے بھی فرمائی ہے۔

تنبیہ(۱): راقم الحروف نے ''تسہیل الحاجۃ فی تحقیق سنن ابن ماجہ'' میں ابن ماجہ والی مختصر روایت ''أي الجهاد أفضل؟ قال : ((من أهريق دمه وعقر جواده))'' کو شواہد کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔ (تسہیل الحاجۃ قلمی ص۲۲ ح۲۷۹۴)

کیونکہ سنن ابی داود (۱۴۴۹) میں اس متن کا ایک حسن (لذاتہ) شاہد ہے۔

تنبیہ(۲): سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام کے ابتدائی دور میں آئے اور اسلام قبول کر کے چلے گئے تھے، پھر اسلام کے غلبے اور جہاد کی برکات کے بعد مدینہ تشریف لائے۔ محمد بن ذکوان راوی نے اپنے ضعف کی وجہ سے روایت کا متن گڈمڈ کر دیا ہے، جس میں بالکل ابتدائی دور میں جہاد اور نماز وغیرہ کا ذکر کر دیا ہے۔

تنبیہ(۳): جس روایت کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اس کے فوائد وفقہ الحدیث لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

[**٤٧**] وعن معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه قال : سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول: ((من لقي اللّٰه لايشرك به شيئاً ويصلّي الخمس ويصوم رمضان ، غفرله.)) قلت: أفلا أبشرهم يا رسول اللّٰه ؟ قال : ((دعهم يعملوا.)) رواه أحمد.

(سیدنا) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص (اس حالت میں) اللہ سے ملاقات کرے کہ وہ شرک نہ کرتا تھا، پانچ نمازیں پڑھتا اور رمضان کے روزے رکھتا تھا (تو) اسے بخش دیا جائے گا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو (یہ) خوش خبری نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا: انھیں چھوڑو! وہ عمل کرتے رہیں۔

اسے احمد (۵/۲۳۴ ح۲۲۳۷۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق و تخریج: صحیح ہے۔

اس روایت کو ترمذی (۲۵۳۰) نے بھی زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ یہ سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

عطاء بن یسار (تابعی رحمہ اللہ) کی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ لیکن صحیح بخاری (۷۴۲۳) ومسند احمد (۲/۳۳۵، ۳۳۹) وغیرہما میں اس حدیث کے شواہد ہیں، جن کی بنا پر یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔

نیز دیکھئے اضواء المصابیح: ۲۵، ۲۷، ۲۹، الحدیث: ۱۷ص۴، ۵، الحدیث: ۱۸ص۲، ۳

[٤٨] وعنه أنه سأل النبي ﷺ عن أفضل الإيمان؟ قال :((أن تحب لله و تبغض لله وتعمل لسانك في ذكر الله .)) قال :وما ذا يا رسول الله ! قال:((أن تحب للناس ماتحب لنفسك، وتكره لهم ما تكره لنفسك)) رواه أحمد .

اور انھیں (سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے بارے میں پوچھا؟ آپ نے فرمایا: تو اللہ کے لئے محبت کرے اور اللہ کے لئے بغض رکھے اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مصروف رکھے۔ انھوں نے پوچھا: یارسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور لوگوں کے لئے وہی ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ اسے احمد (۵/۲۴۷ ح۲۲۴۸۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اس سند کے دو راوی ضعیف ہیں:

۱: رشدین بن سعد ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۱۹۴۲)

۲: زبان بن فائد صالح اور عابد ہونے کے باوجود حدیث میں ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۱۹۷۵)

تنبیہ: الموسوعۃ الحدیثیہ (ج۳٦ ص۴۴۵) میں اس ضعیف روایت کے کچھ شواہد مذکور ہیں، جو اس روایت سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ والحمد للہ



باب الكبائر وعلامات النفاق

کبیرہ گناہوں اور نفاق کی علامات کا باب

الفصل الأول

[٤٩] عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال قال رجل: يا رسول الله! أي الذنب أكبر عندالله؟ قال: ((أن تدعو لله ندًا وهو خلقك)) قال: ثم أي؟ قال: ((أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك)) قال: ثم أي؟ قال: ((أن تزني حليلة جارك)) فأنزل الله تصديقها: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ الآية، متفق عليه.

(سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کے ہاں کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تُو اللہ کا شریک بنا کر اُسے پکارے حالانکہ اس (اللہ) نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس نے پوچھا: پھر (اس کے بعد) کون سا (گناہ سب سے بڑا ہے)؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تُو اپنی اولاد کو اس ڈر کی وجہ سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ مل کر (رزق) کھائیں گے۔
اس نے پوچھا: پھر (اس کے بعد) کون سا (گناہ سب سے بڑا ہے)؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تُو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر اللہ (تعالیٰ) نے اس کی تصدیق نازل فرمائی: اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی دوسرے الٰہ (معبود) کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو ناحق قتل کرتے ہیں، جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔ [الفرقان: ٦٨] آپ نے آخر تک آیت تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (٦٨٦١) صحیح مسلم (٨٦/١٤٢، ترقیم دارالسلام: ٢٥٨)

فقہ الحدیث:

١: نِد نظیر (مثل اور شریک) کو کہتے ہیں۔ (دیکھئے فتح الباری ١٦٣/٨ تحت ح: ٤٤٧٧)
انداد سے اللہ کے سوا آلہہ (معبودانِ باطلہ) مراد ہیں۔ (النہایہ فی غریب الحدیث لابن الاثیر ج ٥ ص ٣٥)

معلوم ہوا کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ بے شک شرک ظلمِ عظیم ہے۔(لقمٰن:۱۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾

بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ (النسآء:۱۱۶)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ﴾ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اللہ نے اس کے لئے جنت حرام قرار دی ہے اور اس شخص کا ٹھکانا (جہنم کی) آگ ہے۔ (المائدۃ:۷۲)

ان دلائل کے باوجود بہت سے لوگ شرک کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ شرک کرنے والے قیامت کے دن اللہ کے سامنے کہیں گے: ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾ اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے۔ (الانعام:۲۳)

ارشاد ہوگا: دیکھو! یہ اپنے آپ پر کیسے جھوٹ بول رہے ہیں، اور جو (معبودانِ باطلہ) یہ لوگ گھڑتے تھے اُن سے (آج) گم ہو گئے ہیں۔ (الانعام:۲۴)

۲: بے گناہ کا قتل کبیرہ گناہ ہے اور خاص طور پر غربت یا نام نہاد غیرت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا بہت ہی بڑا گناہ ہے، جسے اس حدیث میں شرک کے بعد دوسرے نمبر پر ذکر کیا گیا ہے۔ دورِ جاہلیت میں بعض جاہل لوگ اپنی اولاد کو غربت یا جھوٹی عزت کی بنیاد پر قتل کر دیتے تھے۔ موجودہ دور میں اسقاطِ حمل اور خاندانی منصوبہ بندی بھی قتلِ اولاد کے مترادف ہے۔

تنبیہ: اگر کسی شخص کی بیوی بیمار ہو یا اس کی موت یا شدید بیماری کا خوف ہو تو دوسرے دلائل کی رُو سے شوہر عَزَل کر سکتا ہے۔

(مثلاً دیکھئے صحیح مسلم: ۱۴۴۰/۱۳۸ وترقیم دارالسلام: ۳۵۶۱)

بعض صحابہ و تابعین سے اس کا جواز اور بعض سے کراہت ثابت ہے۔ دیکھئے موطأ امام مالک (ج ۲ ص ۵۹۵)، مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۴ ص ۲۱۷۔۲۲۲) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۷ ص ۲۳۰، ۲۳۱)

یاد رہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کا ارشاد ہے: ((تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم)) محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میری امت (سب سے) زیادہ ہو۔

(ابوداود: ۲۰۵۰ وسندہ حسن، اضواء المصابیح: ۳۰۹۱)

۳: زنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، لیکن اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا کئی گُنا زیادہ جرم اور حرام ہے۔

۴: قرآن و حدیث ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں، کیونکہ دونوں منزل من اللہ اور وحی ہیں۔ وحی میں تضاد و تعارض کبھی نہیں ہوتا۔

۵: صحابہ کرام علم سیکھنے پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔

۶: سوال کرنا تقلید نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر (علماء) سے پوچھ لیا کرو۔ (النحل:۴۳)

عالم ومفتی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو دلیل (کتاب وسنت اور اجماع) سے جواب دے۔

[۵۰] وعن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ: ((الكبائر الإشراك بالله وعقوق الوالدين وقتل النفس واليمين الغموس)) رواه البخاري.

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (یہ) کبیرہ گناہ (ہیں): اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی (بے گناہ) نفس (جان) کو قتل کرنا اور ڈبونے والی (جھوٹی) قسم کھانا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (٦٦٧٥)

[۵۱] وفي رواية أنس:
((وشهادة الزور بدل اليمين الغموس))
متفق عليه.

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) کی روایت میں "ڈبونے والی قسم" کے بجائے "جھوٹی قسم" کے الفاظ ہیں۔ یہ (حدیث) متفق علیہ ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۲۶۵۳) صحیح مسلم (۱۴۴/۸۸)

فقه الحدیث:

۱: اس حدیث میں سابقہ حدیث پر ایک کبیرہ گناہ "جھوٹی قسم" کے ذکر کا اضافہ کیا گیا ہے۔
۲: ثقہ کی زیادت، اگر ثقہ راویوں یا اوثق کے سراسر خلاف نہ ہو تو مقبول ہوتی ہے۔
۳: احادیثِ صحیحہ کے الفاظ میں راویوں کا اختلاف چنداں مُضر نہیں ہوتا، بلکہ تمام روایات کو اکٹھا کر کے تمام الفاظ کے مشترکہ مفہوم پر ایمان وعمل کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔
۴: عدمِ ذکر نفیِ ذکر کی حتمی دلیل نہیں ہوتا، بلکہ ذکر والی روایت کو تمام عدمِ ذکر والی روایتوں پر ہمیشہ ترجیح ہوتی ہے۔

[**٥٢**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((اجتنبوا السبع الموبقات)) قالوا: يا رسول الله! وما هنّ ؟ قال: ((الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرّم الله إلا بالحق وأكل الربا وأكل مال اليتيم و التولي يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات)) متفق عليه.

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو، لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ (سات چیزیں) کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، اس نفس (جان) کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، سُود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، دوصفوں کے ملنے (کافروں سے جہاد) والے دن بھاگ جانا اور پاک دامن غافل عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگانا۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۲۷٦٦) صحیح مسلم (۸۹/۱۴۵)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث میں سات کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے:

(۱) شرک (۲) جادو (۳) قتل (۴) سُود (۵) یتیم کا مال کھانا (٦) میدانِ جہاد سے بھاگنا (۷) اور پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

ان میں سے شرک اور قتل کا ذکر سابقہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

۲: ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔

۳: اگر آدمی توبہ کے بغیر مر جائے تو اسے کبیرہ گناہ تباہ و برباد کر کے جہنم میں پھینک دیں گے اِلا یہ کہ شرک نہ کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم اور رحمت سے بخش دے۔

۴: جادو کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ بسا اوقات جادو دائرۂ اسلام سے خروج کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

۵: یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا اُس کی پرورش اور اس کی دیکھ بھال کی جس قدر فضیلت ہے، اس کے مال کو ہڑپ کرنے پر وعید بھی اتنی شدید ہے۔

٦: غلبۂ اسلام کے لئے کافروں سے لڑائی کے وقت بھاگنا کبیرہ گناہ ہے۔

۷: اسلام عورتوں کو مکمل تحفظ دیتا ہے لہٰذا کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانا کبیرہ گناہ ہے، اور اسلام میں تہمت لگانے والے کے لئے سزا بھی موجود ہے۔

[٥٣] وعنه قال قال رسول الله ﷺ :((لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن ولا ينتهب نهبة يرفع الناس إليه فيها أبصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن ولا يغل أحد كم حين يغل وهو مؤمن فإياكم وإياكم))
متفق عليه.

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زانی جب زنا کرتا ہے تو اس وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور لُوٹنے والا جس وقت لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لُوٹ رہا ہوتا ہے اُس وقت مومن نہیں ہوتا۔ مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والا خیانت کرتے وقت مومن نہیں ہوتا۔ خبردار ان کاموں سے بچتے رہو، ان سے بچتے رہو۔
متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۲۴۷۵) صحیح مسلم (۱۰۰/ ۵۷)

[٥٤] وفي رواية ابن عباس :((ولا يقتل حين يقتل وهو مؤمن))قال عكرمة:قلت لابن عباس : كيف ينزع الإيمان منه؟ قال: هٰكذا، وشبك بين أصابعه ثم أخرجها، فإن تاب عاد إليه هٰكذا، وشبك بين أصابعه. وقال أبو عبدالله : لا يكون هذا مؤمناً تامًّا و لا يكون له نور الإيمان .
هذا لفظ البخاري.

(سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی (بیان کردہ) روایت میں ہے: اور قتل کرنے والا قتل کرتے وقت مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ (تابعی) نے کہا: میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: اس (گناہ گار) سے ایمان کس طرح نکل جاتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اس طرح، اور اپنے ایک ہاتھ کی اُنگلیاں دوسرے ہاتھ کی اُنگلیوں میں داخل کر کے نکال لیں۔ ''پھر جب توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے'' اور اپنی انگلیاں دوبارہ ایک دوسرے میں داخل کر کے ملا لیں۔ ابوعبداللہ (بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: یہ (گناہ کرنے والا شخص) کامل ایمان والا نہیں ہوتا اور نہ اس کے پاس نورِ ایمان ہوتا ہے۔ یہ (بیان کردہ) الفاظ (صحیح) بخاری کے ہیں۔

تخریج: صحیح بخاری (۶۸۰۹)

فقہ الحدیث:

ا: معلوم ہوا کہ ایمان کے بہت سے درجے ہیں، ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ چوری اور زنا وغیرہ کبیرہ گناہ

کرنے والے کا ایمان، گناہ کی حالت میں اس کے جسم سے نکل کر اس کے سر پر چھتری کی طرح بلند ہو جاتا ہے۔
ایمان نکلنے کے باوجود یہ شخص کافر نہیں ہوتا، بلکہ گناہ گار مسلمان ہی رہتا ہے، بشرطیکہ نواقضِ اسلام کا ارتکاب نہ کرے۔
۲: زنا، چوری اور مالِ غنیمت میں خیانت کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔
تنبیہ: جو لوگ مدرسوں، مساجد، تنظیموں، جماعتوں اور رفاہی کاموں کے بہانے سے چندے کا مال کھا جاتے ہیں وہ بھی اسی حکم میں ہیں۔ انھیں سمجھ لینا چاہئے کہ ایک دن علیم بذات الصدور کے سامنے پیش ہو کر ذرے ذرے کا حساب دینا ہے۔ ایک شخص نے مالِ غنیمت میں سے ایک چادر چرالی تھی تو وہی چادر جہنم کی آگ بن کر اُس کے جسم سے چمٹ گئی تھی۔
۳: عالم کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو عام فہم مثالیں دے کر سمجھائے۔

[**۵۵**] **وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((آية المنافق ثلاث)) زاد مسلم:((وإن صام وصلّى وزعم أنه مسلم)) ثم اتفقا:((إذا حدّث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان))**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ متفق علیہ
صحیح مسلم (کی ایک روایت) میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: اگرچہ وہ روزے رکھے، نماز یں پڑھے اور یہ گمان کرے کہ وہ مسلم ہے [تو پھر بھی منافق ہے۔]
(۱۱۰،۱۰۹/۵۹، دارالسلام:۲۱۳، ۲۱۴)

تخریج: صحیح بخاری (۳۳) صحیح مسلم (۱۰۷/۵۹ دارالسلام:۲۱۱)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث (اور دیگر دلائل) سے صاف ظاہر ہے کہ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔
۲: اسلام کا دعویٰ کرنے والا منافق بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ اس کے منافقانہ قول و فعل سے ثابت ہو جاتا ہے۔
۳: ایمان کے بہت سے درجے ہیں۔

[٥٦] وعن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ :((أربع من كن فيه كان منافقًا خالصًا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان وإذا حدث كذب وإذا عاهد غدر وإذا خاصم فجر)) متفق عليه.

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں جس (شخص) میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہوتا ہے اور جس میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک ہو تو اُس میں نفاق کی خصلت ہے حتیٰ کہ وہ اسے چھوڑ دے؟ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب معاہدہ (وعدہ) کرے تو غداری کرے اور جب لڑائی کرے تو گالیاں دے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۳۴) صحیح مسلم (۱۰۶/ ۵۸)

فقہ الحدیث:

۱: گالیاں دینا کبیرہ گناہ ہے۔
۲: سچا مسلمان کبھی غدار نہیں ہوتا۔
۳: اس حدیث میں منافق کی اہم اور مشہور چار خصلتیں بیان کی گئی ہیں، جبکہ کتاب وسنت میں اس کی مزید کئی عادات واطوار کا ذکر ملتا ہے۔

[٥٧] وعن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ : ((مثل المنافق كالشاة العائرة بين الغنمين، تعير إلٰى هذه مرة وإلٰى هذه مرة)) رواه مسلم.

(سیدنا عبداللہ) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی مثال دو ریوڑوں میں اس سرگرداں بکری کی طرح ہے جو کبھی ایک ریوڑ کی طرف (نر کے لئے) بھاگتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ کی طرف بھاگتی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۷/ ۲۷۸۴)

فقہ الحدیث:

۱: عملی نفاق کبیرہ گناہوں میں سے ہے جبکہ اعتقادی نفاق کفر ہے۔
۲: دو کشتیوں پر بیک وقت پاؤں رکھنے والا بالآخر ڈوب جاتا ہے۔ اسے اُس کا دوغلا پن ذرہ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا۔
۳: منافقین اصل میں حیوانات سے بھی بدتر ہیں۔

الفصل الثاني

[٥٨] عن صفوان بن عسّال، قال: قال يهوديٌّ لصاحبه: اذهب بنا إلٰى هذا النبي - فقال له صاحبه: لا تقل: نبي، إنه لو سمعك لكان له أربع أعينٍ - فأتيا رسول اللّٰه ﷺ فسألاه عن آياتٍ بيناتٍ، فقال رسول اللّٰه ﷺ: ((لا تُشْرِكُوا باللّٰه شيئًا، ولا تسرقوا، ولا تَزْنوا، ولا تَقْتُلُوا النّفسَ التي حرّم اللّٰهُ إلا بِالْحَقِّ، ولا تَمْشُوا بِبَرِيءٍ إلٰى ذي سلطانٍ ليقتله، ولا تسحروا، ولا تأكلوا الرِّبا، ولا تقذفوا محصنةً، ولا تولوا للفرار يوم الزّحف، وعليكم خاصّةً- اليهود- أن لا تعتدوا في السبت)) - قال: فقبّلا يديه ورجليه، وقالا: نشهد أنك نبي - قال: ((فما يمنعكم أن تتّبعوني؟)) - قالا: إنّ داود عليه السلام دعا ربّه أن لا يزال من ذريته نبي، وإنا نخاف أن تبعناك أن يقتلنا اليهود.

(سیدنا) صفوان بن عسال (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے کسی دوست سے کہا: آؤ اس نبی کے پاس جائیں، تو اس کے دوست نے کہا: (اُنھیں) نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انھوں نے تجھے (یہ کہتے ہوئے) سُن لیا تو (خوشی سے) اُن کی آنکھیں چار ہو جائیں گی۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انھوں نے آپ سے آیات بینات کے بارے میں پوچھا (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھیں۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وہ آیات یہ ہیں:) اللہ کے ساتھ کسی چیز میں شرک نہ کرو (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا نہ کرو (۴) جس جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو (۵) بے گناہ آدمی کو قتل کرانے کے لئے حاکم کے پاس نہ لے جاؤ (۶) جادو نہ کرو (۷) سود نہ کھاؤ (۸) کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ (۹) میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو۔ (۱۰) اور اے یہودیو! تم خاص طور پر سبت (ہفتے) والے دن سرکشی نہ کرو۔ (صفوان رضی اللہ عنہ نے) کہا: ان دونوں (یہودیوں) نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں چُومے اور کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: پھر تم میری اتباع کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا: بے شک داود علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ اُن کی اولاد میں سے نبی آتے رہیں، لہٰذا ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کی اتباع کر لی تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔

رواه الترمذي، وأبو داود، والنسائي .

اسے ترمذی (۲۷۳۳ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح '') ابوداود (؟) اور نسائی (۱۱۱/۷ ح ۴۰۸۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن ہے۔

اسے ترمذی ونسائی کے علاوہ ابن ماجہ (۳۷۰۵) احمد بن حنبل (۲۳۹/۴ ح ۱۸۰۹۲، ۲۴۰/۴ ح ۱۸۰۹۶) حاکم (۹/۱ ح ۲۰) ابن ابی شیبہ (المصنف ۲۸۹/۱۴ ح ۳۶۵۳۲، المسند ۳۶۷/۲۔۳۶۹ ح ۸۸۰، ۸۸۱) ابوداود الطیالسی (۱۱۶۴) اور طحاوی (معانی الآثار ۲۱۵/۳) وغیرہم نے شعبۃ عن عمرو بن مرہ عن عبداللہ بن سلمہ عن صفوان کی سند سے روایت کیا ہے۔ اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔ شعبہ بن الحجاج اور عمرو بن مرہ مشہور ثقہ راوی ہیں۔ مثلاً دیکھئے تقریب التہذیب (۲۷۹۰، ۵۱۱۲)

عبداللہ بن سلمہ پر درج ذیل علماء نے جرح کی ہے:

۱: البخاری، قال: **لایتا بع في حدیثه** (التاریخ الکبیر ۹۹/۵)

۲: ابوحاتم الرازی، قال: **تعرف وتنکر** (الجرح والتعدیل ۷۴/۵)

۳: النسائی، قال: **یعرف وینکر** (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۴۷)

۴: العقیلی، **ذکره فی الضعفاء** (الضعفاء الکبیر ۲۶۵/۲)

۵: ابن الجوزی، **ذکره فی الضعفاء** (۱۲۵/۲ ت ۲۰۳۸)

۶: ابواحمد الحاکم: **حدیثه لیس بالقائم** (کتاب الکنٰی بحوالہ تہذیب التہذیب ۲۴۱/۵)

درج ذیل علماء نے عبداللہ بن سلمہ مذکور کی توثیق کی ہے:

۱: العجلی، قال: **ثقة** (کتاب التاریخ: ۸۱۹)

۲: ابن عدی، قال: **وأرجو أنه لا بأس به** (الکامل ۱۴۸۷/۴)

۳: ابن حبان، قال: **یخطئ** (الثقات ۱۲/۵)
وصحح حدیثه (الاحسان: ۷۹۶، ۷۹۷، ۶۹۰۱، ۷۰۳۹)

۴: ابن خزیمہ، **روی له في صحیحه** (ح ۲۰۸۰)

۵: ابن الجارود، **روی له فی المنتقٰی** (ح ۹۴)

۶: ترمذی، **صحح له** (ح ۱۴۶)

۷: البغوی، **صحح له** (شرح السنۃ ۴۱/۲ ح ۲۷۳)

۸: الحاکم، **صحح له** (المستدرک ۵۲/۱، ح ۵۴۱، ۱۰۷/۴ ح ۷۰۸۳)

۹: الذہبی، صحح له (تلخیص المستدرک ۱/۱۵۲،ح ۱۰۷/۴)
۱۰: الہیثمی ،قال في حديثه:" رواه الطبراني وإسناده حسن "(مجمع الزوائد۹/۲۹۲)
☆ یعقوب بن شیبہ، قال :ثقة (تہذیب التہذیب ۵/۲۴۱بغیر سند)
☆ ابن السکن، صحح له (التلخیص الحبیر ۱/۱۳۹ح ۱۸۴)
☆ عبدالحق الاشبیلی ، صحح له (التلخیص ۱/۱۳۹)
۱۱: حافظ ابن حجر،قال :" والحق أنه من قبيل الحسن يصلح للحجة "
اور حق یہ ہے کہ وہ حسن کی قسم (کے راویوں) میں سے ہے جو کہ حجت بنانے کے لائق ہے۔(فتح الباری ۱/۳۴۸)
اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سلمہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی ہیں،لہٰذا ان کی حدیث حسن کے درجے سے قطعاً نہیں گرتی۔ جمہور محدثین کرام کا ان کی بیان کردہ حدیث کو حسن یا صحیح قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عمرو بن مرہ کا عبداللہ بن سلمہ سے سماع ان کے اختلاط سے پہلے کا ہے،لہٰذا اس سند پر اختلاط کا الزام مردود ہے۔
سنن دارقطنی میں ہے کہ شعبہ نے عبداللہ بن سلمہ کی ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:
'' ما أحدث بحديث أحسن منه ''میں اس حدیث سے زیادہ اچھی کوئی حدیث بیان نہیں کرتا۔ (۱/۱۱۹،۱۲۰ح ۴۲۳)
معلوم ہوا کہ شعبہ کے نزدیک عمرو بن مرہ کا عبداللہ بن سلمہ سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے۔
ابن خزیمہ نے صحیح سند کے ساتھ امام شعبہ سے نقل کیا:''هذا حديث ثلث رأس مالي ''یہ حدیث میرے سرمائے کا تیسرا حصہ ہے۔(۱/۱۰۴ح ۲۰۸)
تنبیہ: سیدنا صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی روایتِ مذکورہ سنن ابی داود میں نہیں ملی۔ !!

فقه الحديث:

۱: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عام یہودی علماء کو یہ معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی اور رسول ہیں۔اس کے باوجود یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔معلوم ہوا کہ صرف دل میں کسی بات کا یقین کر لینا اس بات کی حتمی دلیل نہیں ہے کہ ایسا شخص اب مومن ہو گیا ہے، بلکہ دلی یقین کے ساتھ زبانی اقرار اور جسمانی عمل ضروری ہے۔
۲: اس حدیث میں جن نو آیتوں (اور دسویں بات) کا ذکر ہے، یہ دس احکام ہیں جو بنی اسرائیل کو دیئے گئے تھے۔
سورۂ بنی اسرائیل (۱۰۱) میں جن نو آیات (نشانیوں) کا ذکر آیا ہے وہ ان کے علاوہ نشانیاں ہیں۔
ابوالحسن علی بن احمد الواحدی (متوفی ۴۶۸ھ) فرماتے ہیں:مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ان نو نشانیوں سے مراد یہ ہے:
(۱)طوفان (۲)ٹڈی دل (۳)جوئیں (۴)مینڈک (۵)خون (۶)عصا (۷) موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ (۷) بارش نہ برسنے والے سال (۹) اور پھلوں میں کمی۔ دیکھئے الوسیط (ج ۳ص ۱۳۰)
ان نشانیوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ان میں سے کئی نشانیاں وہ عذاب ہیں جو فرعونیوں پر بھیجے گئے۔نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر (۴/۱۸۷)

۳: بہت سے لوگ حق تسلیم نہ کرنے کے لئے جعلی عذر تراشنے اور جھوٹ بولنے سے ذرا بھی نہیں شرماتے ورنہ یہودیوں کی اپنی تسلیم کردہ محرَّف تورات میں لکھا ہوا ہے کہ ''میں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا...'' (استثناء ۱۸:۱۶ا ص ۱۸۴)

لہٰذا آلِ داود والی بات نہ رہی بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسماعیل میں سے آخری نبی آچکا مگر یہودی حضرات جھوٹ بولنے اور کفر سے ذرا بھی نہیں شرماتے۔

۴: ہاتھ چومنا تو دوسری روایات سے بھی ثابت ہے۔ عاصم بن بہدلہ نے کہا کہ جب ابووائل (شقیق بن سلمہ تابعی) سفر سے آتے تو میرا ہاتھ چومتے۔ (التقبیل والمعانقۃ لابن الاعرابی بتحقیقی: ۵ وسندہ صحیح)

عبدالرحمٰن بن رزین وغیرہ تابعین نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چوما۔

(التقبیل والمعانقۃ: ۶ وسندہ حسن، طبقات ابن سعد ۳۰۶/۴، مسند احمد ۵۴/۴، ۵۵، الادب المفرد للبخاری: ۹۷۳ وقال الالبانی: حسن الاسناد)

یزید بن الاسود (تابعی) نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چوما۔ (التقبیل والمعانقۃ: ۷ وسندہ صحیح)

لیکن دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاؤں چومنا منسوخ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا۔

(دیکھئے سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۳ و مسند احمد ۳۸۱/۴ وصحیح ابن حبان، الموارد: ۱۲۹۰ وسندہ حسن)

[**۵۹**] وعن أنس ، قال: قال رسول الله ﷺ : ((ثلاث من أصل الإيمان: الكفُّ عمن قال: لا إله إلا الله ، لا تكفّره بذنب، ولا تخرجه من الإسلام بعمل ـ والجهاد ماضٍ مذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخرُ هذه الأمةِ الدّجّالَ، لا يبطله جور جائر، ولا عدل عادلٍ ـ والإيمان بالأقدار)) رواه أبو داود.

(سیدنا) انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین (چیزیں) ایمان کی اصل میں سے ہیں:

① جو شخص لا الہ الا اللہ کہے، اُس سے رُک جانا، تُو اُس کے کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کر اور نہ اسے اس کے کسی عمل کی وجہ سے اسلام سے نکال۔

② میرے نبی بنائے جانے سے لے کر اس وقت تک جہاد جاری رہے گا جب تک اس امت کا آخری حصہ دجال سے جنگ کرے گا (اور) اسے (جہاد کو) کسی ظالم کا ظلم یا عادل کا انصاف ختم نہیں کرے گا۔

③ اور تقدیر پر ایمان لانا۔ اسے ابو داود (۲۵۳۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند یزید بن ابی نشبہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۵ص ۱۰

[**٦٠**] **وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: ((إذا زنى العبدُ خرج منه الإيمان ، فكان فوق رأسِه كالظلّة، فإذا خرج من ذلك العمل رجع إليه الإيمان .)) رواه الترمذي، وأبو داود.**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے، پھر وہ ایمان اس کے سر پر چھتری کی طرح (سایہ فگن) ہو جاتا ہے۔ جب وہ یہ عمل کر لیتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔ اسے ترمذی (بعد ح: ۲۶۲۵ معلقاً بغیر سند) اور ابوداود (۴۶۹۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند صحیح ہے۔

اسے ابن مندہ (الایمان: ۵۱۹) اور حاکم (۲۲/۱ ح ۵۶) نے سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے، اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: ایمان کے مختلف درجے ہیں۔
۲: کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔
۳: یہ حدیث خوارج پر رد ہے۔



الفصل الثالث

[٦١] عن معاذ ، قال: أوصاني رسول الله ﷺ بعشر كلمات، قال: ((لا تشرك بالله شيئًا وإن قتلت وحرّقت، ولا تعقّنّ والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك ومالك، ولا تتركنّ صلاة مكتوبة متعمدًا، فإن من ترك صلاة مكتوبة متعمدًا فقد برئت منه ذمة الله ، ولا تشربن خمرًا فإنه رأس كل فاحشة، وإياك والمعصية، فإن بالمعصية حلّ سخط الله ، وإياك والفرار من الزحف وإن هلك الناس، وإذا أصاب الناس موت وأنت فيهم، فاثبت، وأنفق علىٰ عيالك من طَولك ، ولا ترفع عنهم عصاك أدبًا وأخفهم في الله .)) رواه أحمد.

(سیدنا) معاذ (بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دس باتوں (پر عمل کرنے) کی وصیت فرمائی: (۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز میں شرک نہ کرو اگرچہ تم قتل کر دیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ (۲) اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تمھیں تمھارے گھر بار اور مال سے نکل جانے کا حکم دے دیں۔ (۳) فرض نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑو کیونکہ جس نے جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ دی تو اس سے اللہ کا ذمہ اُٹھ گیا۔ (۴) اور شراب نہ پیو کیونکہ یہ ہر بے حیائی کی بنیاد ہے۔ (۵) اور نافرمانی سے بچو کیونکہ نافرمانی سے اللہ کا غضب لازم ہو جاتا ہے۔ (۶) میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو اگرچہ سارے لوگ ہلاک ہو جائیں (۷) اگر لوگوں کو مارنے والی وبا (طاعون وغیرہ) آ جائے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہو (۸) اپنے گھر والوں پر اپنے مال میں سے خرچ کرو (۹) ادب سکھانے والی لاٹھی کو اپنے گھر والوں سے نہ اُٹھاؤ۔ (۱۰) اور گھر والوں کو اللہ سے ڈراتے رہو۔
اسے احمد (۵/۲۳۸ ح ۲۲۴۲۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: ضعیف ہے۔
اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۶ ص ۱۳

[٦٢] وعن حذيفة، قال: إنما النفاق كان علىٰ عهد رسول الله ﷺ، فأما اليوم ، فإنما هو الكفر، أو الإيمان۔ رواه البخاري.

(سیدنا) حذیفہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نفاق تو نبی ﷺ کے زمانے میں تھا، آج کل تو کفر یا ایمان ہی ہے۔
اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۷۱۱۴)

فقہ الحدیث:

۱: نبی ﷺ کے زمانے میں جب اسلام کو چاروں طرف سے خطرہ تھا اس وقت منافقین کی پکڑ دھکڑ نہیں کی گئی اور نہ انھیں قتل کیا گیا تا کہ لوگ یہ نہ کہتے پھریں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں، اب یہ رخصت اور نرمی باقی نہیں رہی کیونکہ اسلام غالب ہو گیا۔ اب تو کفر یا اسلام ہی باقی رہ گیا ہے۔

۲: نفاق گناہ کبیرہ ہے۔ خلیفۃ المسلمین اگر مناسب سمجھے تو منافقین کو سزا دے سکتا ہے۔



باب الوسوسة

(دل میں پیدا ہونے والے) وسوسے کا باب

الفصل الأول

[٦٣] عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((إن اللّٰه تجاوز عن أمتي ماوسوست به صدورها مالم تعمل به أو تتكلم)) متفق عليه .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے میری اُمت کے اُن وسوسوں سے درگزر فرمایا ہے جو سینوں میں پیدا ہوتے ہیں، جب تک لوگ ان پر عمل نہ کریں یا زبانی اظہار نہ کریں۔ متفق علیہ.

تخریج: صحیح بخاری (۲۵۲۸) صحیح مسلم (۱۲۷/۳۳۱)

فقہ الحدیث:

۱: طیبی شارح مشکوٰۃ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وسوسے کی دو قسمیں ہیں:

اول: جو بغیر اختیار کے خود بخود دل میں پیدا ہو جاتا ہے، جس میں آدمی کا ذاتی ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ یہ وسوسہ تمام شریعتوں میں قابلِ معافی ہے۔

دوم: اپنے اختیار اور ذاتی ارادے کے ساتھ دل میں بُرائی کا تصور پیدا کرنا۔ یہ وسوسہ شریعتِ محمدیہ میں اس وقت تک قابلِ معافی ہے، جب تک اس وسوسے والا زبانی اظہار یا جسمانی عمل نہ کردے۔ ۲: اُمتِ محمدیہ کو سابقہ اُمتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

[٦٤] وعنه قال: جاء ناس من أصحاب رسول الله ﷺ إلى النبي ﷺ فسألوه: إنا نجدفي أنفسنا ما يتعاظم أحدنا أن يتكلم به ، قال: ((أوَقد وجدتموه؟)) قالوا: نعم، قال: ((ذاك صريح الإيمان.)) رواه مسلم.

اُنھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابہ آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ سے پوچھا: ہم اپنے دلوں میں ایسی باتیں محسوس کرتے ہیں، جنھیں ہم بیان کرنا بہت بڑا (گناہ یا غلط کام) سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے ایسا محسوس کرلیا ہے؟

انھوں نے کہا: جی ہاں!
آپ نے فرمایا: یہ صریح ایمان ہے۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۳۲/۳۴۰)

فقہ الحدیث:

۱: بُرے وسوسوں سے نفرت کرنا خالص ایمان کی نشانی ہے۔
۲: ذاتی وخفیہ مسائل کے لئے علمائے حق کی طرف رجوع کرنا تا کہ وہ کتاب وسنت کا حکم بتادیں، بالکل صحیح طریقہ ہے۔
۳: صحابہ کرام ایمان کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین
۴: بُرے وسوسوں سے بچنے کے لئے ہر وقت کتاب وسنت پر عمل اور اذکارِ صحیحہ وکلماتِ طیبہ میں مصروف رہنا چاہئے۔

[**٦٥**] وعنه قال قال رسول الله ﷺ :((يأتي الشيطان أحدكم فيقول :من خلق كذا؟ من خلق كذا؟ حتى يقول : من خلق ربّك ؟ فإذا بلغه فليستعذ بالله ولينته .)) متفق عليه.

اور اُنھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھارے پاس شیطان آتا ہے تو کہتا ہے: اسے کس نے پیدا کیا؟ اسے کس نے پیدا کیا؟ حتیٰ کہ وہ کہتا ہے: تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بات یہاں تک پہنچ جائے تو استغفار کرنا چاہئے اور رُک جانا چاہئے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (٣٢٧٦) صحیح مسلم (۱۳۴/۳۴۵)

فقہ الحدیث:

۱: دلوں میں بُرے وسوسے ڈالنے والا شیطان ہے۔
۲: بُرے خیالات سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی اعوذ باللہ پڑھے، استغفار کرے اور دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف طاری کرے۔
۳: بُرے خیالات سے بچنے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے، ورنہ عین ممکن ہے کہ یہ خیالات انسان کو کفر، شرک اور گناہ کی طرف پھیر دیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

[٦٦] وعنه قال قال رسول الله ﷺ :((لا يزال الناس يتساء لون حتٰى يقال : هٰذا خلق اللّٰه الخلق فمن خلق اللّٰه ؟ فمن وجد من ذلك شيئًا فليقل آمنت باللّٰه ورسله .)) متفق عليه.

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ ایک دوسرے سے سوال (پر سوال) کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ کہا جائے گا: اللہ نے یہ مخلوق پیدا کی ہے، پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جو شخص یہ (شیطانی وسوسہ) محسوس کرے تو کہہ دے: میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ہوں۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (؟) صحیح مسلم (۱۳۴/۳۴۳)

فقہ الحدیث:

۱: شیطانی سوالات اور غلط وسوسوں سے اپنے آپ کو ہر ممکن طریقے سے بچانا چاہئے۔

۲: ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ ۳: ایمان کی کمزوری کی بنا پر شیطانی وسوسوں کا حملہ ہوتا ہے، لہٰذا راسخ العقیدہ والا یمان مسلمان بندے کے لئے ہمہ وقت مصروفِ عمل رہنا چاہئے۔

[٦٧] وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ : ((ما منكم من أحد إلا وقد وكّل به قرينه من الجن وقرينه من الملائكة .)) قالوا: وإياك يا رسول اللّٰه !؟ قال: ((وإياي ولكن أعانني عليه فأسلم فلا يأمرني إلا بخير)) رواه مسلم.

(سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی کے ساتھ ایک قرین (ساتھی) جنوں میں سے اور ایک قرین (ساتھی) فرشتوں میں سے مقرر کیا گیا ہے۔ صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی (دونوں قرین) ہیں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! میرے ساتھ بھی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس (جن قرین) پر غلبہ دیا ہے، لہٰذا میں اُس سے سلامتی میں رہتا ہوں، وہ مجھے خیر کا ہی حکم دیتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۶۹/۲۸۱۴)

فقہ الحدیث:

۱: ہر انسان پر دو قرین مقرر و مسلط کئے گئے ہیں، ایک قرین فرشتہ ہے جو اس کے دل میں نیکی اور خیر کی باتیں ڈالتا ہے اور دوسرا

قرین جن (شیطان) ہے، جو اس کے دل میں شر اور نافرمانی کی باتیں ڈالتا ہے۔ فرشتہ نیکی کی طرف بلاتا ہے اور شیطان بُرائی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اب آدمی کو اختیار ہے کہ جس راستے پر چلنا چاہے، چلے لیکن یاد رہے کہ نیکی والے راستے پر چلنے والے کا انجام جنت اور برائی والے راستے پر چلنے والے کا انجام جہنم ہے۔

۲: نبی کریم ﷺ اپنے قرین پر غالب تھے، لہٰذا وہ آپ کو نیکی ہی کی ترغیب دیتا تھا۔ اُمتِ محمدیہ، اہلِ ایمان اللہ کے فضل و کرم سے شیطان (قرین) کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

جس کا جتنا ایمان مضبوط ہوگا وہ اتنا ہی شیطان کے شر اور وسوسوں سے محفوظ رہے گا۔

۳: اس حدیث میں ''فأسلم'' کا لفظ دو طرح پڑھا گیا ہے:

ا۔ ''فَاَسْلَمُ'' پس میں (اس سے) سلامتی میں رہتا ہوں۔

۲۔ ''فَاَسْلَمَ'' پس وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

یہ لفظ دونوں طرح صحیح ہے اور دونوں معنی صحیح ہیں۔ آپ ﷺ کا قرین مسلمان بھی ہو گیا تھا اور وہ آپ کو نیکی کی ترغیب ہی دیتا تھا۔

۴: ''مــا'' کا لفظ یہاں عموم کے معنی میں ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے عموم ہی سمجھا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس عموم کی تردید نہیں فرمائی۔

لغت میں ''مــا و مــن'' کو عموم کے لئے قرار دیا گیا ہے اور عموم سے بعض افراد کو اس وقت ہی خارج قرار دیا جا سکتا ہے جب کوئی صریح دلیل یا قرینۂ صارفہ موجود ہو۔

۵: جنات انسانوں پر، اللہ کے اِذن کے ساتھ اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

[٦٨] **وعن أنس قال قال رسول الله ﷺ : ((إن الشيطان يجري من الإنسان مجرى الدم)) متفق عليه .**

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان (کے جسم) میں شیطان اس طرح دوڑتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (؟) صحیح مسلم (۲۳/۴/۲۱۷، ترقیم دارالسلام: ۵۶۷۸)

فقہ الحدیث:

ا: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انسان کے جسم میں جن داخل ہو سکتا ہے اور اسے طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

۲: یہ روایت صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے۔ بخاری (۲۰۳۸) اور مسلم (۲۱۷۵) نے اس مفہوم کی روایت سیدہ صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا سے بیان کر رکھی ہے۔

[٦٩] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((ما من بني آدم مولود إلا يمسه الشيطان حين يولد، فيستهل صارخًا من مس الشيطان ، غير مريم وابنها)) متفق عليه.

(سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اولادِ آدم میں سے جو بھی پیدا ہوتا ہے تو اس کی پیدائش کے وقت شیطان اُسے چھوتا ہے۔ پھر وہ اس چھوئے جانے کی وجہ سے چیختا ہے، سوائے مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام) کے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۳۴۳۱) صحیح مسلم (۱۴۶/ ۲۳۶۶)

فقہ الحدیث:

۱: پیدائش کے وقت (پیدا ہونے والے پر مکلّف) شیطان اسے چھوتا ہے جس کی وجہ سے عام طور پر بچہ چیخ اٹھتا ہے۔

۲: عمران کی بیوی اور مریم کی والدہ نے دعا کی تھی: ﴿ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾

اور (اے اللہ!) میں اسے (مریم کو) اور اس کی ذریت کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ (آل عمران: ۳۶)

اس دعا کی برکت سے اللہ نے مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کو شیطان کے لمس (چھونے) سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح انبیاء اور اللہ کے برگزیدہ بندے اللہ کے فضل وکرم سے شیطان کے لمس سے محفوظ رہتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴾ سوائے ان میں سے تیرے مخلص بندے۔ (الحجر: ۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اللہ کے فضل وکرم سے شیطان کے چھونے سے محفوظ رہتے ہیں۔ والحمد للہ

[۷۰] وعنه قال قال رسول الله ﷺ: ((صياح المولود حين يقع نزعة من الشيطان)) متفق عليه.

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نومولود بچے کا (پیدائش کے وقت) چیخنا شیطان کے چھونے سے ہوتا ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (؟) صحیح مسلم (۱۴۸/ ۲۳۶۷)

فقہ الحدیث:

۱: اس روایت کی تشریح کے لئے دیکھئے حدیثِ سابق: ۶۹

۲: یہ روایت صحیح بخاری میں نہیں ملی، بلکہ ہمارے علم کے مطابق صحیحین میں سے صحیح مسلم ہی میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

[٧١] وعن جابر قال قال رسول الله ﷺ :
((إن إبليس يضع عرشه على الماء، ثم يبعث سراياه يفتنون الناس، فأدنا هم منه منزلةً أعظمهم فتنة ، يجيئ أحدهم فيقول:فعلت كذا وكذا، فيقول: ماصنعت شيئًا ـ قال:ثم يجيئ أحدهم فيقول :ما تركته حتٰى فرّقت بينه وبين امرأته قال: فيدنيه منه ويقول:نعم أنت)) رواه مسلم.

(سیدنا) جابر (بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے پھر وہ لوگوں کو فتنوں میں ڈالنے کے لئے (شیطانوں کے) چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجتا ہے۔ اس کے نزدیک قریب ترین درجے والے (شیطان) سب سے زیادہ فتنہ ڈالنے والے ہوتے ہیں۔ (پھر) اُن میں سے ایک (سردار شیطان) آ کر (ابلیس کو) بتاتا ہے کہ ''میں یہ یہ کر کے آیا ہوں۔'' ابلیس کہتا ہے: تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ایک (شیطان) آ کر کہتا ہے کہ ''میں شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال کر آیا ہوں۔'' ابلیس اسے اپنے نزدیک کرتا ہے اور سینے سے لگا کر کہتا ہے: ''جی ہاں! تو نے (بڑا) کام کیا ہے۔''
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۸۱۳/۶۷)

فقہ الحدیث:

۱: ان تمام صحیح روایات سے ابلیس، شیاطین اور جنوں کا وجود اور اُن کا انسانوں پر اثر انداز ہونا ثابت ہوتا ہے۔
۲: بڑا شیطان ابلیس جس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا، ہر جگہ نہیں ہوتا بلکہ کسی سمندر پر اپنا تخت بچھا کر بیٹھا ہوا ہے۔
۳: دو مسلمانوں کے درمیان جدائی پر شیطان بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔
۴: شیطانِ اعظم کے بہت سے ماتحت (جنوں اور انسانوں میں سے) اس زمین پر دن رات شیطانی احکامات پر عمل پیرا ہیں۔

[٧٢] وعنه قال رسول اللّٰه ﷺ :((إن الشيطان قد أيس من أن يعبده المصلون في جزيرة العرب ولكن فى التحريش بينهم.))رواه مسلم.

اور انھی (سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان (ابلیس) اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں (اہلِ ایمان) نمازی اُس کی عبادت کریں، لیکن وہ انھیں آپس میں لڑانا چاہتا ہے۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۸۱۲/۶۵)

فقه الحدیث:

۱: یہ حدیث اس سلسلے میں بہت واضح ہے کہ صحابۂ کرام شرک نہیں کریں گے اور واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ کسی صحابی سے بھی اسلام لانے کے بعد شرک ثابت نہیں ہے۔ والحمدللہ

۲: اس حدیث میں صحابۂ کرام کی باہمی لڑائیوں مثلاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی طرف اشارہ ہے۔

۳: یہ کہنا کہ بعض امتِ مسلمہ میں یا جزیرۂ عرب میں قیامت تک شرک واقع نہیں ہوگا، بے دلیل دعویٰ ہے، جس کے لئے بعض احادیث کے مفہوم میں ردوبدل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جبکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ امتِ مسلمہ کے بعض افراد میں شرک کا وقوع ہوگا، مثلاً: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تقوم الساعة حتٰی تضطرب أليات نساء دوس علٰی ذی الخلصة .))

اس وقت تک قیامت نہیں ہوگی جب تک دوس (قبیلے) کی عورتیں جسم مٹکاتے ہوئے ذوالخلصہ (قبیلہ دوس کے بت اور طاغوت) کا طواف نہیں کریں گی۔ (صحیح بخاری:۷۱۱۶ وصحیح مسلم:۲۹۰۶)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جزیرۂ عرب میں قیامت سے پہلے شرک کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((ولا تقوم الساعة حتٰی تلحق قبائل من أمتي بالمشركين وحتٰی تعبد قبائل من أمتي الأوثان))** اور اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے (کچھ) قبائل مشرکوں سے نہ مل جائیں گے اور جب تک میری امت کے (کچھ) قبائل بتوں کی عبادت نہ کریں گے۔ (سنن ابی داود:۴۲۵۲ وسندہ صحیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امتِ محمدیہ میں بعض لوگ شرک کریں گے۔

ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما أخاف عليكم أن تشركوا)) مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم شرک کرو گے۔ (صحیح بخاری:۱۳۴۴ وصحیح مسلم:۲۲۹۶)

اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

''**أي علٰی مجموعكم ، لأن ذلك قد وقع من البعض أعاذنا اللّٰه تعالٰی**'' یعنی بالاجماع تم شرک نہیں کرو گے، کیونکہ اس (شرک) کا وقوع بعض (امتیوں) سے ہوا ہے۔ اللہ ہمیں پناہ میں رکھے۔ (فتح الباری ۲۱۱/۳)

نووی نے کہا: ''**وأنها لا ترتد جملة**'' اور بے شک وہ (امت) بالاجماع مرتد نہیں ہوگی۔ (شرح صحیح مسلم للنووی، درسی نسخہ ج۲ص۲۵۰)

عینی حنفی نے کہا: ''**معناه علٰی مجموعكم لأن ذلك قد وقع من البعض والعياذ باللّٰه تعالٰی**'' اس کا معنی یہ ہے کہ تم بالاجماع شرک نہیں کرو گے، کیونکہ اس (شرک) کا وقوع بعض سے ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ (عمدۃ القاری ج۸ص۱۵۷)

کرمانی نے کہا: ''**وأنها لا ترتد جملة وقد عصمها من ذلك**'' اور وہ (امت) بالاجماع مرتد نہیں ہوگی اور یقیناً اس (اللہ) نے اسے محفوظ رکھا ہے۔ (شرح صحیح البخاری للکرمانی ۱۲۳/۷ ح۱۳۴۶/۱۲٦۷)

قسطلانی نے کہا: ''**أي ما أخاف علٰی جميعكم الإشراك بل علٰی مجموعكم لأن ذلك قد وقع من بعض**''

یعنی مجھے تم سب (امتیوں) کا بالاجماع شرک کرنے کا خوف نہیں، کیونکہ بعض لوگوں سے اس (شرک) کا وقوع ہوا ہے۔
(قسطلانی شرح صحیح البخاری ج۲ص۴۴۰)

غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں: ''یعنی آپ کو اس کا خدشہ نہیں تھا کہ پوری امت مشرک ہو جائے گی، سو بعض لوگوں کا مرتد ہو کر ہندو یا عیسائی ہو جانا اس حدیث کی پیش گوئی کے خلاف نہیں ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج۶ص۴۳۸)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ پوری امت کبھی بالاجماع شرک نہیں کرے گی۔ تاہم ایسا ہوگا کہ بعض امتی شرک کریں گے لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امتِ محمدیہ میں شرک واقع نہیں ہوگا، ان کا قول (صحیح بخاری، صحیح مسلم اور) سنن ابی داود کی صحیح حدیث اور شارحینِ حدیث کی تصریحات اور خود بریلوی تحقیقات کے بھی خلاف ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۴۹ تا ۵۶) میں شائع شدہ محترم ابوالاسجد محمد صدیق رضا حفظہ اللہ کا تحقیقی مضمون: ''اُمتِ مصطفیٰ ﷺ اور شرک'' اس مضمون کا مطالعہ بے حد مفید ہے اور اس سے دورِ جدید میں مبتدعینِ بریلویہ کے تمام شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ والحمدللہ



الفصل الثاني

[۷۳] عن ابن عباس :أن النبي ﷺ جاءه رجل فقال:إني أحدّث نفسي بالشيْ لأن أكون حُمَمَةً أحبّ إليّ من أن أتكلم به ـ قال:((الحمد للّٰه الذي ردّ أمره إلى الوسوسة)) رواه أبو داود.

(سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: میں اپنے دل میں کسی چیز کا خیال کرتا ہوں، لیکن اس کے بارے میں بتانے کے بجائے (جل کر) کوئلہ بن جانا پسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: حمد وثنا اللہ کے لئے ہے، جس نے (شیطان کی) اس بات کو وسوسے تک (محدود) رکھا ہے۔

اسے ابوداود (۵۱۱۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اسے ابوداود کے علاوہ احمد بن حنبل (۱/۲۳۵ ح ۲۰۹۷) عبد بن حمید (المنتخب :۷۰۱) نسائی (الکبریٰ ۱۰۵۰۴، عمل الیوم واللیلۃ: ۶۶۸) طحاوی (معانی الآثار ۲/۲۵۲) ابن حبان (الاحسان :۱۴۷) بیہقی (شعب الایمان: ۳۴۱، ۳۴۲) اور ابن مندہ (الایمان: ۳۴۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحیح العقیدہ اہلِ حق کے دلوں میں بھی شیطان مسلسل وسوسے ڈالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

۲: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایمان کے اعلیٰ ترین درجوں پر فائز تھے۔ وہ شیطانی وسوسوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔

۳: ''حممۃ'' جلے ہوئے کوئلے کو کہتے ہیں۔

۴: اللہ کے فضل وکرم پر الحمدللہ کہنا چاہئے۔

[۷٤] وعن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰه ﷺ: ((إن للشيطان لَمَّةً بابن آدم، وللملَك لمَّةً ، فأما لمّة الشيطان فإيعاد بالشر وتكذيب بالحق، وأما لمّة الملَك فإيعاد بالخير وتصديق بالحق، فمن

(سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک بنی آدم پر شیطان کا اثر ہوتا ہے اور فرشتے کا اثر (بھی) ہوتا ہے۔ شیطان کا اثر (بطورِ وسوسہ) یہ ہے کہ وہ اُس کے ساتھ بُرائی کے وعدے کرتا ہے اور حق

وجد ذلك فليعلم أنه من اللّٰه فليحمد اللّٰه ، ومن وجد الأخرىٰ فليتعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم)) ثم قرأ ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾
رواه الترمذي وقال: هٰذا حديث غريب .

جھٹلانے کی ترغیب دیتا ہے ۔فرشتے کا اثر یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ خیر کے وعدے کرتا ہے اور تصدیقِ حق کی ترغیب دیتا ہے ۔ جو شخص ایسی کیفیت سے دو چار ہو تو اللہ کی حمد وثنا کرے اور جو شخص دوسری (شیطانی) کیفیت محسوس کرے تو شیطانِ مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگے ۔ پھر آپ نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی : شیطان تمھیں فقر سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے ۔اسے ترمذی (۲۹۸۸) نے روایت کیا اور کہا: یہ حدیث ''غریب'' ہے ۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے ۔

اسے ترمذی کے علاوہ نسائی (الکبریٰ: ۱۱۰۵۱) اور ابن حبان (الاحسان: ۹۹۳ دوسرا نسخہ: ۹۹۷) نے بھی روایت کیا ہے ۔
اس روایت کے بنیادی راوی عطاء بن السائب آخری عمر میں حافظے کی خرابی کی وجہ سے اختلاط کا شکار ہو گئے تھے ۔ دیکھئے نہایۃ الاغتباط بمن رمی من الرواۃ بالاختلاط (۷۱) اور الکواکب النیرات (ص ۳۱۹)
ابوحاتم الرازی نے کہا: ''اختلط بأخرة'' وہ (عطاء بن السائب) آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے ۔ (علل الحدیث ۲/۲۴۲ ح ۲۲۲۰)
عطاء بن السائب کے اختلاط سے پہلے درج ذیل راویوں نے ان سے روایت سنی ہے :
(۱) شعبہ (۲) سفیان الثوری (۳) حماد بن زید (۴) حماد بن سلمہ عند الجمھور (۵) ہشام الدستوائی عند ابی داود (۶) سفیان بن عیینہ (۷) ایوب السختیانی (۸) زہیر (۹) زائدہ بن قدامہ (۱۰) اعمش ۔ دیکھئے الکواکب النیرات مع الشرح (ص ۳۱۹ تا ۳۳۵)
روایتِ مذکورہ کے راوی ابو الاحوص سلام بن سلیم کا عطاء بن السائب سے سماع قبل از اختلاط ثابت نہیں ہے ۔
تنبیہ (۱): سنن الترمذی کے قدیم قلمی نسخے میں '' هٰذا حديث حسن غريب '' لکھا ہوا ہے ۔ دیکھئے ص ۱۹۴ أ
تنبیہ (۲): یہ روایت بعض ضعیف سندوں سے موقوفاً بھی مروی ہے ۔ واللہ اعلم

[**۷۵**] وعن أبي هريرة عن رسول اللّٰه ﷺ قال: ((لا يزال الناس يتسائلون حتىٰ يقال: هٰذا خلق اللّٰهُ والخلقَ، فمن خلق اللّٰهَ ؟ فإذا قالوا ذلك فقولوا: اللّٰه أحد، اللّٰه الصمد، لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوًا أحد، ثم ليتفل عن يساره ثلاثًا وليستعذ باللّٰه

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ (ایک دوسرے سے) پوچھتے (یا اپنے دل میں تصوراتی سوالات کرتے) رہیں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا: اللہ نے یہ مخلوقات پیدا کی ہیں، پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے ؟ جب وہ ایسا کہہ دیں تو کہو : اللہ ایک ہے،

من الشيطان الرجيم))رواه أبو داود، وسنذكر حديث عمرو بن الأحوص في باب خطبة يوم النحر إن شاء الله تعالىٰ.

اللہ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اس کا کوئی شریک نہیں، پھر بائیں طرف تین دفعہ تھتکار دینا چاہئے اور اللہ سے شیطانِ مردود کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اسے ابوداود (۴۷۲۲ مختصراً) نے روایت کیا ہے اور (سیدنا) عمرو بن الاحوص (رضی اللہ عنہ) والی حدیث ہم خطبۂ یوم النحر کے باب (ح ۲۶۷۰) میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن (لذاتہ) ہے۔

اسے نسائی (الکبریٰ: ۱۰۴۹۷، عمل الیوم واللیلۃ: ۶۶۱) ابن السنی (۶۲۷ دوسرا نسخہ: ۶۲۸) ابن ابی عاصم (السنۃ: ۶۵۳ دوسرا نسخہ: ۶۶۵) اور ابن عبدالبر (التمہید ۱۴۶/۷ من حدیث ابی داود) نے ”**محمد بن إسحاق بن يسار: حدثني عتبة بن مسلم مولىٰ بني تيم عن أبي سلمة بن عبدالرحمٰن عن أبي هريرة رضي الله عنه**“ کی سند سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

محمد بن اسحاق بن یسار اگر سماع کی تصریح کریں تو صدوق حسن الحدیث ہیں، خواہ احکام ہوں یا تاریخ ومغازی۔

راقم الحروف نے ان کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ [نیز دیکھئے الحدیث حضرو: ۱۷ ص ۱۸۔۴۳]

عتبہ بن مسلم سے لے کر آخر تک سند بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: شیطانی وسوسوں پر انسان کا کنٹرول نہیں ہے، اگر ایسے وسوسے اس کے دل میں آئیں تو اسے چاہئے کہ فوراً اللہ سے دعا کرے کہ وہ اسے شیطانِ مردود کے وسوسوں سے بچائے۔ اسے بائیں طرف تھتکارنا بھی چاہئے تاکہ اس شیطانی وسوسے کا اثر زائل ہو جائے۔

۲: فضول سوالات سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

۳: سیدنا عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: تمھارا خون، تمھارے مال اور عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں، جیسے آج (حجِ اکبر) کا دن اس شہر (مکہ) میں حرام ہے۔ خبردار! جو شخص بھی ظلم کرتا ہے تو وہ صرف اپنے آپ پر ہی ظلم کرتا ہے اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے بدلے یا باپ اپنے بیٹے کے بدلے میں پکڑا نہ جائے گا۔ خبردار! شیطان مایوس ہو گیا ہے، کیونکہ اس شہر میں اس کی عبادت کبھی نہیں کی جائے گی، لیکن اس کی پیروی کرنے والے لوگ ہوں گے جو ان اعمال میں اُس کی پیروی کریں گے جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو۔ پس وہ شیطان ان حقیر اعمال (چھوٹے گناہوں) پر بھی خوش ہوگا۔

(مشکوۃ المصابیح: ۲۶۷۰، ابن ماجہ: ۳۰۵۵ والترمذی: ۲۱۵۹ وصححہ وسندہ حسن)

الفصل الثالث

[۷٦] عن أنس قال قال رسول اللّٰهﷺ : ((لن يبرح الناس يتساءلون حتى يقولوا: هٰذا اللّٰهُ خلق كلّ شيءٍ فمن خلق اللّٰهَ عزّ وجل ؟))
رواه البخاري.

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ وہ کہیں گے: یہ اللہ ہے جس نے ہر چیز پیدا کی، پس اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا ہے؟
اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ولمسلم: ((قال قال اللّٰه عزوجل: إنّ أمتك لا يزالون يقولون: ماكذا؟ ما كذا؟ حتى يقولوا: هٰذا اللّٰهُ خلق الخلق فمن خلق اللّٰهَ عزوجل؟))

مسلم (۲۱۷/۱۳٦) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: آپ کے اُمتی پوچھتے رہیں گے: یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ حتیٰ کہ وہ کہیں گے: یہ اللہ ہے جس نے مخلوق پیدا کی، پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

تخریج: صحیح بخاری (۷۲۹٦)

[۷۷] وعن عثمان بن أبي العاص قال قلت: يارسول اللّٰه! إنّ الشيطان قدحال بيني وبين صلاتي و بين قراءتي، يلبسها عليّ، فقال رسول اللّٰه ﷺ: ((ذاك شيطان يقال له خنزب فإذا أحسسته فتعوذ باللّٰهِ منه، واتفل علىٰ يسارك ثلاثًا)) ففعلت ذلك فأذهبه اللّٰهُ عني، رواه مسلم.

(سیدنا) عثمان بن ابی العاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! میرے، میری نماز اور قراءت کے درمیان شیطان حائل ہوجاتا ہے، وہ مجھے وسوسے ڈالتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان ہے، جسے خنزب کہتے ہیں۔ اگر تمھیں یہ محسوس ہو تو اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین دفعہ تھتکار دو۔ (سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے اس شیطان کو مجھ سے دُور کر دیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۲۰۳/٦۸)

فقه الحدیث:

۱۔ نمازیوں پر جو شیطان مسلط ہے اُس کا نام خنزب ہے۔ غنیۃ الطالبین کی ایک موضوع (من گھڑت) روایت میں ''حدیث'' کا لفظ آیا ہے جو کتابت کی غلطی ہے۔

۲۔ شیطانی وسوسوں سے بچنے کے جو طریقے احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہیں، اُن پر عمل کرنا چاہئے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان وسوسوں سے محفوظ کر دے۔

[**۷۸**] **وعن القاسم بن محمد: أن رجلاً سأله فقال: إني أهم في صلاتي فيكثر ذلك عليّ، فقال له: امض في صلاتك فإنه لن يذهب ذلك عنك حتى تنصرف وأنت تقول: ماأتممت صلاتي، رواه مالك.**

قاسم بن محمد (بن ابی بکر رحمہ اللہ) سے کسی آدمی نے کہا: مجھے نماز میں کثرت سے وہم ہوتا ہے۔ قاسم نے کہا: اپنی نماز جاری رکھا کرو، کیونکہ یہ اوہام اس وقت تک جاری رہیں گے، جب تک تم نماز سے یہ کہتے ہوئے واپس چلو گے کہ میری نماز پوری نہیں ہوئی۔

اسے مالک (۱۰۰/۱ ح ۲۲۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اسے امام مالک نے سند کے بغیر روایت کیا ہے۔ یہ روایت بلاغات یعنی منقطع روایتوں میں سے ہے۔



باب الإيمان بالقدر

تقدیر پر ایمان کا باب

الفصل الأول

[۷۹] وعن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :((کتب اللّٰہ مقادیر الخلائق قبل أن یخلق السمٰوات والأرض بخمسین ألف سنة)) قال: ((وکان عرشه علی الماء)) رواہ مسلم .

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے (تمام) مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا ....اوراس کا عرش پانی پر تھا۔
اسے (امام) مسلم (۲۶۵۳/۱۶ وترقیم دار السلام: ۶۷۴۸) نے روایت کیا ہے۔

تخریج الحدیث: اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ امام عبداللہ بن وہب المصری (کتاب الجامع: ۵۸۰، کتاب القدر: ۱۷) جعفر بن محمد الفریابی (کتاب القدر: ۸۴) ترمذی (السنن: ۲۱۵۶ وقال: حسن صحیح غریب) احمد (۱۶۹/۲ ح ۶۵۷۹) عبد بن حمید (المنتخب: ۳۴۳) ابن حبان (الاحسان: ۶۱۰۵، دوسرا نسخہ: ۶۱۳۸) محمد بن الحسین الآجری (الشریعۃ ص ۱۷۶ ح ۳۴۱-۳۴۳) اور بیہقی (کتاب القضاء والقدر: ۱۲۸، کتاب الاسماء والصفات ص ۳۷۴، ۳۷۵، دوسرا نسخہ ص ۴۷۷ کتاب الاعتقاد ص ۱۳۶) وغیرہم نے ابو ہانی حمید بن ہانی عن ابی عبدالرحمٰن الحبلی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔
ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید الحبلی ثقہ ہیں۔(دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۷۱۲)
حمید بن ہانی ثقہ وصدوق ہیں۔ انھیں دارقطنی (سوالات البرقانی: ۹۵) ابن حبان (الثقات ۱۴۹/۴) اور ابن شاہین (الثقات: ۲۷۵) نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام مسلم وغیرہ نے تصحیح کے ذریعے سے ان کی توثیق کی ہے، لہٰذا یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ والحمدللہ

فقہ الحدیث:

۱: مقدار کی جمع مقادیر ہے۔ مقدار کا مطلب ہے ''عدد پیائش، ناپ تول اور سائز میں مماثل شے، درجہ، حیثیت، تقدیر فیصلہ الٰہی'' دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۲۸۳)

۲: اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ تقدیر برحق ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

" ومذهب السلف قاطبة أن الأمور كلها بتقدير الله تعالیٰ"

اور تمام سلف (صالحین) کا مذہب یہی ہے کہ تمام امور اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (فتح الباری ۱۱/ ۴۷۸ تحت ح ۶۵۹۴)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقدار سے پیدا کیا ہے۔ (القمر: ۴۹)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مشرکینِ قریش نے تقدیر کے بارے میں جھگڑا کیا تو یہ (درج بالا) آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۶، دارالسلام: ۶۷۵۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور جو تم کام کرتے ہو۔ (الصّٰفّٰت: ۹۶)

اس آیت کی تشریح میں امام بخاری فرماتے ہیں: پس اللہ نے خبر دی کہ تمام اعمال اور اعمال والے مخلوق ہیں۔

(خلق افعال العباد ص ۲۵ ح ۱۱۷)

تقدیر پر دیگر آیات کے لئے دیکھئے کتاب الشریعۃ للآجری (ص ۱۵۰ تا ۱۷۲)

متواتر المعنیٰ احادیث سے عقیدۂ تقدیر ثابت ہے، جن میں سے بعض کا ذکر مشکوٰۃ المصابیح کے اس باب میں ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں: " ما أضل من كذّب بالقدر، لولم يكن عليهم فيه حجة إلا قوله تعالىٰ: ﴿ خَلَقَكُمۡ فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّ مِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ ﴾ لكفىٰ بها حجة " تقدیر کا انکار کرنے والے سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں ہے، اگر تقدیر کے بارے میں صرف یہی ارشادِ باری تعالیٰ دلیل ہوتا کہ اس نے تمھیں پیدا کیا، پس تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن ہیں۔ (التغابن: ۲) تو کافی تھا۔ (کتاب القدر للفریابی: ۲۹۰ وسندہ صحیح، الشریعۃ للآجری ص ۲۲۶، ۲۲۷ ح ۵۰۸ وسندہ صحیح)

طاؤس تابعی فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک جماعت کو پایا ہے، وہ کہتے تھے: ہر چیز تقدیر سے ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۵۵ وترقیم دارالسلام: ۶۷۵۱)

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوسہیل بن مالک سے پوچھا: تقدیر کے ان منکروں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا: میری یہ رائے ہے کہ انھیں توبہ کرائی جائے، اگر وہ توبہ کر لیں (تو ٹھیک ہے) ورنہ انھیں تہِ تیغ کر دینا چاہئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: میری (بھی) یہی رائے ہے۔ (موطأ امام مالک ۲/ ۹۰۰ ح ۱۷۳۰ وسندہ صحیح)

قدریہ (تقدیر کے منکرین) کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں، (اللہ کی) قسم، اگر وہ احد پہاڑ کے برابر (بھی) سونا خرچ کر دیں تو تقدیر پر ایمان لائے بغیر (اللہ کے ہاں) قبول نہیں ہوتا۔

(صحیح مسلم: ۸، دارالسلام: ۹۳)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک بدعتی نے سلام بھیجا تو انھوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(دیکھئے سنن الترمذی: ۲۱۵۲ وسندہ حسن وقال الترمذی: "ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب")

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " العجز والكيس من القدر " کمزوری اور ذہانت تقدیر سے ہے۔

(الشریعۃ للآجری ص ۲۱۳ ح ۴۴۸ وسندہ صحیح)

اس طرح کے اور بھی بہت سے آثار ہیں جن سے تقدیر کا عقیدہ صاف ثابت ہوتا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: "من كفر بالقدر فقد كفر بالإسلام"

جس نے تقدیر کا انکار کیا تو اس نے اسلام کا انکار کیا۔ (الشریعہ ص ۲۱۷ ح ۴۶۲ وسندہ صحیح)

قاسم بن محمد بن ابی بکر اور سالم بن عبداللہ بن عمر دونوں قدریہ فرقے والوں پر لعنت بھیجتے تھے۔ (الشریعۃ ص ۲۲۳ ح ۴۹۲ وسندہ حسن)

امام لیث بن سعد المصری نے تقدیر کے منکر کے بارے میں فرمایا کہ نہ اس کی بیمار پرسی کی جائے اور نہ اس کے جنازے میں شامل ہوں۔ (الشریعۃ للآجری ص ۲۲۷ ح ۵۰۹ وسندہ صحیح)

۳: امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہما اللہ نے فرمایا: "كل شيء بقدر" میں بقدر کا معنی "كتب و علم" ہے یعنی لکھا اور اسے علم ہے۔ (کتاب القدر للفریابی: ۴۱۱ وسندہ صحیح)

۴: امام اہلِ سنت ابو عبداللہ احمد بن حنبل نے فرمایا: "لا يصلى خلف القدرية والمعتزلة والجهمية"

قدریہ، معتزلہ اور جہمیہ (گمراہ فرقے والوں) کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۸۳۳ وسندہ صحیح)

۵: فضل بن عیسیٰ الرقاشی نامی ایک قدری بدعتی شخص تھا، جس کے بارے میں امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ نے فرمایا: "لو ولد أخرس كان خيرًا له" اگر وہ گونگا پیدا ہوتا تو اس کے لئے بہتر تھا۔

(کتاب الضعفاء للبخاری: ۳۰۶ وسندہ صحیح، الجرح والتعدیل ۶۴/۷ وسندہ صحیح)

یہ رقاشی ایک دن محمد بن کعب القرظی (تابعی) کے پاس آکر تقدیر کے بارے میں کلام کرنے لگا تو امام قرظی نے اس سے کہا: (خطبے والا) تشہد پڑھ، جب وہ "من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له" تک پہنچا تو انھوں نے اپنی لاٹھی اٹھا کر رقاشی کے سر پر ماری اور فرمایا: اٹھ جا (دفع ہو جا) پھر جب وہ چلا گیا تو آپ نے (اپنی بصیرت اور تجربے سے) فرمایا: یہ آدمی اپنی رائے سے کبھی رجوع نہیں کرے گا۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۹۶۲ وسندہ صحیح)

۶: تقدیر کے بارے میں شیخ عبدالمحسن العباد المدنی نے بہترین بحث کی ہے، جس کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے اور وہ "شرح حدیثِ جبریل" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس کتاب سے ماخوذ تقدیر کی بحث پیشِ خدمت ہے:

تقدیر پر ایمان

اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان کے بارے میں قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسئلۂ تقدیر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر و مقدار) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ [القمر: ۴۹]

اور فرمایا: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ کہہ دو ہمیں تو وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔

[التوبۃ: ۵۱]

اورفرمایا﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ﴾ زمین میں اور تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے پہلے ہماری کتاب میں درج ہے، اللہ کے لئے یہ (بہت) آسان ہے۔ [الحدید:۲۲]

رہی سنت (یعنی حدیث) تو امام بخاری وامام مسلم نے صحیحین میں تقدیر کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جن میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے تقدیر ثابت ہوتی ہے۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے قوی مومن بہتر اور پسندیدہ ہے اور (ان) سب میں خیر ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اُس کی حرص کر، اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ بن۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہنا کہ اگر میں ایسے ایسے کرتا تو ایسا ہوتا۔ بلکہ یہ کہہ: اللہ کی یہی تقدیر ہے، اُس نے جو چاہا ہُوا۔ کیونکہ لَوْ (اگر مگر) شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ [صحیح مسلم:۲۶۶۴]

طاوس (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کو یہ فرماتے ہوئے پایا ہے کہ ہر چیز تقدیر سے ہے اور میں نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ (دماغی) عاجزی اور ذہانت بھی تقدیر سے ہے۔ [صحیح مسلم:۲۶۵۵]

عاجزی اور ذہانت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تروتازہ کی تروتازگی، سُست کی سُستی اور عاجزی سب تقدیر سے ہے۔ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ''اس کا معنی یہ ہے کہ عاجز کی عاجزی اور ذہین کی ذہانت تقدیر میں لکھی ہوئی ہے''

[شرح صحیح مسلم ۲۰۵/۱۶]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی کا جنت ودوزخ میں ٹھکانا لکھا ہوا ہے (جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائے گا) تو لوگوں نے کہا! یا رسول اللہ! ہم اسی پر توکل کر کے بیٹھ نہ جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: اعمال کرو، جو میسر ہیں (جنتی کے لئے جنت کے اعمال میسر کئے گئے ہیں لہٰذا اُسے چاہئے کہ وہ جنتیوں کے اعمال کرے) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰىۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰىۙ﴾ سے لے کر ﴿لِلْعُسْرٰى﴾ [سورۃ الّیل:۵،۱۰] تک۔

[صحیح بخاری:۴۹۴۵ وصحیح مسلم:۲۶۴۷ عن علی رضی اللہ عنہ]

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ بندوں کے نیک اعمال تقدیر میں ہیں اور انھی سے خوش قسمتی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے اور بندوں کے بُرے اعمال تقدیر میں ہیں اور ان سے بدبختی حاصل ہوگی اور یہ بھی تقدیر میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی نے اسباب بنائے (اور) کوئی چیز بھی اللہ کی تقدیر، فیصلے، تخلیق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔

(سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں، اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب (مافوق الاسباب) سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تجھے فائدہ پہنچانا

چاہیں تو تجھے صرف وہی فائدہ پہنچے گا جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے اور اگر سارے لوگ تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف وہی نقصان پہنچ سکتا ہے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے۔ قلم اُٹھا لئے گئے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔

[سنن الترمذی: ۲۵۱۶ وقال: ''ھٰذا حدیث حسن صحیح'']

تقدیر پر ایمان کے چار درجے ہیں، جن پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے:

پہلا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کے بارے میں اللہ کا علم ازلی و ابدی ہے۔ ہر چیز جو ہونے والی ہے، ازل سے اللہ کے علم میں ہے، اللہ کو کسی چیز کے بارے میں قطعاً جدید علم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پہلے سے ہی اُسے ہر چیز کا پُورا علم ہے۔

دوسرا درجہ: ہر چیز جو واقع ہونے والی ہے اس کے بارے میں زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے، سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں، زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی ہیں۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ [صحیح مسلم: ۲۶۵۳ من حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ]

تیسرا درجہ: اللہ کی مشیئت اور اس کا ارادہ، جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مشیئت سے ہو رہا ہے۔ اللہ کے ملک میں صرف وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ جو اللہ نے چاہا تو ہوا اور جو نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اللہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا حکم صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ فرماتا ہے: کُنْ (ہو جا) تو ہو جاتا ہے [یٰسٓ: ۸۲] اور فرمایا ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تم جو چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا الا یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ [التکویر: ۲۹]

چوتھا درجہ: جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا وجود اور تخلیق اللہ کی مشیئت پر ہے، اس کے ازلی علم کے مطابق اور جو اُس نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے کیونکہ جو کچھ ہونے والا ہے، وہ اشیاء اور ان کے افعال اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے [الزمر: ۶۲] اور فرمایا ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ [الصّٰفّٰت: ۹۶]]

تقدیر پر ایمان، اُس غیب پر ایمان ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تقدیر میں جو کچھ ہے اس کا واقع ہونا لوگوں کو دو طرح سے معلوم ہو سکتا ہے:

1- کسی چیز کا واقع ہو جانا، جب کوئی چیز واقع ہو جاتی ہے تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تقدیر میں یہی تھا، اگر یہ تقدیر میں نہ ہوتا تو واقع ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا تو نہیں ہوتا۔

2- مستقبل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں مثلاً دجال، یاجوج و ماجوج اور نزولِ عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) وغیرہ اُمور کے بارے میں آپ کی پیش گوئیاں، جو کہ آخری زمانے میں وقوع پذیر ہوں گی۔

[دجال ایک کانے شخص کا لقب ہے جس کا ظہور قیامت سے پہلے ہوگا اور سیدنا عیسیٰ بن مریم الناصری علیہما السلام اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ دیکھئے صحیح مسلم (ح ۲۸۹۷ و ترقیم دارالسلام: ۷۲۷۸)]

[تنبیہ: سیدنا حسن بصری (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قبل موت عیسٰی ، واللّٰہ إنہ الآن لحيّ عنداللّٰہ ولکن إذا نزل آمنوا بہ أجمعون" عیسٰی (علیہ السلام) کی موت سے پہلے (سب اہلِ کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے) اللہ کی قسم اب آپ (عیسٰی علیہ السلام) اللہ کے پاس زندہ ہیں جب وہ نازل ہوں گے تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے (تفسیر طبری ۱۴/۶ وسندہ صحیح) اسی پر خیر القرون کا اجماع ہے۔ یاد رہے کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے کشف الاستار عن زوائد البزار (۱۴۲/۴ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح)]

یہ پیش گوئیاں اس کی دلیل ہیں کہ ان اُمور کا واقع ہونا ضروری ہے۔ یہی اللہ کی تقدیر اور فیصلے میں لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وہ پیش گوئیاں جو آپ نے اپنے زمانے کے قریب واقع ہونے والے اُمور کے بارے میں فرمائی ہیں۔ انھی میں سے وہ حدیث ہے جسے (سیدنا) ابوبکرہ (نفیع بن الحارث) رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سُنا، حسن (بن علی رضی اللہ عنہما) آپ کے پاس تھے۔ آپ ایک دفعہ ان کی طرف اور ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے "میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور ہوسکتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا"

[صحیح بخاری: ۳۷۴۶]

رسول ﷺ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ (آپ کی وفات کے بہت بعد) اکتالیس ہجری (۴۱ھ) میں واقع ہوئی جب مسلمانوں میں اتفاق ہوگیا۔ اسے "عام الجماعۃ" (اتفاق کا سال) بھی کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ (سیدنا ومحبوبنا) حسن (بن علی) رضی اللہ عنہ بچپن میں نہیں مریں گے اور وہ اُس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک صلح کے بارے میں رسول ﷺ کی بیان کردہ پیش گوئی واقع نہ ہوجائے۔ یہ چیز تقدیر میں تھی جس کے وقوع سے پہلے صحابۂ کرام کو اس کا علم تھا۔

ہر چیز کا خالق اور اس کی تقدیر بنانے والا اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ [الزمر: ۶۲]

اور فرمایا: ﴿وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا﴾ اور اس اللہ نے ہر چیز پیدا کی، پس اس نے ہر چیز کی تقدیر مقرر کی یعنی مقداریں بنائیں۔ [الفرقان: ۲]

پس خیر وشر کی ہر چیز جو ہونے والی ہے اللہ کے فیصلے، تقدیر، مشیت اور ارادے سے ہوتی ہے۔ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے لمبی دعا میں یہ الفاظ بھی فرمائے: ((والخیر کلہ في یدیك والشر لیس إلیك)) ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف (لے جانے والا) نہیں ہے (صحیح مسلم: ۷۷۱) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلے اور تخلیق کے مطابق شر واقع نہیں ہوتا۔ اس کا معنی صرف یہ ہے کہ اللہ نے بغیر کسی حکمت اور فائدے کے محض شر پیدا نہیں کیا اور دوسرے یہ کہ مطلق شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ (دلائل عامہ کے تحت) عموم میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ [الزمر: ۶۲]

اور فرمایا ﴿اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو قدر (تقدیر واندازے) سے پیدا کیا۔ [القمر: ۴۹]

صرف اکیلے شر کے ساتھ اللہ کی طرف نسبت سے ادب سیکھنا چاہئے۔ اسی لئے جنوں نے اللہ کی طرف خیر کی نسبت کر کے ادب کا اظہار کیا تھا۔ انھوں نے شر کو مجہول کے صیغے سے بیان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے (جنوں کا قول نقل) فرمایا ﴿وَاَنَّا لَا نَدْرِيْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾
اور ہمیں پتا نہیں کہ کیا زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب اُن کی ہدایت چاہتا ہے۔ [الجن:١٠]

تقدیر کے سابقہ چاروں درجوں میں اللہ کی مشیت اور ارادہ بھی ہے۔ مشیت اور ارادے میں فرق یہ ہے کہ کتاب وسنت میں مشیت کا ذکر تکوینی وتقدیری طور پر ہی آیا ہے۔ اور ارادے کا معنی کبھی تکوینی معنی اور کبھی شرعی معنی پر آتا ہے۔ تکوینی وتقدیری معنی کے لئے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ﴾
اور تمھیں میری نصیحت فائدہ نہیں دے سکتی اگر چہ میں تمھیں نصیحت کرنا چاہوں اگر تمھیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ [ھود:٣٤]

اور فرمایا ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾
پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے دل کو تنگ (حق کو نہ ماننے والا) کر دیتا ہے۔ [الانعام:١٢٥]

شرعی ارادے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔ [البقرۃ:١٨٥]

اور فرمایا ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾
اللہ اس کا ارادہ نہیں کرتا کہ تمھیں حرج میں ڈال دے لیکن وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر پُوری کر دے تاکہ تم شکر کرو۔ [المآئدۃ:٦]

ان دونوں ارادوں میں یہ فرق ہے کہ تکوینی ارادہ عام ہے چاہے اللہ تعالیٰ خوش ہو یا ناراض ہو۔ شرعی ارادہ صرف اسی کے بارے میں ہوتا ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے۔

تکوینی ارادہ واقع ہو کر ہی رہتا ہے اور دینی ارادہ اس آدمی کے حق میں واقع ہوتا ہے جسے اللہ توفیق دے۔ اور جسے وہ توفیق نہ دے تو وہ شخص اس سے محروم رہتا ہے۔ کچھ اور بھی کلمات ہیں جو تکوینی وشرعی معنوں میں آتے ہیں، انھی میں سے فیصلہ، تحریم، اذن، کلمات اور امر وغیرہ ہے۔

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' کے انتیسویں (٢٩) باب میں ان کو ذکر کیا ہے اور قرآن وسنت سے ان کے دلائل لکھے ہیں۔

ہر چیز جسے اللہ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے، اس کی تقدیر مقرر کی ہے اور اس کے وقوع کا فیصلہ کیا ہے تو اُس چیز نے ضرور بالضرور ہو کر رہنا ہے۔ نہ اس میں تغیر ہوتا ہے اور نہ تبدیلی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ﴾ زمین اور تمھاری جانوں میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ واقع ہونے سے

پہلے ہم نے کتاب میں درج کر دی ہے۔[الحدید:۲۲]

اوراس میں سے حدیث ہے''قلم اُٹھالئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔'' [دیکھئے ص۱۶۱/الاصل]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾

اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اُسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔[الرعد:۳۹]

اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت کریمہ شریعتوں سے متعلق ہے۔ اللہ شریعتوں میں سے جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے حتیٰ کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا، آپ کی شریعت نے سابقہ ساری شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اس کی دلیل اس آیت میں ہے جو اس سے پہلے ہے ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی رسول بھی کوئی نشانی نہیں لاسکتا، ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے یعنی ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔[الرعد:۳۸]

اوراس کی یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہ مقداریں مراد ہیں جو لوح محفوظ میں نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض کام فرشتوں کے ذریعے سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ابن القیم کی کتاب شفاء العلیل کے ابواب (۲، ۴، ۵، ۶) دیکھیں۔ ہر باب کے تحت انھوں نے لوح محفوظ کے علاوہ ایک ایک خاص تقدیر بیان کی ہے۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ''قضاء (تقدیر) کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی کے ذریعے سے اضافہ ہوتا ہے''

[سنن الترمذی:۲۱۳۹، اسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی:۱۵۴]

یہ حدیث لوح محفوظ میں تغیر (وتبدیلی) کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو صرف اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے شر سے سلامتی مقدر میں رکھی ہے اور اس سلامتی کے لئے اسباب مقرر کئے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ اللہ نے بندے سے شر دور کر دیا۔ یہ دُوری اس فعل یعنی دعا کے سبب اس کے مقدر میں لکھی گئی تھی اور یہی مقدر تھا۔ اور اسی طرح یہ مقدر میں لکھا گیا کہ انسان کی عمر لمبی ہے اور یہ بھی مقدر کر دیا گیا کہ درازئ عمر (فلاں) سبب سے ہوگی اور یہ نیکی وصلہ رحمی ہے۔ پس اسباب اور وجۂ اسباب سب اللہ کی قضا وقدر سے ہیں۔

آپ ﷺ کی حدیث''اللہ جسے پسند کرتا ہے تو اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ یا اس کی عمر دراز کر دیتا ہے، پس صلہ رحمی کرو''(صحیح البخاری:۲۰۶۷ وصحیح مسلم:۲۵۵۷) کا بھی یہی مطلب ہے۔ ہر انسان کا وقت لوح محفوظ میں مقرر ہے۔ نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ﴾ اور جب کسی نفس کا وقت آجائے تو اللہ اسے مؤخر نہیں کرتا۔ [المنٰفقون:۱۱]

اور فرمایا ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ہر اُمت کے لئے ایک وقت ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتا ہے اور نہ آگے ہوتا ہے۔ [یونس:۴۹]

اور جو آدمی مرتا یا قتل ہوتا ہے تو وہ اپنی اَجل کی وجہ سے مرتا یا قتل ہوتا ہے۔ معتزلہ کی طرح یہ نہیں کہنا چاہئے کہ مقتول کی اجل کاٹ دی گئی اور اگر وہ قتل نہ ہوتا تو دوسری اجل تک زندہ رہتا۔ کیونکہ ہر انسان (کے مرنے) کا ایک ہی وقت مقرر ہے۔ اس وقت

کے لئے اسباب مقرر ہیں، یہ بیماری سے مرے گا اور یہ ڈوبنے سے مرے گا اور یہ قتل ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

تقدیر کے بہانے نیکی کے نہ کرنے اور گناہوں کے کرنے پر استدلال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جس نے گناہ کیا تو شریعت میں اس کی ایک مقرر سزا ہے۔ اگر اس نے اپنے گناہ کا یہ عذر پیش کیا کہ یہ اس کی قسمت میں تھا تو اسے شرعی سزا دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس گناہ کی یہ سزا تیری قسمت میں تھی۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ آدم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تقدیر پر بحث ومباحثہ ہوا تھا۔ یہ گناہ کرنے پر تقدیر سے استدلال والا معاملہ نہیں ہے۔ یہ تو اس مصیبت کا ذکر ہے جو معصیت کے سبب واقع ہوئی۔

(سیدنا) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدم اور موسیٰ نے بحث ومباحثہ کیا تو موسیٰ نے آدم سے کہا: تُو وہ آدم ہے جسے اس کی خطا (لغزش) نے جنت سے نکال دیا تھا۔ تو آدم نے جواب دیا: تُو وہ موسیٰ ہے جسے اللہ نے رسالت اور کلام کرنے سے نوازا۔ پھر تو مجھے اس چیز پر ملامت کرتا ہے جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا: پس آدم موسیٰ (علیہما السلام) پر غالب آ گئے۔ [صحیح بخاری:۳۴۰۹ وصحیح مسلم:۲۶۵۲]

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' میں اس حدیث پر بحث کے لئے تیسرا باب قائم کیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کی تشریح میں باطل اقوال کا (بطورِ رد) ذکر کیا اور وہ آیات ذکر کیں جن میں آیا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر تقدیر سے استدلال کرتے تھے۔ اللہ نے ان مشرکین کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ وہ اپنے شرک وکفر پر قائم (اور ڈٹے ہوئے) تھے۔ انھوں نے جو بات کہی وہ حق ہے لیکن اس کے ساتھ باطل پر استدلال کیا گیا ہے۔ پھر انھوں نے اس حدیث کے معنی پر دو توجیہات ذکر کیں، پہلی توجیہ اُن کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہے اور دوسری اُن کے اپنے فہم واستنباط سے ہے۔

ابن القیم فرماتے ہیں کہ ''جب آپ نے اسے پہچان لیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اللہ اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر تھے، لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اُس خطا پر ملامت کریں جس سے خطا کرنے والے نے توبہ کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اسے (اپنے لئے) چُن لیا، راہنمائی کی اور خاص منتخب کرلیا۔ آدم (علیہ السلام) اپنے رب کے بارے میں سب سے زیادہ پہچان رکھتے تھے کہ وہ معصیت پر قضا وقدر سے استدلال کریں۔ بات یہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے آدم (علیہ السلام) کو اُس مصیبت پر ملامت کی تھی جس کے سبب سے اولادِ آدم کا جنت سے خروج اور دنیا میں نزول ہوا، جو آزمائش اور امتحان کا گھر ہے۔ اس کی وجہ اولادِ آدم کے باپ (سیدنا آدم علیہ السلام) کی لغزش ہے۔ پس انھوں نے لغزش کا ذکر بطورِ تنبیہ کیا، اس مصیبت اور آزمائش پر جو آدم علیہ السلام کی ذریت واولاد کو حاصل ہوئی۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: ''آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکال دیا'' بعض روایات میں ''خَيَّبْتَنَا'' (آپ نے ہمیں محروم کردیا) کا لفظ آیا ہے۔ پس آدم (علیہ السلام) نے مصیبت پر تقدیر سے استدلال کیا اور فرمایا: بے شک یہ مصیبت جو میری لغزش کی وجہ سے میری اولاد کو پہنچی میری تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ تقدیر سے مصیبتوں میں استدلال کیا جاسکتا ہے لیکن عیوب (اور گناہوں کے جواز) میں اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی آپ مجھے اس مصیبت پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے اتنے سال پہلے، میرے اور آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی، یہ جواب ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) رحمہ اللہ کا ہے اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ پر تقدیر سے استدلال بعض جگہ فائدہ دے سکتا ہے اور بعض جگہ

نقصان دہ ہے۔اگر گناہ کے واقع ہونے کے بعد آدمی توبہ کرے اور دوبارہ یہ گناہ نہ کرے تو تقدیر سے استدلال کرسکتا ہے۔جیسا کہ آدم (علیہ السلام) نے (اپنی لغزش کے بعد) کیا۔اس طریقے سے تقدیر کے ذکر میں توحید اور رب تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت ہے۔اس کے ذکر سے بیان کرنے والے اور سننے والے کو نفع ہوتا ہے کیونکہ تقدیر (کے ذکر) سے کسی امرونہی کی مخالفت نہیں ہوتی اور نہ شریعت کا ابطال ہوتا ہے۔بلکہ محض حق کو توحید اور تبدیلی وقوت سے براءت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔اس کی توضیح اس سے (بھی) ہوتی ہے کہ آدم (علیہ السلام) نے موسیٰ (علیہ السلام) سے فرمایا:

''کیا آپ میرے اس عمل پر ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں لکھا ہوا تھا؟'' جب آدمی گناہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو وہ معاملہ اس طرح زائل اور ختم ہو جاتا ہے گویا یہ کام ہوا ہی نہیں تھا۔پس اب اگر کسی ملامت کرنے والے نے اسے اس گناہ پر ملامت کیا تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقدیر سے استدلال کرے۔اور کہے: ''یہ کام میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں تھا'' اس آدمی نے تقدیر کے ذریعے سے حق کا انکار نہیں کیا اور نہ باطل پر دلیل قائم کی ہے اور نہ ممنوع بات کے جواز پر حجت بازی کی ہے۔

رہا وہ مقام جس پر تقدیر سے استدلال نقصان دہ ہے وہ حال اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے۔یعنی کوئی آدمی فعلِ حرام کا ارتکاب کرے یا کسی واجب (فرض) کو ترک کردے، پھر کوئی آدمی اسے اس پر ملامت کرے تو پھر وہ گناہ پر قائم رہنے اور اصرار کرنے میں تقدیر سے استدلال کرے۔یہ شخص اپنے استدلال سے حق کو باطل کرنا اور باطل کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے جیسا کہ شرک اور غیراللہ کی عبادت پر اصرار کرنے والے کہتے تھے ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے [الانعام:۱۴۸] ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (معبودانِ باطلہ) کی عبادت نہ کرتے۔[الزخرف:۲۰]

انھوں نے اپنے باطل عقائد کو صحیح سمجھتے ہوئے تقدیر سے استدلال کیا۔انھوں نے اپنے (شرکیہ وکفریہ) فعل پر کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا نہ اس کے ترک کا ارادہ کیا اور نہ اس کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔

یہ اس آدمی کے استدلال کے سراسر مخالف ہے جس پر اُس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، وہ نادم (پشیمان) ہو جاتا ہے اور پکا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔پھر اس (توبہ) کے بعد اگر کوئی اسے ملامت کرے تو کہتا ہے: ''جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی تقدیر کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس مسئلے کا (بنیادی) نکتہ یہ ہے کہ اگر وجۂ ملامت دُور ہو جائے تو تقدیر سے استدلال صحیح ہے اور اگر وجۂ ملامت باقی رہے تو تقدیر سے استدلال باطل ہے...'' [شفاء العلیل ص ۳۵، ۳۶]

تقدیر کے بارے میں قدریہ اور جبریہ دونوں فرقے گمراہ ہوئے ہیں۔قدریہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، اللہ نے یہ افعال ان کی تقدیر میں نہیں لکھے ہیں۔ان کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی حکومت میں بندوں کے جو افعال واقع ہوتے ہیں وہ اس کا مقدر (مقرر شدہ) نہیں ہیں۔یہ بندے اپنے افعال پیدا کرنے میں اللہ سے بے نیاز ہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا خالق نہیں ہے بلکہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں۔یہ عقیدہ بہت ہی باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کا خالق ہے اور

بندوں کے افعال کا (بھی) خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتوں اور صفتوں سب کا خالق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ کہہ دو کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا قہار (سب پر غالب) ہے۔ [الرعد:١٦]

اور فرمایا ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر وکیل (محافظ ونگران) ہے۔ [الزمر:٦٢]

اور فرمایا ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ [الصّٰفّٰت:٩٦]

جبریہ (فرقے) نے بندوں سے اختیار چھین لیا ہے، وہ اس کے لئے کسی مشیئت اور ارادے کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے اختیاری حرکات اور اضطراری حرکات کو برابر کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی ساری حرکات اس طرح ہیں جس طرح کہ درختوں کی حرکات ہیں۔ کھانے والے، پینے والے، نمازی اور روزہ دار کی حرکات اس طرح ہیں جیسے رعشہ والے کی حرکات ہوتی ہیں، ان میں انسان کے کسب اور ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اس طرح تو پھر رسولوں کے بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کے پاس مشیئت اور ارادے کی طاقت ہے۔ اچھے اعمال پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور بُرے اعمال پر اس کی مذمت کی جاتی ہے اور اُسے سزا ملتی ہے۔ بندے کے اختیاری افعال اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں (نیکی و بدی کا مرتکب وہی ہوتا ہے) رہی اضطراری حرکات جیسے رعشہ والے کی حرکت تو یہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ اس کا فعل ہے۔ یہ تو اس کی ایک صفت ہوتی ہے۔

اسی لئے تو فاعل کی تعریف میں نحوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ اسم مرفوع ہے جو اُس پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی حَـدَث (فعل) صادر ہوتا ہے یا جس کا وہ قام بـــہ ہوتا ہے یعنی اس کا صدور اس سے ہوتا ہے۔ حَدَث سے اُن کی مراد وہ اختیاری افعال ہیں جو بندے کی مشیئت اور ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ قیامِ حدث سے ان کی مراد وہ اُمور ہیں جو مشیئت کے تحت نہیں آتے جیسے موت، مرض اور ارتعاش (رعشہ) وغیرہ۔ پس اگر کہا جائے کہ زید نے کھایا، پیا، نماز پڑھی اور روزہ رکھا تو اس میں زید فاعل ہے جس سے حَدَث (فعل) حاصل ہوا ہے۔ یہ حَدَث کھانا، پینا، نماز اور روزے ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ زید بیمار ہوا، زید مر گیا یا اس کے ہاتھوں میں رعشہ ہوا تو یہ حَدَث زید کے (ارادی) فعل سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی صفت ہے جس کا صدور اُس سے ہوا ہے۔

اہل السنّت والجماعت اثبات تقدیر میں غالی جبریوں اور انکار کرنے والے قدریوں کے درمیان ہیں۔ انھوں نے بندے کیلئے مشیئت کا اثبات کیا ہے اور رب کے لئے مشیئت عام کا اثبات کرتے ہیں۔ انھوں نے بندے کی مشیئت کو اللہ کی مشیئت کے تابع قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ٥ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس کے لئے جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ [التکویر:٢٨، ٢٩]

اللہ کی حکومت میں جو وہ نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے برخلاف قدریہ کہتے ہیں کہ ''بندے اپنے افعال پیدا کرتے ہیں'' بندوں کو ان چیزوں پر عذاب نہیں ہوسکتا جن میں اُن کا کوئی ارادہ ہے اور نہ مشیئت جیسا کہ جبریہ کا قول ہے۔ اسی میں اُس سوال کا جواب ہے جو کہ بار بار کیا جاتا ہے کہ کیا بندہ مجبور محض ہے یا وہ (کُلی) بااختیار ہے؟ تو (عرض ہے کہ) نہ وہ مطلقاً مجبور محض ہے اور نہ مطلقاً بااختیار ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اعتبار سے بااختیار ہے کہ اسے مشیئت اور ارادہ حاصل ہے۔ اور اس کے اعمال اُسی کا کسب (کمائی) ہیں۔ نیک اعمال پر اسے ثواب ملے گا اور بُرے اعمال پر اسے سزا ملے گی۔ وہ ایک اعتبار سے مُسَیَّر (مجبور) ہے۔ اس سے ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہوتی جو اللہ کی مشیئت، ارادے، تخلیق اور ایجاد سے خارج ہو۔

جو بھی ہدایت اور گمراہی (بندے کو) حاصل ہوتی ہے تو وہ اللہ کی مشیئت اور ارادے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے بندوں کے لئے خوش بختی کا راستہ اور گمراہی کا راستہ، دونوں واضح کر دیئے ہیں۔ اللہ نے بندوں کو عقل دی ہے جس سے وہ نفع اور نقصان کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ جو شخص خوش بختی کا راستہ اختیار کر کے اس پر چلا تو اسے یہ خوش بختی (جنت) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیئت اور ارادے سے واقع ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیئت اور ارادے کے تابع ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ جس شخص نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور اس پر چلا تو یہ اسے بدبختی (جہنم) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیئت اور ارادے سے ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیئت اور ارادے کے تابع ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عدل وانصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور اس کی دو راستوں (شر اور خیر) کی طرف راہنمائی نہیں کی؟ [البلد: ۸-۱۰]

اور فرمایا ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ہم نے اسے راستہ دکھایا تاکہ وہ شکر کرنے والا بنے یا ناشکرا بنے۔

[الدّھر: ۳]

اور فرمایا ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ اس (شخص) کا ولی (مددگار) مرشد و ہدایت دینے والا نہیں پائیں گے۔ [الکھف: ۱۷]

ہدایتیں دو طرح کی ہیں: (۱) ہدایتِ دلالت وارشاد، یہ ہر انسان کو حاصل ہے یعنی ہر انسان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ ہدایت اسلام پر چلے (۲) ہدایتِ توفیق، یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے۔

پہلی ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں [الشوریٰ: ۵۲] یعنی آپ ہر ایک کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دوسری ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ آپ جسے (ہدایت دینا) چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔ [القصص: ۵۶]

اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں ہدایتیں اس ارشاد میں اکٹھی کر دی ہیں:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اوراللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بُلا تا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔[یونس:۲۵]

''اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے'' یعنی ہر ایک کو (بلاتا ہے)۔مفعول کو عموم کے لئے حذف کیا گیا ہے اور یہ ہدایت دلالت وارشاد ہے۔''اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے'' اس میں خصوصیت قائم کرنے کے لئے مفعول کو ظاہر کر دیا گیا ہے اور یہ ہدایت توفیق ہے۔

[**۸۰**] **وعن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ : ((كل شيء بقدرٍ حتى العجز والكيس .)) رواه مسلم.**

(سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ عاجزی اور دانائی بھی تقدیر سے ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۸/ ۲۶۵۵ وترقیم دارالسلام: ۶۷۵۱)

فقہ الحدیث:

۱: عقیدۂ تقدیر برحق ہے۔

۲: ہر چیز اپنے وجود سے پہلے اپنے خالق اللہ تعالیٰ کے علم ومشیت میں ہے۔

۳: ہر مخلوق کو وہی چیز حاصل ہوتی ہے جو اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے۔

۴: یہ صحیح حدیث موطأ الامام مالک (روایۃ یحییٰ ۲/۸۹۹ ح ۱۷۲۸، روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم بتحقیقی: ۱۸۷) میں بھی موجود ہے اور امام مالک کی سند سے امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں روایت کی ہے۔

۵: موطأ امام مالک اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ طاوس الیمانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر چیز تقدیر سے ہے۔''

۶: عاجزی سے مراد دنیاوی عاجزی یا بقولِ بعض: نافرمانی ہے اور دانائی سے مراد دنیاوی دانائی یا اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ واللہ اعلم

۷: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**العجز والكيس بقدر**''

عاجزی اور دانائی تقدیر سے ہے۔ (کتاب القدر للامام جعفر بن محمد الفریابی: ۳۰۴ وسندہ صحیح)

۸: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تقدیر کے منکر کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے۔ (دیکھئے کتاب السنۃ للخلال: ۹۴۸ وسندہ صحیح)

[٨١] وعن أبي هريرة ، قال : قال رسول اللّٰه ﷺ : ((احتج آدم وموسٰى عند ربهما ، فحج آدم موسٰى ؛ قال موسٰى :أنت آدم الذي خلقك اللّٰـه بيده ، ونفخ فيك من روحه ، وأسجد لك ملائكته، وأسكنك في جنته، ثم أهبطت الناس بخطيئتك إلى الأرض؟ قال آدم أنت موسى الذي اصطفاك اللّٰه برسالته وبكلامه، وأعطاك الألواح فيها تبيانُ كل شيءٍ، وقربك نجيًا، فبكم وجدت اللّٰه كتب التوراة قبل أن أخلق؟ قال موسٰى :بأربعين عاماً. قال آدم :فهل وجدت فيها " وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" ؟ قال :نعم، قال: أَفتلو مُني على أن عملتُ عملاً كتبه اللّٰه عليَّ أن أعمله قبل أن يخلقني بأربعين سنة؟)) قال رسول اللّٰه ﷺ ((فحجَّ آدمُ موسٰى .))

رواه مسلم.

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب کے پاس (آسمانوں پر عالمِ ارواح میں) بحث ومباحثہ کیا تو آدم (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب آئے۔موسیٰ (علیہ السلام) نے (آدم علیہ السلام سے) کہا: آپ وہ آدم ہیں،جنھیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی (پیدا کردہ) روح پھونکی اور آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں بسایا، پھر آپ نے اپنی غلطی کی وجہ سے لوگوں کو (جنت سے) زمین پر اُتار دیا؟ آدم (علیہ السلام) نے فرمایا:تم وہ موسیٰ ہو جسے اللہ نے اپنی رسالت اور کلام کے ساتھ چُنا اور تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا بیان ہے اور تمھیں سرگوشی کے لئے (اللہ نے) اپنے قریب کیا، پس تمھارے نزدیک میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے اللہ نے تورات لکھی؟

موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا: چالیس سال پہلے۔

آدم (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تم نے اس میں یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ ''اور آدم نے اپنے رب کے حکم کو ٹالا تو وہ پھسل گئے '' ؟

موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا: جی ہاں، (آدم علیہ السلام نے) کہا: کیا تم مجھے اس عمل پر ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ نے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس آدم (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب آئے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۶۵۲/۱۵ [۶۷۴۴])

فقہ الحدیث:

١: آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان یہ بحث ومباحثہ اور مناظرہ عالَمِ برزخ میں آسمانوں پر ہوا تھا۔ایک دفعہ محدث ابومعاویہ محمد بن خازم الضریر (متوفی ۱۹۵ھ) نے اس مناظرے والی ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے پوچھا: آدم اور موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات

کہاں ہوئی تھی؟ یہ سن کر عباسی خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ سخت ناراض ہوئے اور اس شخص کو قید کر دیا۔ وہ اس شخص کے کلام کو ملحدین اور زنادقہ کا کلام سمجھتے تھے۔ (دیکھئے کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ۲/۱۸۱، ۱۸۲ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۵/۲۴۳ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ حدیث کا مذاق اڑانا ملحدین اور زنادقہ کا کام ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا (دیکھئے سورۃ صٓ: ۷۵) جیسا کہ اس کی شان وجلالت کے لائق ہے۔

اللہ کا ہاتھ اس کی صفت ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہاں ہاتھ سے مراد قدرت لینا سلف صالحین کے فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ومردود ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب، غیر ثابت کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں لکھا ہوا ہے کہ '' **فماذكره الله تعالىٰ في القرآن من ذكر الوجه واليد والنفس فهوله صفات بلاكيف ولا يقال إن يده قدرته أو نعمته لأن فيه إبطال الصفة وهو قول أهل القدر والإعتزال ولكن يده صفته بلاكيف** '' ''اور اس کے لئے ہاتھ منہ اور نفس ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے لیکن ان کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ید سے قدرت اور نعمت مراد ہے کیونکہ ایسا کہنے سے اس کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ منکرینِ تقدیر اور معتزلہ کا مذہب ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہاتھ اس کی مجہول الکیفیت صفت ہے۔'' (الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری ص ۳۶، ۳۷، البیان الازہر، اردو ترجمہ صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی ص ۳۲)

مجہول الکیفیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ حوالہ اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ حنفی وغیر حنفی علماء کا ایک گروہ اس کتاب کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف مانتا ہے۔ دیکھئے مقدمۃ البیان الازہر از قلم محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی (ص ۱۶ تا ۲۳)

سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: ''غرضیکہ فقہ اکبر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی تصنیف ہے لَا رَیْبَ فِیْہِ''

(مقدمۃ البیان الازہر ص ۲۳)

اس دیوبندی '' لَارَیْبَ فِیْـہِ '' کتاب کا راوی ابومطیع الحکم بن عبداللہ البلخی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ اس کے بارے میں امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لا ينبغي أن يروى عنه .. شئ '' اس سے کوئی چیز بھی روایت نہیں کرنی چاہئے۔ (کتاب العلل ۲/۲۵۸ ت ۱۸۶۴)

اسماء الرجال کے جلیل القدر امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:

''وأبو مطيع الخراساني ليس بشيءٍ'' اور ابومطیع الخراسانی کچھ چیز نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۶۰/۴۷)

ان کے علاوہ دوسرے محدثین مثلاً امام نسائی، ابوحاتم الرازی اور حافظ ابن حبان وغیرہم نے اس پر جرح کی ہے۔ متاخرین میں سے حافظ ذہبی ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''فهذا وضعه أبو مطيع على حماد'' پس اس کو ابومطیع نے حماد (بن سلمہ) پر گھڑا ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/۴۲)

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی کے نزدیک ابومطیع مذکور وضاع (جھوٹا، حدیثیں گھڑنے والا) تھا۔ اس جرح کے باوجود بعض الناس کا

''الفقه الأکبر'' نامی رسالے کے بارے میں'' لَا رَیْبَ فِیْهِ'' کہنا انتہائی عجیب وغریب ہے۔

۳: تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے۔

۴: جو لوگ کہتے ہیں کہ ''ابھی تک جنت پیدا نہیں ہوئی'' ان کا قول باطل ومردود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا تھا۔ اہلِ سنت کے نزدیک جنت اور جہنم دونوں پیدا شدہ ہیں اور دونوں ہمیشہ رہیں گی اور یہی عقیدہ حق ہے۔

۵: غلطی اور گناہ کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں:

اول: جو غلطی اور گناہ کرنے کے بعد سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور سخت پشیمان ونادم ہوتے ہیں اور آئندہ اصلاح کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

دوم: جو غلطی اور گناہ کرنے کے بعد بھی اسی پر ڈٹے رہتے ہیں، توبہ نہیں کرتے اور نادم وپشیمان بھی نہیں ہوتے اور نہ اصلاح ہی کی کوشش کرتے ہیں۔

اول الذکر کے لئے تقدیر سے استدلال کرنا جائز ہے اور ثانی الذکر کے لئے تقدیر سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شفاء العلیل لابن القیم (ص ۳۵، ۳۶) وشرح حدیث جبریل (عربی ص ۶۵۔۶۷، اردو ص ۱۰۴ تا ۱۰۷)

جو شخص گناہ اور کفر کرنے کے بعد توبہ نہیں کرتا اور پھر تقدیر سے استدلال کرتا ہے تو یہ طریقہ مشرکین وکفار کا ہے۔ دیکھئے سورۃ الانعام (آیت: ۱۴۸) اور سورۃ النحل (آیت: ۳۵)

۶: صحیح مسلم والی یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی مختصراً موجود ہے۔ (ح ۳۲۰۹، ۷۵۱۵،۴۷۳۶)

۷: بحث ومباحثہ میں فریقِ مخالف کے خلاف وہ دلیل پیش کرنا جسے وہ صحیح وبرحق تسلیم کرتا ہے، بالکل صحیح ہے۔

[**۸۲**] وعن ابن مسعود قال: حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق: ((إنّ خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يومًا نطفةً، ثم يكون علقةً مثل ذالك، ثم يكون مضغةً مثل ذلك، ثم يبعث الله إليه ملكًا بأربع كلماتٍ: فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقي أو سعيد، ثم ينفخ فيه الروح، فوالذي لا إله غيره! إنّ أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار فيدخلها. وإنّ أحدكم ليعمل بعمل أهل النار حتى ما يكون

(سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حدیث سنائی اور آپ سچے اور تصدیق شدہ ہیں: یقیناً تم میں سے ہر ایک کی تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفے کی حالت میں رہتی ہے۔ پھر اسی طرح (چالیس دن) منجمد خون کا لوتھڑا، پھر اسی طرح (چالیس دن) گوشت کا ٹکڑا بنا ہوا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس چار باتوں کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا ہے تو وہ اس کا عمل، موت کا وقت، رزق اور بدقسمت ہوگا یا خوش قسمت لکھ دیتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ پس اس ذات کی قسم جس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے! تم میں سے کوئی آدمی جنتیوں کے

بينه وبينها إلا ذراع ، فيسبق عليه الكتاب ، فيعمل بعمل أهل الجنة فيد خلها)) متفق عليه

سے اعمال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو کتاب کا لکھا ہوا اس پر غالب آتا ہے اور وہ جہنمیوں کے سے اعمال کر کے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے کوئی آدمی جہنمیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو کتاب کا لکھا ہوا اُس پر غالب آتا ہے اور وہ جنتیوں کے سے اعمال کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۶۵۹۴) صحیح مسلم (۲۶۴۳[۶۷۲۳])

فقہ الحدیث:

۱: عقیدۂ تقدیر برحق ہے۔

۲: کون خوش قسمت ہے اور کون بدقسمت؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور اس نے اپنے علم سے، اسے تقدیر میں لکھ رکھا ہے۔

۳: سچی توبہ کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، لہٰذا کسی توبہ کرنے والے شخص کو سابقہ گناہوں اور غلطیوں پر ملامت نہیں کرنا چاہئے۔

۴: کفریہ عقائد و اعمال انسان کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے اسلامی عقائد و اعمال انسان کے جنت میں داخلے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

۵: جن عقائد و اعمال پر خاتمہ ہوتا ہے اسی کا اعتبار ہے، لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خاتمہ بالخیر کی دعا مانگنی چاہئے۔

۶: نبی کریم ﷺ ہر بات میں سچے اور امین تھے، چاہے نبوت سے پہلے کی زندگی تھی یا بعد کی، آپ ﷺ کے مخالفین بھی آپ کو سچا اور امین مانتے تھے۔

۷: جدید طبی تحقیقات نے اس حدیث کی تصدیق کر دی ہے، جس سے اہلِ ایمان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

والحمد للّٰه علٰی کل حال.

۸: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چار ماہ کے بعد بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اگر پانچ ماہ یا زیادہ مدت والا بچہ مُردہ پیدا ہو جائے یا پیدا ہوتے ہی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**والسقط يصلّٰى عليه ويدعٰى لوالديه بالمغفرة والرحمة**)) اور سِقط (ناتمام بچہ جو اپنی میعاد سے پہلے گر جائے) کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے گی۔

(سنن ابی داود:۳۱۸۰وسندہ صحیح،سنن الترمذی:۱۰۳۱،وقال:''حسن صحیح''وصححہ ابن حبان:۷۶۹والحاکم علی شرط البخاری ۱؍۳۶۳ووافقہ الذہبی)

اس حدیث کے راوی سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سِقط کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لئے مغفرت ورحمت کی دعا کی جائے گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳؍۳۱۷ح ۱۱۵۸۹وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ناتمام مردہ بچے کی نمازِ جنازہ پڑھی، نافع نے کہا کہ مجھے پتا نہیں کہ وہ زندہ پیدا ہوکر (مرگیا تھا) یا پیدا ہی مردہ ہوا تھا۔ (ابن ابی شیبہ ۳؍۳۱۷ح ۱۱۵۸۴، وسندہ صحیح)

مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اس کی تخلیق پوری ہوجائے تو اس کا نام رکھا جائے گا اور اس کی نمازِ جنازہ اسی طرح پڑھی جائے گی، جس طرح بڑے آدمی کی پڑھی جاتی ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۳؍۳۱۷ح ۱۱۵۸۸، وسندہ صحیح)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم اپنی اولاد میں سے کسی کو بھی نمازِ جنازہ پڑھے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔
(ابن ابی شیبہ ۳؍۳۱۷ح ۱۱۵۹۰، وسندہ صحیح)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**والعمل عليه عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم ، قالوا : يصلّى على الطفل وإن لم يستهل بعد أن يعلم أنه خُلِق وهو قول أحمد و إسحاق** ''صحابۂ کرام وغیرہم میں سے بعض کا اسی پر عمل ہے، انھوں نے کہا: بچے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ وہ پیدا ہوتے وقت آواز نہ نکالے، یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ اس کی تخلیق (مکمل) ہوچکی ہے اور احمد (بن حنبل) اور اسحاق (بن راہویہ) کا یہی قول ہے۔ (سنن الترمذی:۱۰۳۱)

جو علماء مردہ بچے کی نمازِ جنازہ کے قائل نہیں ہیں، ان کا قول نبی کریم ﷺ کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے متروک و ناقابلِ حجت ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چھوٹے بچے پر نمازِ جنازہ میں درج ذیل دعا پڑھتے تھے: ''**اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ سَلَفًا وَّ فَرَطًا وَّ ذُخْرًا**'' اے اللہ! اسے امیرِ سامان، آگے چلنے والا اور ذخیرہ بنادے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۴؍۱۰، وسندہ حسن)

[**۸۳**] **وعن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ :((إنّ العبد ليعمل عمل أهل النار وإنه من أهل الجنة ، ويعمل عمل أهل الجنة وإنه من أهل النار، وإنما الأعمال بالخواتيم)). متفق عليه.**

(سیدنا) سہل بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بندوں میں سے) ایک بندہ جہنمیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے اور وہ جنتی ہوتا ہے۔ ایک بندہ جنتیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے اور وہ جہنمی ہوتا ہے اور اعمال کا اعتبار خاتمے پر (ہی) ہے۔

تخريج: صحیح بخاری (۶۶۰۷) صحیح مسلم (۱۱۲؍۱۷۹[۳۰۶])

فقه الحديث:

۱: جس کا خاتمہ بالخیر ہوگا وہی کامیاب اور اللہ کے فضل وکرم سے جنت کا حقدار ہے۔

۲: کفر وشرک سے تمام نیک اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔

۳: اعمال کا اعتبار خاتمے پر ہے، والے الفاظ صحیح مسلم میں نہیں ہیں، بلکہ صرف صحیح بخاری میں ہیں۔

۴: تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر وقت نیک اعمال اور صحیح عقیدے والا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ کب موت کا فرشتہ آجائے اور دنیا سے روانگی ہوجائے۔

۵: تقدیر کا سہارا لے کر گناہ کا ارتکاب کرنا، عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے مترادف ہے۔

۶: اللہ سے ہر وقت خاتمہ بالخیر کی دعا مانگنی چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ اپنے فضل وکرم سے دعا مانگنے والے کی تقدیر کو بدل سکتا ہے۔

۷: اپنی نیکیوں پر کبھی فخر نہیں کرنا چاہئے۔

۸: مومن کی پوری زندگی خوف اور امید کے درمیان ہوتی ہے۔

[**۸٤**] وعن عائشة رضي اللّٰه عنها، قالت: دعي رسول اللّٰه ﷺ إلى جنازة صبي من الأنصار فقلت: يا رسول اللّٰه ! طوبٰى لهٰذا ، عصفور من عصافير الجنة ، لم يعمل السوء ولم يدركه . فقال : ((أو غير ذلك يا عائشة ! إنّ اللّٰه خلق للجنة أهلاً، خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم وخلق للنار أهلاً خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم .)) رواه مسلم .

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک انصاری بچے کی (نمازِ) جنازہ (پڑھانے) کی دعوت دی گئی تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس بچے کے لئے خوش خبری ہو، یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، اس نے کوئی بُرائی نہیں کی اور نہ بُرائی کو پایا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: یا اس کے سوا ہے، اے عائشہ! اللہ نے جنت کے لئے جنتیوں کو اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کی پیٹھوں میں تھے اور اللہ نے دوزخ کے لئے دوزخیوں کو اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کی پیٹھوں میں تھے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۶۶۲/۳۱ [۶۷۶۸])

فقه الحدیث:

۱: کسی آدمی کے بارے میں قطعی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی؟ اِلا یہ کہ جو قرآن وحدیث کی رُو سے واضح ہو۔

۲: مسلمانوں کے نابالغ فوت شدہ بچوں کے بارے میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ یہ بچے اپنے جنتی والدین کے ساتھ جنتی ہیں۔ رہے کفار کے بچے تو راجح قول میں ان کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور کفار کے مردہ بچوں کی نمازِ جنازہ نہیں

پڑھنی چاہئے۔

۳: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مومنوں کی اولاد کے بارے میں پوچھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: وہ اپنے والدین کے ساتھ ہیں۔ انھوں نے پوچھا: بغیر عمل کے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اللہ جانتا ہے جو وہ اعمال کرنے والے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: مشرکین کی اولاد؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: وہ اپنے والدین کے ساتھ ہے۔ انھوں نے پوچھا: بغیر عمل کے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اللہ جانتا ہے، جو وہ اعمال کرنے والے تھے۔ (سنن ابی داود: ۴۷۱۲، وسندہ صحیح)

[**۸۵**] **وعن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ((ما منكم من أحد إلا وقد كتب مقعده من النار ومقعده من الجنة .)) قالوا : يا رسول الله ! أفلا نتكل على كتابنا وندع العمل ؟ قال : ((اعملوا ، فكل ميسّر لما خلق له ، أما من كان من أهل السعادة فسييسّر لعمل السعادة، وأما من كان من أهل الشقاوة فسييسّر لعمل الشقاوة))**
ثم قرأ: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴾ الآية . متفق عليه

(سیدنا) علی (بن ابی طالب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے لئے اس کا جہنم والا ٹھکانا اور جنت والا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اپنے اس نوشتۂ تقدیر پر ہی کیوں نہ توکل کر بیٹھیں اور عمل چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرو، ہر ایک کے لئے وہی آسان کر دیا گیا ہے، جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو نیک بختوں میں سے ہے، اس کے لئے نیک بختی والے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اور جو بدبختوں میں سے ہے، اس کے لئے بدبختی والے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: پس جس نے (اللہ کی راہ میں اپنا مال ومتاع) دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور سب سے اچھی چیز (دینِ اسلام) کی تصدیق کی۔
الآیۃ (الّیل: ۵، ٦) متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۳٦۲) صحیح مسلم (٦/ ۲٦۴۷)

فقہ الحدیث:

۱: سورۂ لیل کی باقی مشار الیہا آیات درج ذیل ہیں:

﴿ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۙ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۗ﴾

پس ہم اسے عنقریب آسانی مہیا کریں گے، اور جس نے بخل کیا اور (ثواب وعذاب سے) بے پروا بنا اور سب سے اچھی چیز (دینِ اسلام) کو جھٹلایا تو ہم عنقریب اس کے لئے تنگی (عذاب) آسان کر دیں گے۔ (الّیل: ۷-۱۰)

معلوم ہوا کہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر، تشریح، تصدیق اور بیان ہے۔

۲: صرف یہ کہنا کہ ہماری تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے ہمیں ملے گا اور اس سے استدلال کرتے ہوئے نیک اعمال نہ کرنا غلط ہے۔ جنت میں داخلے کے لئے تین شرائط مقرر ہیں:

① ایمان (عقیدۂ صحیحہ)

② نیک اعمال

③ اللہ کا فضل و کرم اور رحمت

پوری محنت اور ولولہ انگیز عزم سے شریعت پر عمل کریں اور اللہ سے امید رکھیں کہ وہ اپنے خاص فضل و کرم اور رحمت سے اپنی جنت میں داخل فرمائے گا اور ساری خطائیں معاف فرما دے گا۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

۳: جس مسئلے کا علم نہ ہو یا کوئی اشکال ہو تو علمائے حق سے پوچھ لینا چاہئے تا کہ آدمی صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔

۴: قرآن و حدیث ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

۵: احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہر آدمی کے لئے دو ٹھکانے لکھے ہوئے ہیں:

① جنت کا ٹھکانا

② جہنم کا ٹھکانا

دیکھئے صحیح بخاری (۱۳۷۴) صحیح مسلم (۲۸۷۰/۷۰) اور اضواء المصابیح (۱۲۶)

جو شخص صحیح عقیدے اور نیک اعمال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ ہر وقت اپنی خطاؤں پر نادم و تائب رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے جہنم کے ٹھکانے سے بچا کر جنت کے ٹھکانے میں داخل کر دیتا ہے۔

رہا کافر و مشرک اور بدبخت تو اسے جنتی ٹھکانا دکھا کر دور ہٹایا جاتا ہے اور جہنمی ٹھکانے میں داخل کر دیا جاتا ہے، تا کہ وہ افسوس وندامت سے مسلسل عذاب کا مزہ چکھتا رہے۔ **أعاذ نا اللّٰه من غضبه و من عذاب القبر و من خزي يوم القيامة .**

۶: اہلِ علم سے مسئلہ پوچھتے وقت ان کا نام نہیں لینا چاہئے، بلکہ عزت و احترام اور انتہائی ادب کے ساتھ سوال کر کے جواب کا انتظار کرنا چاہئے۔

۷: دنیا میں انسان کی اچھائی اور بُرائی کا فیصلہ اس کے ظاہری اعمال و عقائد کی بنیاد پر ہی کیا جا سکتا ہے، رہے باطنی اعمال و عقائد تو ان سے صرف اللہ ہی باخبر ہے۔

[٨٦] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((إنّ الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا أدرك ذلك لا محالة ، فزنا العين النظر ، وزنا اللسان النطق، والنفس تمنى وتشتهي والفرج يصدق ذلك ويكذبه)) متفق عليه .

وفي رواية لمسلم قال: ((كُتب على ابن آدم نصيبه من الزنا مدرك ذلك لا محالة، العينان زنا هما النظر ، والأذنان زنا هما الإستماع ، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخُطا، والقلب يهوي ويتمني ويصدق ذلك الفرج ويكذبه .))

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے آدمی کے لئے زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ ضرور پائے گا۔ آنکھ کا زنا نظر ہے اور زبان کا زنا کلام (بولنا) ہے۔ دل تمنا وخواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق وتکذیب کرتی ہے۔ متفق علیہ

صحیح مسلم (۲۱/ ۲۶۵۷) کی (دوسری) روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: آدمی کے لئے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ ضرور پائے گا۔ آنکھوں کا زنا نظر ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے۔ زبان کا زنا کلام ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے۔ پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش وتمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق وتکذیب کرتی ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۶۲۴۳) صحیح مسلم (۲۰/ ۲۶۵۷)

فقہ الحدیث:

۱: جس چیز کا دیکھنا حرام ہے اس پر (دانستہ یا نادانستہ) نظر کا جانا زنا قرار دیا گیا ہے۔ جو نظر نادانستہ پڑ جائے اسے شریعت میں معاف کر دیا گیا ہے، مگر جو شخص جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے حرام چیز کو دیکھے تو وہ زنا کار اور مجرم ہے۔ اہلِ ایمان کا یہ طرزِ عمل ہوتا ہے کہ اگر ان کی نظر اچانک کسی ناپسندیدہ چیز پر پڑ جائے تو فوراً وہاں سے نظر ہٹا لیتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔

۲: جو اعمال گناہ اور نافرمانی کی طرف لے جاتے ہیں ان سے کُلی اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۳: فحش کلامی اور حرام چیزوں کا تذکرہ کرنا بھی حرام ہے۔ اسی طرح بے حیائی اور ٹی وی وغیرہ پر فحش پروگرام دیکھنا اور موسیقی، گندے اور شرکیہ گانے سننا حرام ہے۔ کتاب وسنت کے مخالف جتنی چیزیں ہیں ان سے اپنے آپ کو بچانا فرض ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔ (التحریم:۶)

۴: انسان کو ہر وقت اسی کوشش میں مگن رہنا چاہئے کہ کتاب وسنت پر دن رات عمل کرتا رہے اور تمام حرام ومکروہ اُمور سے ہمیشہ اجتناب کرتا رہے۔ اگر نادانستہ کسی حرام ومکروہ امر پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنے آپ کو بچائے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ غفور ورحیم ہے، اپنے فضل وکرم سے سارے گناہ معاف فرما دے گا۔ ان شاء اللہ

بدنصیب ہیں وہ لوگ جو دن رات کتاب وسنت کی مخالفت اور حرام اُمور میں مگن رہتے ہیں۔

[٨٧] وعن عمران بن حصين :أن رجلين من مزينة قالا : يا رسول اللّٰه !أرأيت ما يعمل الناس اليوم ويكدحون فيه ؟ أشيء قضي عليهم ومضى فيهم من قدر سبق ، أو فيما يستقبلون به مما أتاهم به نبيهم وثبتت الحجة عليهم ؟ فقال :((لا ، بل شيء قضي عليهم ومضى فيهم)) وتصديق ذلك في كتاب اللّٰه عزوجل :﴿ وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَاo فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾ رواه مسلم .

(سیدنا) عمران بن حصین (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ مُزَینہ (قبیلے) کے دو آدمیوں نے (رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر) عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ آج کل جو اعمال اور سخت محنتیں کرتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ان پر اس کا فیصلہ پہلے سے ہی قضاوقدر میں لکھا جا چکا ہے یا آئندہ مستقبل میں ہوگا، جیسے ان کے نبی تشریف لائے اور ان پر حجت قائم فرما دی؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس چیز کا فیصلہ پہلے سے ہی ہو چکا اور گزر چکا ہے۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں ہے:﴿ وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَاo فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾اور نفس (کی قسم) اور جس نے اسے برابر بنایا پھر اس کے دل میں اس (نفس) کی بدکاری اور پرہیز گاری ڈال دی۔ (الشمس:۷،۸)
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۰/۲۶۵۰)

فقہ الحدیث:

۱: معلوم ہوا کہ تقدیر پہلے سے مقرر شدہ ہے اور انسان مجبورِ محض نہیں، بلکہ اپنے اعمال میں خودمختار ہے۔

۲: حدیث اور قرآن ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

[٨٨] وعن أبي هريرة، قال قلت : يا رسول اللّٰه! إني رجل شاب ، وأنا أخاف علٰى نفسي العنت ، ولا أجد ما أتزوج به النساء، كأنه يستأذنه فى الإختصاء، قال:فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك ، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك ، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك ، فقال النبي ﷺ :((يا أبا هريرة! جف القلم بما أنت لاقٍ، فاختص علٰى ذلك

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے (رسول اللہ ﷺ سے) عرض کیا:
یا رسول اللہ! میں نوجوان مرد ہوں اور مجھے اپنے آپ پر غلطی (زنا) کا ڈر ہے اور میرے پاس عورتوں سے شادی کرنے کی استطاعت (مال) نہیں ہے؟ (راوی نے کہا:) گویا وہ آپ (ﷺ) سے خصی ہو جانے کی اجازت مانگ رہے تھے۔
(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:) آپ (ﷺ) خاموش رہے تو میں

أو ذر)) رواه البخاري .

نے یہ بات دوبار اور سہ بار کہہ دی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! تو جو کرنے والا ہے اس کے بارے میں (تقدیر کا) قلم خشک ہو چکا ہے، اس پر اگر تم خصی ہونا چاہتے ہو تو تمھاری مرضی ہے یا اسے چھوڑ دو۔
اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۵۰۷۶)

فقه الحدیث:

۱: تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا۔
۲: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا کہ وہ زنا نہیں کریں گے، بلکہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی اور یہ ہو کر رہا۔
۳: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ انتہائی متقی اور متبع کتاب وسنت تھے۔ وہ ہر وقت ہر لحاظ سے اپنے آپ کو گناہوں اور غلطیوں سے بچانا چاہتے تھے۔
۴: نبی کریم ﷺ نے مردوں کو خصی ہو جانے سے منع فرمایا ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۵۰۷۱ و صحیح مسلم: ۱۴۰۴)
لہٰذا اس حدیث میں ((فاختص)) کا لفظ زجر اور منع پر محمول ہے۔
۵: متقی شاگرد اگر غلط فہمی سے کوئی غلط سوال بھی کر دے تو استاد کو چاہئے کہ نرمی، تحمل اور حکمتِ عملی سے جواب دے۔

[**۸۹**] وعن عبدالله بن عمرو، قال :قال رسول الله ﷺ :((إن قلوب بني آدم كلها بين أصبعين من أصابع الرحمٰن كقلب واحدٍ ، يصرفه كيف يشاء)) ثم قال رسول الله ﷺ :((اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ)) . رواه مسلم

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن (اللہ) کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے انھیں پھیرتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ)) اے ہمارے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۶۵۴/۱۷)

فقه الحدیث:

۱: دلوں کو اللہ ہی نیکی یا بدی کی طرف پھیرتا ہے اور وہ بندوں کے افعال کا خالق ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور انگلیاں اس کی صفت ہے، جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق سے قطعاً مشابہ نہیں ہے۔ اس صفت کا انکار کرنا یا اسے مخلوق سے تشبیہ دینا دونوں طرح باطل ہے اور یہ گمراہ لوگوں کا عقیدہ ہے، بلکہ صحیح عقیدہ صرف یہی ہے کہ قرآن وحدیث میں مذکور تمام صفات باری تعالیٰ پر تمثیل، تعطیل اور تکییف کے بغیر ایمان لایا جائے۔ **ليس كمثله شيئ وهو السميع البصير.**

۳: دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ ہی کے حکم، ارادے اور مشیئت سے ہو رہا ہے۔

[**۹۰**] **وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: ((ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه، كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء، هل تحسون فيها من جدعاء؟ ثم يقول: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾. متفق عليه.**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے (عام) جانور صحیح وسالم پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تم ان میں سے کسی کا کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر آپ فرماتے ہیں: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی دین قیم ہے۔ (الروم: ۳۰)
متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۳۵۸) صحیح مسلم (۲۲/۲۶۵۸)

فقه الحدیث:

۱: دنیا کے عام انسان دین فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں شرک وکفر کا شائبہ تک نہیں ہوتا، لیکن ان کے والدین، رشتہ دار، دوست اور دوسرے لوگ انھیں کافر ومشرک بنا دیتے ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث قدسی سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد (مسلم) پیدا کیا ہے اور شیطانوں نے آ کر انھیں دین سے بھٹکا دیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۶۵)

۲: اسلام دینِ فطرت ہے۔

۳: دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ کافروں کے مرنے والے نابالغ بچوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

دیکھئے اضواء المصابیح ح ۹۳

۴: بعض لوگ صحیح احادیث اور صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ یہ معتزلہ، خوارج، معطلہ، جہمیہ، روافض اور منکرینِ حدیث وغیرہ کہلاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے نظریات قرآن وحدیث اور سلف صالحین سے نہیں لئے بلکہ اہلِ باطل اَخلاف سے لئے ہیں یا خود گھڑ لئے ہیں۔

[**۹۱**] وعن أبي موسى قال: قام فينا رسول الله ﷺ بخمس كلمات فقال: ((إن الله لا ينام ولا ينبغي له أن ينام، ويخفض القسط ويرفعه، يرفع إليه عمل الليل قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل عمل الليل، حجابه النور، لو كشفه لأحرقت سبحات وجهه ما انتهى إليه بصره من خلقه)) رواه مسلم.

سیدنا ابوموسیٰ (الاشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر ہمیں پانچ باتیں بتائیں، آپ نے فرمایا:
(۱) اللہ نہیں سوتا (۲) اور نہ اس کے لئے سونا مناسب ہے۔ (۳) وہ میزان کو جھکاتا اور اٹھاتا ہے۔ (۴) رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اس کے پاس پہنچتے یعنی حاضر کئے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے پہنچتے ہیں۔ (۵) اس کا حجاب نور ہے اور اگر وہ اپنے نور کے پردے کھول دے تو اس کی بصر و چمک جہاں تک پہنچے وہ ہر مخلوق کو جلا دے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۷۹/۲۹۳)

فقه الحدیث:

۱: اللہ کی بصر ساری کائنات کو محیط ہے۔ اس کی بصر، علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

۲: اللہ جسے چاہتا ہے، نیکی کی توفیق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہیوں میں بھٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ سب اسی کی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے۔

۳: دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن نہیں ہے، لیکن دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ آخرت میں اہلِ ایمان اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ نیز ان لوگوں کے دعوے کی بھی نفی ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ کو دیکھا ہے۔

۴: میزان حق ہے اور بندوں کے اعمال تولے جائیں گے۔

۵: نیند اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں بلکہ اُسے تو اُونگھ بھی نہیں آتی۔ سبحان اللہ

[**٩٢**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :
((يد اللّٰه ملأى لا تغيضها نفقة ، سحاء الليل والنهار ، أرأيتم ما أنفق مذخلق السماء والأرض؟ فإنه لم يغض ما في يده ، وكان عرشه على الماء ، وبيده الميزان يخفض ويرفع)) متفق عليه .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، دن رات خرچ کرنے سے اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ کیا تم جانتے ہو کہ جب سے اس نے زمین وآسمان پیدا کئے اُس نے کیا کچھ خرچ کیا ہے؟ اس کے ہاتھ میں (جو خزانہ ہے اس میں) کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے جسے وہ جھکا تا ہے اور بلند کرتا ہے۔ متفق علیہ

وفي رواية لمسلم :((يمين اللّٰه ملأى - قال ابن نمير ملآن - سحاء لا يغيضها شيً الليل والنهار))

مسلم (۹۹۳/۳۶) کی روایت میں ہے کہ اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور ابن نمیر (ایک ثقہ راوی) کی روایت میں ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے ہیں، دن رات خرچ کرنے سے اس (کے خزانے) میں کمی نہیں ہوتی۔

تخریج: صحیح بخاری (۴۶۸۴) صحیح مسلم (۹۹۳/۳۷)

فقہ الحدیث:

۱: ساری کائنات اور ہر چیز کا خالق صرف ایک اللہ ہے۔ اگر وہ اپنی مخلوقات کو اپنے پیدا کردہ خزانوں میں سے بے انتہا بخش دے تب بھی اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہوتی۔

۲: اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔

۳: اللہ کا ہاتھ اس کی صفت ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ منکرینِ صفات کا ہاتھ سے قدرت مراد لینا باطل ہے۔

[**٩٣**] وعنه ، قال :سئل رسول اللّٰه ﷺ عن ذراري المشركين ، قال : ((اللّٰه أعلم بما كانوا عاملين)) متفق عليه .

انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے (نابالغ) بچوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جو اعمال وہ کرنے والے تھے انھیں اللہ جانتا ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۳۸۴) صحیح مسلم (۲۶۵۹/۲۶)

فقه الحدیث:

۱: مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟ یہ تقدیر کا مسئلہ ہے، اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ دنیا میں کیا اعمال کرنے والے تھے۔

۲: مشرکین کے بچوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

۳: مشرکین کے بچوں کے بارے میں سکوت کرنا بہتر ہے۔

۴: نیز دیکھئے اضواء المصابیح:۸۴، ماہنامہ الحدیث حضرو:۳۳ص۶



الفصل الثاني

[٩٤] وعن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : ((إن أول ماخلق الله القلم، فقال له: اكتب: فقال: ماأكتب؟ قال: اكتب القدر. فكتب ماكان وماهو كائن إلى الأبد.))
رواه الترمذي وقال: هذا حديث غريب إسنادًا .

(سیدنا) عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا پھر اسے کہا: لکھ! تو اس (قلم) نے کہا: میں کیا لکھوں؟ اللہ نے فرمایا: تقدیر لکھ، پس قلم نے جو ہوا ہے اور جو آئندہ ہوگا، لکھ دیا۔ اسے ترمذی (۲۱۵۵) نے روایت کیا اور کہا: یہ حدیث سند کے لحاظ سے (حسن) غریب ہے۔

تحقیق الحدیث: سنن ترمذی والی یہ روایت عبدالواحد بن سُلیم المالکی البصری کی وجہ سے ضعیف ہے۔
عبدالواحد مذکور کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ضعیف (تقریب التہذیب: ۴۲۴۱)
لیکن اس روایت کے متن میں عبدالواحد منفرد نہیں ہے، بلکہ اس کے شواہد مسند احمد (۳۱۷/۵ ح ۲۲۷۰۵) کتاب السنۃ لابن ابی عاصم (۱۰۲-۱۰۴، ۱۰۶-۱۰۸) روضۃ العقلاء لابن حبان (ص ۱۵۷) سنن ابی داود (۴۷۰۰) اور مسند ابی یعلیٰ (۲۳۲۹) وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان شواہد میں بہترین وہ روایت ہے جسے ابو یعلیٰ الموصلی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن أول شيئ خلقه الله القلم وأمره فكتب كل شيئ .))
بے شک اللہ نے جو پہلی چیز پیدا کی وہ قلم ہے اور اسے حکم دیا تو اس نے ہر چیز کو لکھ لیا۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۴ ص ۲۱۷ ح ۲۳۲۹ وسندہ صحیح)

ان شواہد کے ساتھ ترمذی کی مذکورہ بالا روایت بھی حسن یا صحیح ہے۔ والحمد للہ

فقہ الحدیث:

۱: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سب سے پہلے قلم پیدا کیا۔
۲: جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کو یا آپ کے نور کو پیدا کیا، ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کا یہ عقیدہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔
شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وهومن الأدلة الظاهرة على بطلان الحديث المشهور ((أول ما خلق اللّٰه نور نبيك يا جابر!)) وقد جهدت في أن أقف علىٰ سنده فلم يتيسر لي ذلك."

یہ حدیث ان واضح دلیلوں میں سے ہے جس سے (جہلاء کے درمیان) مشہور حدیث: ''اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبی کا نور پیدا کیا'' کے باطل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ میں نے اس (باطل) روایت کی سند تلاش کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن مجھے اس کی کوئی سند نہیں ملی۔ (التعلیق علی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۳۴ تحت ح ۹۴)

اس بے اصل اور من گھڑت روایت کا وجود شیعوں کی من گھڑت کتاب اصول کافی (ج ۱ ص ۴۴۲ طبع دار الکتب الاسلامیہ تہران، ایران) میں موضوع سند کے ساتھ ملتا ہے۔

اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا

[فائدہ: صحیح احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا۔ بعض لوگ ان احادیثِ صحیحہ کے برعکس یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے ساری کائنات بنائی''

اس عقیدے پر کوئی دلیل قرآن، حدیث، اجماع یا آثارِ سلف صالحین میں موجود نہیں ہے اور اس سلسلے میں عباس رضوی وغیرہ کذابین نے پندرھویں صدی ہجری میں امام عبدالرزاق کی طرف منسوب ''الجزء المفقود'' کے نام سے جو کتاب پیش کی ہے، یہ ساری کتاب من گھڑت اور خودساختہ ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب: جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی یعنی **الجزء المفقود یا الجزء المصنوع .**

یہ کتاب ایک سو بیس (۱۲۰) صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ اسلامیہ لاہور/فیصل آباد سے مطبوع ہے۔

بطورِ ردعرض ہے کہ احمد رضا خان بریلوی نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہا:

''اُن کی نبوّت ان کی ابوّت ہے سب کو عام
اُمّ البشر عروس انھیں کے پسر کی ہے''

(حدائق بخشش حصہ اول ص ۷۵)

اس کے حاشیے میں لکھا ہوا ہے کہ ''علماء فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے پدر معنوی ہیں کہ سب کچھ انھیں کے نور سے پیدا ہُوا۔ اسی لیے حضور کا نام پاک ابوالارواح ہے۔ تو آدم علیہ السلام اگرچہ صورت میں حضور کے باپ ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ بھی حضور کے بیٹے ہیں۔ تو اُمّ البشر یعنی حضرت حوّا حضور ہی کے پسر آدم علیہ السلام کی عروس ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔''

(حاشیہ نمبر ۲ حدائق بخشش ص ۷۵)

عبارتِ مذکورہ میں احمد رضا خان نے کئی جھوٹ بولے ہیں۔ مثلاً:

۱: آدم علیہ السلام حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔
۲: سیدہ حواء علیہا السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے آدم علیہ السلام کی دلہن (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہو) ہیں۔
۳: سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہوا ہے۔

یہ تینوں باتیں صریح جھوٹ ہیں اور سیدنا آدم علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہنا بہت بڑا جھوٹ اور صریح گستاخی ہے۔
احمد رضا خان نے مزید کہا:

''ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے''

(حدائق بخشش ص ۷۵)

اس کی تشریح میں اسی صفحے پر لکھا ہوا ہے کہ'' آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضور کو یاد کرتے تو یوں فرماتے **یا ابنی صورۃ و ابائی معنی** اے ظاہر میں میرے بیٹے اور حقیقت میں میرے باپ۔'' (حاشیہ نمبر ۳ حدائق بخشش ص ۷۵)

اس عبارت میں سیدنا آدم علیہ السلام پر صریح جھوٹ اور بہتان باندھا گیا ہے کیونکہ ''**یاابنی صورۃ و ابائی معنی**'' کے الفاظ اُن سے یقیناً ثابت نہیں بلکہ اس کے سراسر برعکس آدم علیہ السلام نے معراج والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے وقت فرمایا:

'' **مرحبا بالنبي الصالح و الإبن الصالح** '' نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید !

(صحیح بخاری: ۳۴۹، صحیح مسلم: ۱۶۳، دارالسلام: ۴۱۵)

سیدنا آدم علیہ السلام نے تو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بیٹا کہا اور اس کے مقابلے میں احمد رضا خان نے جھوٹی اور بے اصل روایت کے ذریعے سے یہ دعویٰ کر دیا کہ آدم علیہ السلام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔ **نعوذ باللّٰہ من هذا الکفر**]

[۹۵] وعن مسلم بن يسار قال: سئل عمر بن الخطاب [رضي اللّٰه عنه] عن هذه الآية: ﴿ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ ءَادَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ الآية، قال عمر: سمعت رسول اللّٰه ﷺ يسأل عنها فقال: ((إن اللّٰه خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية فقال: خلقت هؤلاء للجنة، وبعمل أهل الجنة يعملون ثم مسح ظهره فاستخرج منه ذرية فقال: خلقت هؤلاء للنار

مسلم بن یسار سے روایت ہے کہ (سیدنا) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) سے اس آیت ''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پُشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا'' آیت کے آخر تک (الاعراف :۱۷۲) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے جواب میں فرماتے ہوئے سنا: یقیناً اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا تو اس سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا: میں نے انھیں جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں کے کام

وبعمل أهل النار يعملون .)) فقال رجل :ففيم العمل ؟ يا رسول الله !فقال رسول الله ﷺ : ((إن الله إذا خلق العبد للجنة استعمله بعمل أهل الجنة حتى يموت علىٰ عمل من أعمال أهل الجنة فيد خله به الجنة وإذا خلق العبد للنار استعمله بعمل أهل النار حتى يموت علىٰ عمل من أعمال أهل النار فيدخله به النار .)) رواه مالك والترمذي وأبو داود .

کریں گے۔ پھران کی پشت پر (ہاتھ) پھیرا تو اس میں سے ان کی اولا د نکالی اور فرمایا: میں نے انھیں جہنم کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں کے کام کریں گے۔ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ ! پھر اعمال کی کیا ضرورت ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جب بندے کو جنت کے لئے پیدا کیا تو اسے اس کی موت تک جنتیوں کے اعمال کی توفیق دی جو اسے جنت میں داخل کر دیں گے اور جب اس نے کسی بندے کو جہنم کے لئے پیدا کیا تو اسے اس کی موت تک جہنمیوں کے اعمال پر چلایا جو اسے جہنم میں داخل کر دیں گے۔اسے مالک (الموطأ ۱/ ۸۹۸ ح ۱۷۲۶) ترمذی (۳۰۷۵ وقال: حسن ومسلم لم یسمع من عمر) اور ابو داود (۴۷۰۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ مسلم بن یسار نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔اس روایت کی دوسری سند میں نعیم بن ربیعہ مجہول الحال راوی ہے جسے صرف ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔
دیکھئے میری کتاب انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ (د:۴۷۰۳)

[**٩٦**] وعن عبدالله بن عمرو قال :خرج رسول الله ﷺ وفي يديه كتابان فقال :((أتدرون ما هذان الكتابان ؟)) قلنا :لا ، يارسول الله !إلا أن تخبرنا ، فقال للذي في يده اليمنى :((هذا كتاب من رب العالمين، فيه أسماء أهل الجنة وأسماء آبائهم وقبائلهم ثم أجمل علىٰ آخرهم فلا يزاد فيهم ولا ينقص منهم أبدًا)) ثم قال للذي في شماله :((هذا كتاب من رب العالمين، فيه أسماء أهل النار وأسماء آبائهم وقبائلهم ثم أجمل علىٰ آخرهم فلا

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ہمارے پاس) تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ دو کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے کہا: نہیں یارسول اللہ! اِلّا یہ کہ آپ ہمیں بتادیں۔آپ نے دائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا: یہ رب العالمین کی کتاب ہے، اس میں جنتیوں اور ان کے آباء وقبائل کے نام ہیں۔پھر آخر میں انھیں بطورِ خلاصہ مجمل بیان کر دیا گیا ہے، پس ان میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔پھر آپ نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے

يزاد فيهم ولا ينقص منهم أبدًا)) فقال أصحابه : ففيم العمل يارسول الله ! إن كان أمر قد فرغ منه ؟ فقال :((سددوا وقاربوا فإن صاحب الجنة يختم لـه بعمل أهل الجنة وإن عمل أي عمل وإن صاحب النار يختم له بعمل أهل النار وإن عمل أي عمل)) ثم قال رسول الله ﷺ فنبذهما بيديه ثم قال: ((فرغ ربكم من العباد فريق في الجنة وفريق في السعير)).

بارے میں فرمایا: یہ رب العالمین کی کتاب ہے، اس میں دوزخیوں اور ان کے آباء وقبائل کے نام ہیں۔ پھر آخر میں انھیں بطورِ خلاصہ مجمل بیان کر دیا گیا ہے، پس ان میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ آپ کے صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اگر پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: مضبوط رہو اور قربت اختیار کرو کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہلِ جنت کے عمل پر ہوگا۔ اگر چہ وہ (پہلے) جو بھی اعمال کرتا رہا ہو اور دوزخی شخص کا خاتمہ اہلِ جہنم کے عمل پر ہوگا اگر چہ وہ (پہلے) جو بھی اعمال کرتا رہا ہو۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور دونوں کتابیں پھینک دیں۔ پھر فرمایا: تمھارا رب اپنے بندوں (کے امور) سے فارغ ہو چکا ہے: ﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا۔ (الشوریٰ:۷)

اسے ترمذی (۲۱۴۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اسے احمد بن حنبل (۱۶۷/۲ ح ۶۵۶۳) نسائی (السنن الکبریٰ: ۱۱۴۷۳) ابن ابی عاصم (السنۃ: ۳۴۸) عثمان بن سعید الدارمی (الرد علی الجہمیۃ: ۲۶۳) جعفر بن محمد الفریابی (کتاب القدر: ۴۵، ۴۶) بیہقی (کتاب القضاء والقدر: ۵۶، ۵۷) ابوبکر الآجری (الشریعۃ ص ۱۷۳، ح ۳۳۳، ۳۳۴) اور ابونعیم الاصبہانی (حلیۃ الاولیاء ۱۶۸/۵) وغیرہم نے ابوقبیل حي بن ہانئ المعافری عن شفی بن ماتع عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا: ''ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب'' اور اسے عبداللہ بن وہب (کتاب القدر: ۱۳) اور ابن جریر (تفسیر طبری ۵/۲۵) نے ابوقبیل عن شفی عن رجل من اصحاب النبی ﷺ کی سند سے روایت کیا ہے۔

شفی بن ماتع ثقہ راوی ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۸۱۳)

ابوقبیل حي بن ہانئ کو امام یحییٰ بن معین اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے، لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں۔ ان پر بذریعہ ساجی امام یحییٰ بن معین کی طرف منسوب جرح ثابت نہیں ہے۔ مسند امام احمد کے ''محققین'' کا الموسوعۃ الحدیثیہ میں اسے شاذ اور جمہور کے

خلاف جرح کی بنیاد پر اس روایت کو "**إسناده ضعيف**" کہنا غلط ومردود ہے۔

فقه الحديث:

۱: عقیدۂ تقدیر برحق ہے۔

۲: ہر آدمی کا اپنے باپ کی طرف منسوب ہونا صحیح ہے۔

۳: ثبوت کے بعد قبائل کی طرف انتساب صحیح ہے۔

۴: دونوں ہاتھوں میں دینی کتابیں پکڑنا صحیح ہے۔

۵: چونکہ کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ اللہ کی تقدیر میں اس کے بارے میں کیا لکھا ہوا ہے، لہٰذا موت تک ہر لحاظ سے صحیح عقیدے کے ساتھ کتاب وسنت پر عمل کرتے رہنا چاہئے تاکہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

[۹۷] **وعن أبي خزامة عن أبيه قال: قلت: يارسول الله! أرأيت رقًى نسترقيها ودواءً نتداوى به وتقاةً نتقيها هل ترد من قدر الله شيئًا؟ قال: ((هي من قدر الله)) رواه أحمد، والترمذي، وابن ماجه.**

ابوخزامہ کے والد سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم دَم کرتے ہیں، دوا سے علاج کرتے ہیں اور (دیگر) حفاظتی تدبیریں اختیار کرتے ہیں، کیا ان سے اللہ کی تقدیر بدل سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ (سب بھی) تقدیر میں سے ہیں۔ اسے احمد (۴۲۱/۳ ح۱۵۵۵۱۔۱۵۵۵۴) ترمذی (۲۰۶۵ وقال: حسن صحیح غریب) اور ابن ماجہ (۳۴۳۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابوخزامہ کو امام ترمذی کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ نہیں قرار دیا، چونکہ امام ترمذی تصحیح وتحسین میں متساہل تھے، لہٰذا جب تک کوئی دوسرے معتبر محدث ان کی تائید نہ کریں تو راوی مجہول یا مجروح ہی رہتا ہے۔ صورتِ مذکورہ میں ابوخزامہ مجہول الحال راوی ہے اور صحابی نہیں ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح ثابت کر دیا جائے تو پھر یہ اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ عقیدۂ تقدیر برحق ہے۔

[۹۸] **وعن أبي هريرة قال: خرج علينا رسول الله ﷺ، ونحن نتنازع في القدر فغضب حتى احمر وجهه حتى كأنما فقيء في وجنتيه حب الرمان فقال: ((أبهذا أمرتم؟ أم بهذا أرسلت إليكم؟**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم تقدیر کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے تو غصے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا گویا آپ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہو، پھر آپ نے

إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر، عزمت عليكم عزمت عليكم ألا تتنازعوا فيه)) رواه الترمذي .

فرمایا: کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں اس کے ساتھ تمھارے پاس بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے (بھی) ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اس (تقدیر) کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں، میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اس بارے میں اختلاف نہ کرو۔
اسے ترمذی (۲۱۳۳ وقال: غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔
اس کا راوی صالح بن بشیر المری زاہد واعظ ہونے کے ساتھ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا:
ضعیف (تقریب التہذیب: ۲۸۴۵)
امام یحییٰ بن معین نے اسے ''**ضعیف الحدیث**'' عمرو بن علی الفلاس اور ابو حاتم الرازی نے ''**منکر الحدیث**'' الخ قرار دیا ہے۔
(الجرح والتعدیل ۴/ ۳۹۶ واسانیدہ صحیحہ)

نیز دیکھئے آنے والی روایت: ۹۹

[**۹۹**] وروى ابن ماجه نحوه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده .

ابن ماجہ (۸۵) نے اسی طرح ''**عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده**'' کی سند سے روایت کی ہے۔

تحقیق الحدیث: ابن ماجہ والی روایت کی سند حسن ہے۔
اسے احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔ (المسند ۲/ ۱۷۸) بوصیری نے زوائد میں کہا: ''**هذا إسناد صحيح**''
ابن ماجہ والی روایت کا متن یہ ہے:
(سیدنا) عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور وہ (صحابہ) تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔
گویا غصے کی وجہ سے آپ کے چہرے پر انار نچوڑ دیا گیا ہو، پھر آپ نے فرمایا: اس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے؟ کیا تم اس لئے پیدا کئے گئے ہو؟ تم بعض قرآن کو بعض سے ٹکرا رہے ہو۔ تم سے پہلی امتیں اس وجہ سے (بھی) ہلاک ہوئی ہیں۔
عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ میں آپ کی کسی مجلس میں پیچھے رہوں سوائے اس مجلس کے یعنی کاش میں اس مجلس میں نہ ہوتا۔

تنبیہ: اس روایت کے راوی عمرو بن شعیب بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں۔ جمہور محدثین کے نزدیک **عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده** والی سند صحیح، حسن اور حجت ہوتی ہے۔ دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہ (۸/۱۸) تہذیب السنن لابن القیم (۶/۷۴-۳۷) الترغیب والترہیب (۵۷۵/۴) نصب الرایہ (۵۸/۱) معارف السنن للبنوری الدیوبندی (۳/۳۱۵) محاسن الاصطلاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح للبلقینی (ص ۴۸۱) اور راقم الحروف کی کتاب الکواکب الدریۃ فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام فی الجہریۃ (ص ۳۴-۳۷)

عبدالرشید نعمانی دیوبندی تقلیدی لکھتے ہیں: ''اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی ان حدیثوں کو حجت مانتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں۔''

(ابن ماجہ اور علمِ حدیث ص ۱۴۱)

جمہور محدثین کی اس توثیق کے مقابلے میں بعض لوگوں کا اس سلسلۂ سند پر جرح کرنا مردود ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: تقدیر کے بارے میں اختلاف کرنا اور بال کی کھال اتارنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔

۲: عقیدۂ تقدیر پر ایمان واجب ہے اور کریدنے والے سوالات سے اجتناب کرنا چاہئے۔

۳: کتاب وسنت کے منافی کاموں پر غصے کا اظہار بالکل صحیح بلکہ شانِ ایمان ہے۔

۴: قرآن کو قرآن سے ٹکرانا (اور حدیث کو حدیث یا قرآن سے ٹکرانا) غلط و باطل ہے۔

۵: اختلاف برائے اختلاف جس میں اصلاح کی غرض ہو نہ مقصودِ علم تو ایسا اختلاف ہلاکت کے اسباب میں سے ہے۔

[**۱۰۰**] وعن أبي موسى قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((إن الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الأرض، فجاء بنو آدم على قدر الأرض منهم الأحمر والأبيض والأسود وبين ذلك والسهل والحزن والخبيث والطيب.))

رواه أحمد والترمذي و أبو داود.

(سیدنا) ابوموسیٰ (الاشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو (مٹی کی) اس مٹھی سے پیدا کیا جسے اُس نے ساری زمین سے لیا تھا پھر اولادِ آدم زمین کی مقدار پر ہوئی، ان میں سرخ، سفید، کالے (رنگ والے) اور بعض ان کے درمیان ہیں اور بعض نرم، سخت، خبیث اور پاکیزہ ہیں۔

اسے احمد (۴/۴۰۰ ح ۱۹۸۱۱) ترمذی (۲۹۵۵ وقال: حسن صحیح) اور ابوداود (۴۶۹۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اسے ترمذی (۲۹۵۵) ابن حبان (الموارد: ۲۰۸۳) حاکم (۲/۲۶۱، ۲۶۲) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

فقه الحدیث:

۱: اللہ تعالیٰ کا زمین سے مٹھی لینا اُس کی صفاتِ مبارکہ میں سے ہے، جس پر ایمان لانا واجب ہے، لیکن اسے مخلوق سے تشبیہ دینا یا اس صفت کا سرے سے انکار کر دینا حرام ہے۔ صفاتِ باری تعالیٰ کی تاویل وتشبیہ اور تعطیل کرنا اہلِ سنت والجماعت کا مسلک نہیں بلکہ اہلِ بدعت ہی ایسے راستوں پر گامزن ہیں جن سے کتاب وسنت کا انکار لازم آتا ہے۔

۲: انسانوں کی رنگت زمین کی مٹی اور علاقوں کی وجہ سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔

۳: عام لوگوں پر علاقائی عقائد، عادات، رسوم ورواج کا اثر ہوتا ہے۔

۴: پاکیزہ (صحیح العقیدہ اور صحیح العمل) لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

۵: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**يا أيها الناس !ألا إن ربكم واحد ، و إن أباكم واحد ، ألا لا فضل لعربي علٰى عجمي، ولا لعجمي علٰى عربي، ولا أحمر علٰى أسود، ولا أسود علٰى أحمر إلا بالتقوىٰ**)) اے لوگو! سُن لو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ ایک ہے، آگاہ ہو جاؤ! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی سُرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سُرخ پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے [یعنی فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے، چاہے سرخ (وسفید) ہو یا کالا، چاہے عربی ہو یا عجمی۔] (مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱ ح ۲۳۴۸۹ وسندہ صحیح)

۶: قوم پرستی، علاقہ پرستی، رنگ پرستی اور (بلا تفریقِ عقیدہ) وطن پرستی وغیرہ کے نظریات کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

[**۱۰۱**] وعن عبدالله بن عمرو ، قال :سمعت رسول الله ﷺ يقول :((إن الله خلق خلقه في ظلمة فألقى عليهم من نوره فمن أصابه من ذلك النور اهتدى ومن أخطاه ضل فلذلك أقول :جف القلم على علم الله)).
رواه أحمد والترمذي .

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک اللہ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا، پھر ان پر اپنے (پیدا کردہ) نور کا جلوہ ڈالا۔ جس کو اس نور میں سے کچھ پہنچا تو وہ ہدایت یافتہ ہوا اور جس تک یہ نور نہ پہنچا تو وہ گمراہ ہوا۔ میں اسی لئے کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر (تقدیر کا) قلم خشک ہو چکا ہے۔ اسے احمد (۲/۱۷۶ ح ۶۶۴۴ ب) اور ترمذی (۲۶۴۲ وقال: ھذا حدیث حسن) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن ہے۔

اسماعیل بن عیاش مختلف فیہ راوی ہیں، اگر وہ اپنے ثقہ وصدوق شامی استادوں سے حدیث بیان کریں تو حسن لذاتہ ہوتی ہے

اور اگر غیر شامیوں مثلاً حجازیوں سے روایت کریں تو ضعیف ہوتی ہے۔ دیکھئے طبقات المدلسین للحافظ ابن حجر (۳/۶۸) وعام کتبِ رجال۔ اسماعیل بن عیاش قولِ راجح میں مدلس نہیں تھے۔ دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۴۹)

اسماعیل بن عیاش اس روایت میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ان کی متابعت کر رکھی ہے، یعنی یہی روایت اوزاعی نے یحییٰ بن ابی عمرو السیبانی (الحمصی الشامی: ثقہ) سے بیان کر رکھی ہے۔

دیکھئے امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الفزاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۶ھ) کی کتاب السیر (ح ۶۴۱) اور المستدرک للحاکم (۱/۳۰ ح ۸۳)

اسے یحییٰ بن ابی عمرو سے ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے کتاب السنۃ لابن ابی عاصم (۲۴۲) وغیرہ

یحییٰ بن ابی عمرو بھی اس روایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ربیعہ بن یزید (الدمشقی: ثقہ عابد) نے اسے عبداللہ بن (فیروز) الدیلمی (ثقۃ من کبار التابعین) سے بیان کیا ہے۔ دیکھئے مسند احمد (ج ۲ ص ۱۷۶ ح ۶۶۴۴ وسندہ صحیح)

اس متابعت کے ساتھ یہ روایت صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: تقدیر برحق ہے۔

۲: یہاں مخلوق سے مراد انسان اور جن ہیں، کیونکہ فرشتے تو نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

۳: سنن ترمذی کی یہ روایت حافظ المزی رحمہ اللہ کی کتاب تحفۃ الاشراف سے رہ گئی ہے۔

نیز دیکھئے المسند الجامع (ج ۱۱ ص ۱۷ ح ۸۳۳۰)

[**۱۰۲**] وعن أنس قال: كان رسول الله ﷺ يكثر أن يقول: ((يا مقلّب القلوب! ثبت قلبي على دينك)) فقلت: يا نبي الله! آمنا بك وبما جئت به فهل تخاف علينا؟ قال: ((نعم! إن القلوب بين أصبعين من أصابع الله يقلبها كيف يشاء))

رواه الترمذي وابن ماجه.

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے یہ فرمایا کرتے تھے: اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر اور آپ جو دین لائے ہیں اُس پر ایمان لائے، کیا آپ ہمارے بارے میں خوف فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! بے شک دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

اسے ترمذی (۲۱۴۰ وقال: ھذا حدیث حسن) اور ابن ماجہ (۳۸۳۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابومعاویہ الضریر کے سماع کی تصریح مسند احمد (۱۱۲/۳ ح ۱۲۱۰۷) میں موجود ہے، لیکن سلیمان بن مہران الاعمش مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ اس روایت میں مرفوع حدیث کے بہت سے شواہد ہیں جن سے یہ حسن صحیح ہے، لیکن ''کیا آپ ہمارے بارے میں خوف فرماتے ہیں؟'' والے جملے کا کوئی صحیح یا حسن شاہد نہیں ہے۔ و اللّٰہ أعلم

[**۱۰۳**] وعن أبي موسى قال :قال رسول اللّٰه ﷺ :((مثل القلب كريشةٍ بأرض فلاة يقلبها الرياح ظهرًا لبطن)) .رواه أحمد .

(سیدنا) ابوموسیٰ (الاشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دل کی مثال اس پَر کی طرح ہے جو چٹیل میدان پر پڑا ہوا ہے (اور) ہوائیں اُسے اُلٹ پلٹ کر (اُڑا) رہی ہیں۔ اسے احمد (۴۰۸/۴ ح ۱۹۸۹۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابوکبشہ السدوسی البصری کی توثیق حاکم نیشاپوری (المستدرک ۴۴۰/۴ ح ۸۳۶۰ بتصحیح حدیثہ) کے علاوہ کسی سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ مجہول الحال راوی ہے۔ مسند احمد (ج ۴ ص ۴۱۹ ح ۱۹۷۵۷) میں اس کا ایک ضعیف شاہد ہے، شعب الایمان للبیہقی (۴۷۳/۱ ح ۷۵۱) میں اس کا دوسرا ضعیف شاہد بھی ہے، لیکن یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''**إنما سمي القلب قلبًا لتقلبه وإنما مثل القلب مثل ريشة بفلاة من الأرض**'' قلب (دل) کو اس کے پھرنے کی وجہ سے دل کہا جاتا ہے اور دل کی مثال چٹیل میدان پر پڑے ہوئے پَر کی طرح ہے۔

(مسند علی بن الجعد: ۱۴۵۰ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۲۶۱/۱)

تنبیہ: روایتِ مذکورہ موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے۔

[**۱۰٤**] وعن علي قال :قال رسول اللّٰه ﷺ : ((لا يؤمن عبد حتى يؤمن بأربع :يشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأني رسول اللّٰه بعثني بالحق ويؤمن بالموت والبعث بعد الموت ويؤمن بالقدر)) . رواه الترمذي وابن ماجه .

(سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لے آئے (۱) اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے (۲) اور یہ کہ میں (محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے (۳) موت اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے پر ایمان (۴) اور تقدیر پر ایمان لائے۔ اسے ترمذی (۲۱۴۵) اور ابن ماجہ (۸۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: یہ روایت معلول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اسے ابن حبان (الاحسان: ۱۷۸) حاکم (۳۳/۱) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے، لیکن اس کی سند معلول ہے۔ ربعی بن حراش رحمہ اللہ اگرچہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، لیکن انھوں نے یہ روایت "**عن رجل عن علي**" کی سند سے بیان کی ہے۔

(دیکھئے سنن الترمذی: ۲۱۴۵/۲، مسند ابی داود الطیالسی: ۱۰۶، مسند احمد ۱۳۳/۱ ح ۱۱۱۲، مسند عبد بن حمید: ۷۵، شرح السنۃ للبغوی ۱۲۲/۱ ح ۶۶، کتاب القدر للفریابی: ۱۹۲، ۱۹۳، کتاب القدر للبیہقی: ۱۹۳، ۱۹۴)

المزید فی متصل الاسانید کا مسئلہ ہے کہ اگر ایک روایت میں راوی کا اضافہ ہو اور دوسری میں وہ راوی موجود نہ ہو تو اسی اضافے کا اعتبار ہے اِلا یہ کہ اضافے کے بغیر والی روایت میں راوی کی اپنے استاد سے سماع کی تصریح ہو۔

دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح (ص ۲۹۰ نوع ۳۷)

روایتِ مذکورہ میں ربعی بن حراش نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح نہیں کی، لہٰذا زائد راوی (رجل من بنی اسد) کے اضافے کا ہی اعتبار ہے، امام دارقطنی نے بھی اسی اضافے کو صواب (صحیح) قرار دیا ہے۔

دیکھئے العلل للدارقطنی (ج ۳ ص ۱۹۶، ۱۹۷ س: ۳۵۷)

اور یہ رجل مجہول ہے۔

المزید فی متصل الاسانید کے بنیادی اصولِ حدیث کی رُو سے امام ترمذی و حافظ مقدسی صاحب المختارۃ کا قول مرجوح و غیر صواب ہے۔

اس حدیث کے معنوی شواہد ہیں، لیکن اس روایت میں "**أني رسول الله**" کے الفاظ کا کوئی شاہد نہیں ملا۔ واللہ اعلم

[**۱۰۵**] **وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: ((صنفان من أمتي ليس لهما في الإسلام نصيب: المرجئة والقدرية .))**

رواه الترمذي وقال :هذا حديث غريب .

(سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے دو گروہوں کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے: مرجیہ اور قدریہ۔

اسے ترمذی (۲۱۴۹) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اسے ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ (۶۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس کا راوی نزار بن حیان الاسدی ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۱۰۴، انوار الصحیفۃ ص ۶۱۲، اور کتاب المجروحین لابن حبان ۵۶/۳)

اس روایت کے بہت سے ضعیف شواہد ہیں جن کے باوجود بھی یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

تنبیہ: سنن ترمذی کے قدیم قلمی نسخے میں اس حدیث کے بعد امام ترمذی کا قول لکھا ہوا ہے کہ "**هذا حديث حسن غريب**"

(ص ۱۴۱ب)

محدث متساہل ہو یا معتدل اس کی وہی توثیق وتضعیف اور تصحیح وتضعیف معتبر ہے جو جمہور محدثین کے خلاف نہ ہو۔ یادرہے کہ جس روایت کی سند صحیح یا حسن لذاتہ نہ ہوتو وہ روایت دین میں حجت نہیں ہوتی، لہٰذا اس کے فوائد وفقہ الحدیث لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

[**١٠٦**] وعن ابن عمر قال :سمعت رسول الله ﷺ يقول:((يكون في أمتي خسف ومسخ وذلك فى المكذبين بالقدر .))
رواه أبو داود ، و روى الترمذي نحوه .

(سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا: میری اُمت میں خسف اور مسخ ہو گا اور یہ تقدیر کوجھٹلانے والوں میں ہوگا۔
اسے ابو داود (۴۶۱۳ بغیر ھذا اللفظ) اور ترمذی (۲۱۵۲ نحوالمعنی باختلاف یسیر) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔

اسے بعض اختلاف کے ساتھ ابن ماجہ (۴۰۶۱) وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔امام ترمذی نے فرمایا:''حسن صحیح غریب'' اوراسے حاکم وذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔دیکھئے المستدرک (۸۴/۱ ح ۲۸۵)

اس حدیث کے راوی ابوصخر حمید بن زیاد کو جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے، لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں اوران پر جرح مردود ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: خسف کا مطلب زمین کا دھنس جانا اور مسخ کا مطلب شکلیں مسخ ہوجانا ہے۔ یہ اُمور قیامت سے پہلے اہلِ بدعت میں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں واقع ہوں گے۔بعض کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور بعض کی شکلیں مسخ ہوں گی اور ممکن ہے کہ بعض کے ساتھ دونوں کام بھی ہوں۔ واللہ اعلم

۲: تقدیر پر ایمان لانا فرض اوراس کا انکار حرام ہے۔

۳: سنن ترمذی کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعتی کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (بدعتِ کبریٰ والے) اہلِ بدعت کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ جب سلام کا جواب مشروع نہیں ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟

۴: سنن ابی داود والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بدعت سے (اگر بدعت کبریٰ ہوتو) ہجر (بائیکاٹ کرنا) بھی جائز ہے۔

۵: یہ روایت غیب کی ان خبروں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی بتائیں اوراس کا وقوع ابھی باقی ہے۔

۶: اس روایت میں امت سے مراد اُمتِ اجابت ہے۔

[**۱۰۷**] **وعنه قال قال رسول الله ﷺ : ((القدرية مجوس هذه الأمة إن مرضوا فلا تعودوهم و إن ماتوا فلا تشهدوهم .)) رواه أحمد ، و أبو داود .**

اور انھی (سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قدریہ (تقدیر کا انکار کرنے والے) اس امت کے مجوسی ہیں، اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرنا اور اگر وہ مر جائیں تو تم (ان کے جنازے میں) حاضر نہ ہونا۔ اسے احمد (۸٦/۲ ح ۵۵۸۴، ۱۲۵/۲ ح ٦۰۷۷) اور ابوداود (۴٦۹۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ [لیکن حدیث صحیح ہے۔]
اسے حاکم (۸۵/۱) اور دوسرے محدثین نے بھی بیان کیا ہے، لیکن اس کی سند منقطع ہے۔
ابوحازم سلمہ بن دینار نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۴۳۱/۷)
(عبدالعزیز) ابن ابی حازم نے کہا: ''**من حدّ ثك أن أبي سمع من أحد من أصحاب رسول الله ﷺ غير سهل بن سعد فقد كذب**'' جو شخص تجھے بتائے کہ میرے والد نے سہل بن سعد (رضی اللہ عنہ) کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی سے سنا ہے تو اس نے جھوٹ کہا۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۰۸۹ وسندہ صحیح)
المعجم الاوسط للطبرانی (۱۱۴/۵ ح ۴۲۱۷) میں اس کا ایک صحیح شاہد ہے۔
حمید الطّویل کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کے لئے دیکھئے ص ۳۱۸

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے قدریوں کے بارے میں فرمایا: ''**أولئك مجوس هذه الأمة**'' وہ اس امت کے مجوسی ہیں۔
(السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۹۵۸ وسندہ حسن)
امام بیہقی نے کتاب القدر (ح ۲۱۰) میں اس مفہوم کی روایت ''**سفيان (الثوري) عن عمر بن محمد عن نافع عن ابن عمر**'' کی سند سے بیان کر کے کہا: ''**هذا إسناد صحيح إلا أنه موقوف**''!

[١٠٨] وعن عمر قال :قال رسول الله ﷺ :
((لا تجالسوا أهل القدر ولا تفاتحوهم .))
رواه أبو داود

(سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہلِ قدر (تقدیر کے منکرین) کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے (باتیں وغیرہ کرنے میں) پہل کرو۔
اسے ابوداود (۴۷۱۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔
حکیم بن شریک الہذلی مجہول ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۴۷۵) اسے صرف ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔
سنن ابی داود کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن حبان (الاحسان: ۷۹) مسند احمد (۱/۳۰) المستدرک للحاکم (۱/۸۵ ح ۲۸۷) التاریخ الکبیر للبخاری (۳/۱۵) اور السنۃ لابن ابی عاصم (۳۳۰) میں بھی اسی سند سے موجود ہے۔

[١٠٩] وعن عائشة قالت :قال رسول اللّٰه ﷺ :
((ستة لعنتهم ولعنهم اللّٰه وكل نبي يجاب :الزائد في كتاب اللّٰه والمكذب بقدر اللّٰه والمتسلط بالجبروت ليعز من أذله اللّٰه و يذل من أعزه اللّٰه والمستحل لحرم اللّٰه والمستحل من عترتي ما حرم اللّٰه والتارك لسنتي.))
رواه البيهقي في المدخل و رزين في كتابه .

(سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھ آدمیوں پر میں نے اور اللہ نے لعنت بھیجی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے:
(۱) کتاب اللہ میں اضافہ کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کو جھوٹا سمجھنے والا (۳) طاقت کے ساتھ حکومت پر قبضہ کرنے والا تاکہ جنھیں اللہ نے ذلیل بنایا تھا انھیں عزت دے اور جنھیں اللہ نے عزت دی تھی انھیں ذلیل کردے (۴) اللہ کے حرام کو حلال کرنے والا (۵) میرے اہلِ بیت کی عزت کو حلال کرنے والا جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے (٦) اور میری سنت کا تارک۔ اسے بیہقی نے المدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ روایت نہ تو المدخل للبیہقی (مطبوع) میں ملی ہے اور نہ رزین کی کتاب کہیں سے دستیاب ہوسکی ہے، لیکن اسے ترمذی (۲۱۵۴) بیہقی (شعب الایمان: ۴۰۱۰، ۴۰۱۱) ابن حبان (الاحسان: ۵۷۱۹ دوسرا نسخہ: ۵۷۴۹) ابن ابی عاصم (السنۃ: ۴۴، ۳۳۷) طحاوی (مشکل الآثار ۴/۳٦٦) اور حاکم (۲/۵۲۵ ح ۳۹۴۹، اتحاف المہرہ ۱۷/٦۷۷ ح ۲۳۱۹۷) نے اسے سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔عبدالرحمٰن بن ابی الموال صحیح بخاری کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں، لہٰذا ان کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن موہب جمہور کے نزدیک موثق راوی ہیں۔
دیکھئے تہذیب التہذیب (بحاشیتی ج ۷ص ۲۶، ۲۷) لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔
عمرہ بنت عبدالرحمٰن مشہور ثقہ راویہ ہیں۔
بعض نے ابن موہب اور عمرہ کے درمیان ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا واسطہ ذکر کیا ہے۔
(دیکھئے المستدرک ۱/۳۶ ح ۱۰۲، وقال: صحیح الاسناد)

ابوبکر بن محمد صحیحین کے راوی اور ثقہ عابد تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۹۸۸)

فقه الحديث:

۱: تشریح وتفسیر کے بغیر جان بوجھ کر کتاب اللہ کے الفاظ یا مفہوم میں سلف صالحین کے خلاف اضافہ کرنا حرام ہے۔
۲: تقدیر کا انکار حرام ہے۔
۳: اہلِ بیت کی عزت واحترام واجب (فرض) ہے۔اہلِ بیت کی توہین کرنا لعنتیوں کا کام ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ اہلِ بیت میں نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی تمام بیویاں (امہات المومنین) بھی شامل ہیں۔
۴: سنتِ ضروریہ کو ترک کرنا حرام ہے جیسا کہ بعض لوگ داڑھی منڈواتے ہیں۔عام سنتوں کو بھی استخفاف کی نیت سے ترک کرنا حرام ہے۔
۵: ہر مسلم پر لازم ہے کہ ہر حال میں ان تمام امور سے اپنے آپ کو بچائے جن پر اللہ اور رسول نے لعنت بھیجی ہے۔
۶: مطلقاً تارکِ سنت یعنی تمام سنتوں کا تارک ملعون ہے۔

[**۱۱۰**] وعن مطر بن عكامس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((إذا قضى الله لعبدٍ أن يموت بأرضٍ جعل له إليها حاجة .))
رواه أحمد والترمذي .

(سیدنا) مطر بن عکامس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جب اللہ کسی بندے کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں جگہ وہ مرے گا تو وہ اسے وہاں لے جاتا ہے۔اسے احمد (۵/۲۲۷ ح ۲۲۳۳۲) اور ترمذی (۲۱۴۶، وقال: حسن غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: صحیح ہے۔

اسے حاکم (۱/۴۲ ح ۱۲۵، ۱۲۶) اور ذہبی نے بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔اس میں ابواسحاق السبیعی مدلس راوی ہیں، لیکن سنن الترمذی (۲۱۴۷) میں اس کا بعینہ اسی معنی کا صحیح شاہد بھی ہے، جس کے بارے میں امام ترمذی نے کہا: ''هـذا حـديـث

صحیح‘‘اس کی سند صحیح ہے اور اسے ابن حبان (الموارد:۱۸۱۵) حاکم (۴۲/۱) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

فقه الحديث:

۱: جس آدمی کے مرنے کا تقدیر میں جو وقت اور جگہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے وہ وہاں پہنچ جاتا ہے۔

۲: عقیدۂ تقدیر برحق ہے۔

۳: بعض نسخوں میں عکامس کی جگہ عکام لکھا ہوا ہے جبکہ صحیح عکامس ہے جیسا کہ مشکوٰۃ درسی (نسخہ ہندیہ ص۲۲) میں ہے۔

[۱۱۱] وعن عائشة رضي الله عنهاقالت قلت : يا رسول الله ! ذراري المؤمنين ؟ قال :((من آبائهم .)) فقلت : يا رسول الله ! بلا عمل؟ قال :((الله أعلم بما كانوا عاملين .)) قلت : فذراري المشركين ؟ قال:((من آبائهم.)) قلت :بلا عمل ؟ قال :((الله أعلم بما كانوا عاملين.))
رواه أبو داود .

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! مومنوں کے بچے (کہاں ہوں گے)؟ فرمایا: وہ اپنے والدین کے ساتھ ہیں۔ میں نے پوچھا: بغیر عمل کے؟ آپ نے فرمایا: اللہ جانتا ہے جو اعمال وہ کرنے والے تھے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! مشرکین کے بچے (کہاں ہوں گے)؟ فرمایا: وہ اپنے والدین کے ساتھ ہیں۔ میں نے پوچھا: بغیر عمل کے؟ آپ نے فرمایا: اللہ جانتا ہے جو اعمال وہ کرنے والے تھے۔ اسے ابو داود (۴۷۱۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند صحیح ہے۔

بقیہ بن الولید نے سماع مسلسل کی تصریح کر دی ہے، دیکھئے الشریعہ للآجری (ص۱۹۵) اور محمد بن حرب نے ان کی متابعت کر رکھی ہے۔ (سنن ابی داود:۴۷۱۲)

مسند احمد (ج۶ص۸۴ح۲۴۵۴۵) میں اس کی دوسری سند بھی ہے۔

فقه الحديث:

۱: اس حدیث میں بھی مسئلۂ تقدیر بیان ہوا ہے۔ نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث:۳۶ص۹

۲: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان ’’بلا عمل‘‘ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کے نزدیک بھی ’’عمل‘‘ ایمان میں سے ہے اور اقرار و تصدیق کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔

۳: کون کہاں جائے گا؟ سب اللہ جانتا ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے اور اسے ہی تقدیر کہتے ہیں۔

۴: اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو اہلِ ذکر (علماء) سے پوچھنا چاہئے۔

[۱۱۲] وعن ابن مسعود قال :قال رسول اللّٰه ﷺ : ((الوائدة و الموؤدة فی النار .))
رواه أبو داود والترمذي.

(سیدنا) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی گئی دونوں (جہنم کی) آگ میں ہیں۔
اسے ابوداود (۴۷۱۷) اور ترمذی (؟) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔
زکریا بن ابی زائدہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے اور ان کی ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی سے روایت صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے، لہٰذا اس روایت میں اختلاط کا الزام غلط ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: کفار کی اولاد کا وہی حکم ہے جو ان کے والدین کا ہے۔
۲: اگر کوئی کافر مظلوم مارا جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔
۳: بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک معین شخص کے بارے میں خاص واقعہ ہے۔ واللہ اعلم
۴: مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ح۹۳ (الحدیث:۳۶ ص۹)
۵: یہ روایت سنن ترمذی میں نہیں ملی اور مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں صرف "رواہ أبو داود" لکھا ہوا ہے اور یہی راجح ہے۔

❁❁❁

الفصل الثالث

[**١١٣**] عن أبي الدرداء قال :قال رسول اللّٰه ﷺ :((إن اللّٰه عزّ وجل فرغ إلى كل عبد من خلقه من خمس :من أجله وعمله و مضجعه، و أثره ورزقه)) رواه أحمد .

(سیدنا) ابو الدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ہر بندے کے بارے میں پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے: اس کی مدتِ عمر، اس کے عمل، اس کے لیٹنے، چلنے پھرنے کی جگہ اور رزق سے۔ اسے احمد (۱۹۷/۵ ح ۲۲۰۶۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

اس روایت کی سند میں فرج بن فضالہ ضعیف راوی ہے، لیکن مروان بن محمد (السنۃ لابن ابی عاصم: ۳۰۴) اور ولید بن مسلم (السنۃ: ۳۰۵) وغیرہما نے اس کی متابعت کر رکھی ہے۔ اسی طرح وزیر بن صبیح (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۱۱۷) اور عوام بن صبیح (کشف الاستار، زوائد البزار: ۲۱۵۲) وغیرہما نے یہی روایت یونس بن میسرہ بن حلبس سے بیان کر رکھی ہے، لہٰذا یہ روایت حسن ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: **أجله** سے مراد موت اور مدتِ عمر ہے۔

۲: **مضجعه** سے مراد لیٹنے کی جگہ یعنی قبر ہے۔

۳: تقدیر کا فیصلہ ازل سے ہو چکا ہے۔

[**١١٤**] وعن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت : سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول :((من تكلم في شيً من القدرِ سئل عنه يوم القيامة ومن لم يتكلم فيه لم يسأل عنه .)) رواه ابن ماجه .

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے تقدیر کے بارے میں کوئی کلام کیا تو قیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا اور جس نے تقدیر کے بارے میں خاموشی اختیار کی تو اس سے نہیں پوچھا جائے گا۔ اسے ابن ماجہ (۸۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اسے ابوبکر الآجری نے بھی کتاب الشریعہ (ص ۲۳۵ ح ۵۳۱) میں یحیٰی بن عثمان کی سند سے بیان کیا ہے۔
اس کا راوی یحیٰی بن عثمان التیمی القرشی ابوسہل البصری ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۶۰۶)
علامہ بوصیری نے کہا کہ اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (زوائد ابن ماجہ: ۸۴)
یحیٰی بن عثمان کا استاد یحیٰی بن عبداللہ بن ابی ملیکہ لین الحدیث (ضعیف) ہے۔ (تقریب التہذیب: ۷۵۸۷)

[**۱۱۵**] وعن ابن الديلمي قال :أتيت أبي بن كعب فقلت له :قد وقع في نفسي شئ من القدر فحدثني لعل اللّٰه أن يذهبه من قلبي .فقال:لو أن اللّٰه عزوجل عذّب أهل سماواته و أهل أرضه عذبهم وهو غير ظالم لهم ولو رحمهم كانت رحمته خيرًا لهم من أعمالهم و لو أنفقت مثل أحد ذهبًا في سبيل اللّٰه ما قبله اللّٰه منك حتى تؤمن بالقدر و تعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك و أن ما أخطأك لم يكن ليصيبك . ولو مت علٰى غير هٰذا لدخلت النار. قال :ثم أتيت عبداللّٰه بن مسعود فقال مثل ذلك . قال :ثم أتيت حذيفة بن اليمان فقال مثل ذلك . ثم أتيت زيد بن ثابت فحدثني عن النبي ﷺ مثل ذلك .
رواه أحمد و أبو داود وابن ماجه .

(عبداللہ بن فیروز) ابن الدیلمی (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں (سیدنا) ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا اور انھیں کہا: میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ شبہ واقع ہو گیا ہے، لہٰذا آپ مجھے کوئی حدیث بیان کریں تاکہ یہ شبہ میرے دل سے نکل جائے۔ تو انھوں نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان والوں کو عذاب دینا چاہے تو وہ ظالم نہیں ہوگا اور اگر ان پر رحم کرنا چاہے تو اس کی رحمت مخلوق کے اعمال سے بہتر ہے۔ اگر تم اللہ کے راستے میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دو تو اللہ قبول نہیں کرے گا، جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور یہ جان لو! کہ جو مصیبت تمھارے لئے لکھی ہوئی ہے اس نے ٹلنا نہیں تھا اور جو مصیبت ٹل گئی ہے اس نے آنا نہیں تھا۔ اگر تم اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدے پر مرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔ پھر میں (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں (سیدنا) حذیفہ بن الیمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں (سیدنا) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو انھوں نے بھی مجھے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح کی حدیث بیان کی۔ اسے احمد (۱۸۲/۵، ۱۸۳ ح ۲۱۹۲۲) ابوداود (۴۶۹۹) اور ابن ماجہ (۷۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔(مسند احمد ۵/۱۸۲ح ۲۱۵۸۹) اور اسحاق بن سلیمان الرازی وغیرہ نے ان کی متابعت کر رکھی ہے۔اس روایت کو ابن حبان (الاحسان: ۷۲۷، الموارد: ۱۸۱۷) نے صحیح قرار دیا ہے۔

ابو سنان سعید بن سنان البرجمی الشیبانی حسن الحدیث ہیں، جمہور محدثین نے انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: تقدیر پر ایمان لائے بغیر، قیامت کے دن نجات نہیں ہوگی۔

۲: صحابۂ کرام کا یہ (اجماعی) عقیدہ تھا کہ تقدیر برحق ہے۔

۳: آدمی کو چاہئے کہ وہ مسلسل تحقیق میں مشغول رہے اور جب بھی دلیل ملے تو اسے مضبوطی سے تھام لے۔

۴: ایک عالم سے مسئلہ پوچھنے کے بعد دوسرے عالم سے بھی مسئلہ پوچھا جاسکتا ہے۔

۵: مرفوع حدیث کو بعض راویوں کے موقوف بیان کرنے سے مرفوع حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی۔

۶: عقائد میں تمام اہلِ حق متحد ہیں۔اختلاف تو صرف اجتہادی مسائل میں ہے۔

۷: اگر کسی آدمی کو اہلِ بدعت اپنی چرب زبانی کی وجہ سے شبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش کریں تو علمائے حق کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

۸: سلف صالحین کا فہم وہ مشعل ہے جس کی وجہ سے آدمی گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

۹: علمائے حق کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر مسئلہ بیان کرتے وقت ضرور بالضرور دلیل بیان کریں، البتہ دلیل پوچھنے پر ٹال مٹول اور قیل وقال کے بجائے ضرور دلیل بتانی چاہیے اور افضل یہی ہے کہ مسئلہ دلیل کے ساتھ بیان کیا جائے تا کہ جو زندہ رہے وہ دلیل دیکھ کر جئے اور جو مرے وہ دلیل دیکھ کر مرے۔

۱۰: دلیل کے مقابلے میں ہر شخص کی بات مردود ہے، چاہے وہ کتنا بڑا مجتہد وامام ہی کیوں نہ ہو۔

۱۱: اللہ تعالیٰ کے ہاں اہلِ بدعت کے اعمال مقبول نہیں ہیں، چاہے وہ کتنے ہی بڑے اعمال کیوں نہ ہوں۔

۱۲: تقلید جائز نہیں ہے اور نہ علمائے حق سے مسئلہ پوچھنا تقلید ہے۔

۱۳: اجماع شرعی حجت ہے۔

۱۴: قرآن وحدیث سے دلوں کو اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے۔

۱۵: بندے کو پہنچنے والا دکھ یا سکھ پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔

[١١٦] وعن نافع أنّ رجلاً أتى ابن عمر فقال : إنّ فلاناً يقرأ عليك السلام. فقال :إنه بلغني أنه قد أحدث ، فإن كان قد أحدث فلا تقرئه مني السلام، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((يكون في أمتي ـ أو في هذه الأمة ـ خسف ، أو مسخ ، أو قذف في أهل القدر .)) رواه الترمذي و أبو داود وابن ماجه . وقال الترمذي :هذا حديث حسن صحيح غريب .

نافع رحمہ اللہ (مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے (سیدنا عبداللہ) بن عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آ کر کہا: فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے۔تو انھوں نے فرمایا: مجھے پتا چلا ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے، پس اگر (یہ بات صحیح ہے کہ) وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اسے میرا سلام نہ کہنا ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا : میری اُمت یا اس اُمت میں خسف (زمین کا دھنس جانا) یا مسخ (شکلوں کا مسخ ہو جانا) یا قذف (پتھروں کا برسنا) ہوگا اور یہ سب باتیں قدریہ کے بارے میں ہوں گی۔اسے ترمذی (٢١٥٢) ابوداود (٤٦١٣) اور ابن ماجہ (٤٠٦١) نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا: ''ھذا حدیث حسن صحیح غریب''

تحقيق الحديث: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم (٨٤/١) اور ذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔اس روایت کے راوی ابوصخر حمید بن زیاد جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہیں، لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔

فقه الحديث:

١: بدعتِ کبریٰ والے بدعتی کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

٢: ضرورت یا شرعی عذر کی بنا پر اہلِ بدعت سے مکمل بائیکاٹ بھی کیا جا سکتا ہے۔

٣: قدریہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور یہ بدعتِ کبریٰ ہے۔یاد رہے کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بعض لوگوں کو قدریہ میں شمار کیا گیا ہے، جیسے قتادہ وغیرہ ،اس سے مراد تقدیر کا انکار کرنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شر شیطان کی طرف سے ہے اور بہت سے لوگوں پر قدری ہونے کا الزام ہوتا ہے، جیسے مکحول وغیرہ لیکن تحقیق کے میدان میں یہ الزام باطل و مردود ہوتا ہے۔

٤: قیامت سے پہلے اُمتِ مسلمہ کے بعض مبتدعین کے چہرے مسخ کئے جائیں گے اور بعض کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوگی۔

٥: اہلِ ایمان کی یہ خوبی ہے کہ وہ دلائل بیان کر کے مسلسل کتاب وسنت کا پرچم سر بلند رکھتے ہیں۔

[١١٧] وعن علي رضي اللّٰه عنه قال: سألت خديجة النبي ﷺ عن ولدين ماتا لها في الجاهلية . فقال رسول اللّٰه ﷺ: ((هما في النار .)) قال: فلما رأى الكراهة في وجهها قال: ((لو رأيت مكانهما لأبغضتهما .)) قالت: يا رسول اللّٰه! فولدي منك؟ قال: ((في الجنة .)) ثم قال رسول اللّٰه ﷺ: ((إنّ المؤمنين و أولادهم في الجنة و إنّ المشركين و أولادهم في النار .)) ثم قرأ رسول اللّٰه ﷺ: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ رواه أحمد .

(سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدہ) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے نبی ﷺ سے اپنے دو بچوں کے بارے میں پوچھا جو کہ دورِ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں آگ میں ہیں۔ پھر جب آپ نے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے چہرے پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھے تو فرمایا: اگر تم ان کی جگہ دیکھتی تو ان سے نفرت کرتی۔ خدیجہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ سے میری (فوت شدہ) اولاد کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ جنت میں ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے۔ مشرکین اور ان کی اولاد جہنم میں ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی، ہم نے ان کی اولاد کو ان سے ملا دیا۔ [الطّور: ۲۱] اسے (عبداللہ بن) احمد نے (زوائد المسند ۱۳۴/۱، ۱۳۵ ح ۱۱۳۱) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔
اس کا راوی محمد بن عثمان مجہول ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۶۴۲/۳)
یاد رہے کہ مجہول کی روایت ضعیف ہوتی ہے جیسا کہ اصولِ حدیث میں مقرر ہے۔

[١١٨] وعن أبي هريرة قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ((لما خلق اللّٰه آدم مسح ظهره فسقط عن ظهره كل نسمة هو خالقها من ذريته إلى يوم القيامة وجعل بين عيني كل إنسان منهم و بيصًا من نور ثم عرضهم على آدم فقال: أي رب! من

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا تو اُن کی پیٹھ پر (ہاتھ) پھیرا، ہر روح جسے اللہ قیامت سے پہلے پیدا کرے گا۔ اُن کی پیٹھ سے گر گئی اور ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک رکھی گئی، پھر اللہ نے انھیں

هؤلاء ؟ قال :ذريتك . فرأى رجلاً منهم فأعجبه و بيص ما بين عينيه قال :أي رب !من هذا؟ قال : داود . فقال :رب !كم جعلت عمره؟ قال ستين سنة. قال : رب زده من عمري أربعين سنة .)) قال رسول الله ﷺ :((فلما انقضى عمر آدم إلا أربعين جاءه ملك الموت فقال آدم :أولم يبق من عمري أربعون سنة ؟ قال :أولم تعطها ابنك داود ؟ فجحد آدم فجحدت ذريته و نسي آدم فأكل من الشجرة ، فنسيت ذريته و خطأ و خطأت ذريته .)) رواه الترمذي .

آدم (علیہ السلام) کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے کہا: اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ نے فرمایا: تیری اولاد ہے۔ پھر انھوں نے ان میں سے ایک آدمی دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان نور کی چمک انھیں اچھی لگی۔ کہا: اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا: داود (علیہ السلام) ہیں۔ کہا: اے میرے رب! تُو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال، کہا: اے میرے رب! میری عمر میں سے چالیس سال انھیں دے دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدم (علیہ السلام) کی عمر میں سے صرف چالیس سال رہ گئے تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا۔ آدم (علیہ السلام) نے کہا: کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے کہا: کیا آپ نے وہ اپنے بیٹے داود (علیہ السلام) کو نہیں دے دیئے تھے؟ پس آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا۔ آدم (علیہ السلام) نے بھول کر درخت میں سے کھا لیا تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ آدم (علیہ السلام) کو لغزش ہوئی تو ان کی اولاد نے بھی غلطیاں کیں۔ اسے ترمذی (۳۰۷۶ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم (۵۸۶/۲) نے بھی صحیح کہا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: اس روایت میں نور سے مراد ایمان کا نور اور فطرتِ سلیمہ ہے۔

۲: بھول جانا انسانی فطرت میں شامل ہے۔

۳: یہ حدیث سورۃ الاعراف کی آیت: ۱۷۲ کی شرح میں ہے۔

۴: سیدنا داود علیہ السلام بہت خوبصورت تھے۔

۵: ہر جاندار کی عمر اتنی ہی ہوتی ہے جتنی اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اور جب موت کا مقرر وقت آتا ہے تو پھر اُسے کوئی چیز ٹال نہیں سکتی۔

۶: لمبی زندگی سے محبت فطرتِ انسانی میں شامل ہے۔

۷: سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک جتنے بھی انسان ہیں وہ سب کے سب آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں یعنی سیدنا آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں۔

[۱۱۹] وعن أبي الدرداء عن النبي ﷺ قال : ((خلق اللّٰه آدم حين خلقه، فضرب كتفه اليمنى فأخرج ذرية بيضاء كأنهم الذر، وضرب كتفه اليسرى فأخرج ذرية سوداء كأنهم الحمم، فقال للذي في يمينه :إلى الجنة ولا أبالي ، وقال للذي في كتفه اليسرى:إلى النار ولا أبالي . رواه أحمد .

(سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا دایاں کندھا ہلایا پھر اس سے چیونٹیوں جیسی سفید اولاد نکالی اور بایاں کندھا ہلایا تو اس سے کوئلے جیسی کالی سیاہ اولاد نکالی۔ پھر (کندھے کے) دائیں طرف والوں کے بارے میں فرمایا: جنتی ہیں اور مجھے کوئی پروانہیں، اور بائیں کندھے والوں کے بارے میں فرمایا: جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پروانہیں ہے۔
اسے احمد (۶/۴۴۱ ح ۲۸۰۳۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔

ابوالربیع سلیمان بن عتبہ السلمی جمہور محدثین کے نزدیک موثق راوی ہیں، لہٰذا وہ قولِ راجح میں حسن الحدیث ہیں۔ ''الموسوعۃ الحدیثیہ'' (۴۵/۴۸۱) کے محقق یا محققین کا ابوالربیع مذکور پر جرح کرنا غلط ہے۔ ہیثم بن خارجہ بھی ثقہ وصدوق ہیں اور باقی سند صحیح لذاتہ ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: انسانوں کی پیدائش سے پہلے تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں بلکہ ہر چیز کو اس کا علم وقدرت محیط ہے۔

۳: اس حدیث اور دیگر احادیث سے دائیں جانب کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

[۱۲۰] وعن أبي نَضْرة أن رجلاً من أصحاب النبي ﷺ يقال له : أبوعبداللّٰه، دخل عليه أصحابه يعودونه وهو يبكي، فقالوا له :مايبكيك ؟ ألم يقل لك رسول اللّٰه ﷺ :((خذ من شاربك

ابونضرہ (منذر بن مالک، تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ابوعبداللہ نامی ایک صحابی کے پاس جب ان کے ساتھی بیمار پرسی کے لئے گئے تو وہ رو رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا رسول اللہ

ثم أقرّه حتى تلقاني؟)) قال : بلى ولكن سمعت رسول الله ﷺ يقول :((إن الله عز وجل قبض بيمينه قبضة وأخرى باليد الأخرى وقال :هذه لهذه وهذه لهذه ولا أبالي)) ولا أدري في أي القبضتين أنا ؟ رواه أحمد .

ﷺ نے آپ سے نہیں فرمایا تھا کہ ہمیشہ اپنی مونچھوں میں سے کاٹتے رہو حتیٰ کہ مجھ سے آملو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں ! لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا (تھا) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک مٹھی لی اور (پھر) دوسرے ہاتھ سے دوسری مٹھی لی اور فرمایا: ''یہ اس (جنت) کے لئے ہیں اور یہ اس (جہنم) کے لئے ہیں اور مجھے کوئی پروانہیں۔'' مجھے یہ پتانہیں کہ میں کس مُٹھی میں سے ہوں۔! اسے احمد (۴/۱۷۶ ح۱۷۷۳۶، ۵/۶۸ ح۲۰۹۴۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحابی کا نام معلوم نہ ہونا ذرا بھی مضر نہیں ہے، کیونکہ تمام صحابۂ کرام عدول (سچے) تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث سے بھی تقدیر کا برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۲: یہ حدیث اور سابقہ حدیث ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

۳: چاہے کتنا ہی بڑا نیک انسان ہو، لیکن اپنے نیک اعمال پر کبھی فخر نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

۴: اللہ کا ہاتھ اور مٹھی اُس کی صفات ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان صفات کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بعض گمراہ لوگ مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور بعض گمراہ تاویل وغیرہ کر کے ان صفات کا انکار کر دیتے ہیں، ان دونوں گروہوں کا یہ طرزِ عمل قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے متفقہ فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔

۵: اصل کامیاب وہ لوگ ہیں جو مرنے کے بعد جنت میں اپنے محبوب اور امام سیدنا رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں گے۔

فداه أبي و أمي و روحي

[۱۲۱] وعن ابن عباس رضي الله عنه ، عن النبي ﷺ قال : ((أخذ اللّٰه الميثاق من ظهر آدم بنَعمان ـ يعني عرفة ـ فأخرج من صلبه كل ذرية ذرأها فنثرهم بين يديه كالذّر ثم كلمهم قُبُلاً قال : ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ڔ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾)) رواه أحمد .

(سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے نَعمان (کی وادی) یعنی عرفات کے پاس وعدہ لیا۔ اللہ نے آدم کی پشت سے ساری (ہونے والی) اولاد کو نکالا اور ان کے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلا دیا پھر اُن سے رُوبرُو کلام کیا، فرمایا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! (تُو ہمارا رب ہے) ہم نے گواہی دی۔ تاکہ تم روزِ قیامت یہ نہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے، یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے آباء واجداد نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے، کیا تم باطل کام کرنے والوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرتے ہو؟ اسے احمد (۲۷۲/۱ ح ۲۴۵۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔

کلثوم بن جبر صحیح مسلم کے راوی اور جمہور کے نزدیک موثق ہیں، لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔ جریر بن حازم کو حافظ ابن حجر نے مدلسین کے طبقۂ اولیٰ میں ذکر کیا ہے، لیکن قولِ راجح میں وہ مدلس نہیں بلکہ تدلیس سے بری ہیں۔
دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۲۱)

ان پر تدلیس کا الزام یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی نے لگایا تھا اور یہ یحییٰ الحمانی بذاتِ خود سخت ضعیف بلکہ ساقط العدالت راوی ہے، لہٰذا اس کی جرح مردود ہے۔

اس حدیث کو امام احمد کے علاوہ ابن ابی عاصم (السنۃ: ۲۰۲) نسائی (السنن الکبریٰ: ۱۱۱۹۱، وقال : و كلثوم هذا ليس بالقوي وحديثه ليس بالمحفوظ) حاکم (المستدرک ۲۷/۱، ۵۴۴/۲) اور بیہقی (الاسماء والصفات ص ۳۲۶، ۳۲۷) وغیرہم نے بیان کر رکھا ہے۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس روایت پر امام نسائی کی جرح صحیح نہیں ہے اور قولِ راجح میں یہ حدیث موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح سے صحیح وحسن ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: یہ حدیث سورۃ الاعراف کی آیت (۱۷۲۔۱۷۳) کی تفسیر ہے۔
۲: موقوف روایت تفسیر ابن جریر الطبری (۷۵/۹) میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔
۳: اسلام دینِ فطرت ہے۔

[**١٢٢**] وعن أُبَي بن كعب في قول الله عزّوجل : ﴿ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ قال :جمعهم فجعلهم أزواجًا ثم صوّرهم فاستنطقهم فتكلموا ثم أخذ عليهم العهد والميثاق ﴿وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ ج أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط﴾ قالوا:بلى . قال :فإني أشهد عليكم السماوات السبع والأرضين السبع و أشهد عليكم أباكم آدم أن تقولوا يوم القيامة :لم نعلم بهذا . اعلموا أنه لا إله غيري ولا رب غيري ولا تشركوا بي شيئًا، إني سأرسل إليكم رسلي يذكرونكم عهدي و ميثاقي وأنزل عليكم كتبي . قالوا:شهدنا بأنك ربنا و إلٰهنا. لا رب لنا غيرك ولا إلٰه لنا غيرك . فأقرّوا بذلك ورفع عليهم آدم عليه السلام ينظر إليهم فرأى الغني والفقير وحسن الصورة و دون ذلك . فقال :ربّ لو لا سوّيت بين عبادك! قال : إني أحببت أن أشكر . ورأى الأنبياء فيهم مثل السُّرُج عليهم النور خصوا بميثاقٍ آخر في الرسالة والنبوة وهو قوله تبارك و تعالى :
﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّنَ مِيْثَاقَهُمْ ﴾ إلى قوله : ﴿وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ص﴾ كان في تلك الأرواح فأرسله إلى مريم عليها السلام .فحُدِّث عن أُبَي : أنه دخل مِن فيها . رواه أحمد .

(سیدنا) اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ) نے آیتِ کریمہ ''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولا د نکالی'' کی تفسیر میں فرمایا: انھیں اکٹھا کیا اور جوڑے جوڑے بنایا پھر انھیں صورت بخشی تو بولنے کا حکم دیا۔ انھوں نے کلام کیا پھر اللہ نے ان سے عہد و پیمان لیا'' اور انھیں اپنی جانوں پر گواہ بنایا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں! (تو ہمارا رب ہے) فرمایا: میں سات آسمانوں، سات زمینوں اور تمھارے والد آدم (علیہ السلام) کو تم پر گواہ بناتا ہوں کہ روزِ قیامت یہ نہ کہنا: ہمیں اس کا علم نہیں تھا، جان لو! کہ میرے سوا کوئی دوسرا الٰہ (معبود برحق) نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا رب ہے۔ میرے ساتھ کسی چیز میں بھی شرک نہ کرنا۔ میں اپنے رسول بھیجوں گا جو تمھیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے اور میں تمھارے لئے اپنی کتابیں اتاروں گا۔ انھوں نے جواب دیا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور الٰہ ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں اور نہ تیرے سوا کوئی دوسرا اِلٰہ ہے۔ ان سب نے اس کا اقرار کیا۔ آدم علیہ السلام کو اُن پر بلند کیا گیا تاکہ وہ انھیں دیکھیں۔ انھوں نے امیر و غریب، خوبصورت اور بدصورت دیکھے تو کہا: اے میرے رب! تُو نے اپنے بندوں کو ایک جیسا برابر کیوں نہیں بنایا؟ اللہ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ انھوں (آدم علیہ السلام) نے انبیاءِ کرام کو نور کے چراغوں کی طرح دیکھا، ان سے خاص طور پر نبوت و رسالت کے بارے میں دوسرا عہد و پیمان لیا گیا تھا اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ ارشاد ہے: ''اور جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا'' سے لے کر ''عیسیٰ ابن مریم'' تک (سورۃ الاحزاب:۷) عیسیٰ علیہ السلام ان ارواح میں سے تھے، پھر انھیں اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا۔

پھر اُبی (بن کعب رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا گیا کہ وہ منہ کے راستے داخل ہوئے تھے۔ اسے (عبداللہ بن) احمد (۵/ ۱۳۵ ح ۲۱۵۵۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس کے راوی سلیمان بن طرخان التیمی ثقہ امام ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: سلیمان التیمی تدلیس کرتے تھے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۶۰۰)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے انھیں مدلسین کے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ وہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں۔ دیکھئے الفتح المبین (ص ۴۲)

المستدرک للحاکم (۲/ ۳۲۳۔ ۳۲۴) وغیرہ میں اس کی دوسری سند بھی ہے، لیکن وہ سند بھی ضعیف ہے۔ اس کے راویوں میں سے ابوجعفر الرازی اور ربیع بن انس دونوں جمہور کے نزدیک موثق ہیں، لہٰذا دونوں حسن الحدیث ہیں، لیکن ابوجعفر الرازی جب ربیع بن انس سے روایت کریں تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۴/ ۲۲۸)

ربیع بن انس اور مغیرہ بن مقسم الضبی کے علاوہ دوسرے ثقہ وصدوق راویوں سے ابوجعفر الرازی کی روایت حسن ہوتی ہے اور اسی طرح ابوجعفر کے علاوہ اگر کوئی دوسرا ثقہ وصدوق راوی ربیع بن انس سے روایت بیان کرے تو وہ حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ والحمدللہ

[**۱۲۳**] وعن أبي الدرداء قال: بينما نحن عند رسول الله ﷺ نتذاكر ما يكون إذ قال رسول الله ﷺ: ((إذا سمعتم بجبل زال عن مكانه فصدّقوه و إذا سمعتم برجل تغير عن خُلُقه فلا تصدّقوا به فإنه يصير إلى ما جُبِل عليه.))

رواه أحمد.

(سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئندہ ہونے والی باتوں کا ذکر کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اسے سچ سمجھو اور اگر کسی آدمی کے بارے میں سنو کہ اس کا اخلاق بدل گیا تو اسے سچ نہ سمجھو کیونکہ وہ اسی طرف جاتا ہے جو اس کی جبلت وفطرت میں شامل ہے۔

اسے احمد (۶/ ۴۴۳ ح ۲۸۰۴۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حافظ نورالدین الہیثمی نے فرمایا: لیکن زہری نے ابوالدرداء کو نہیں پایا۔ (مجمع الزوائد ۷/ ۱۹۶)

معلوم ہوا کہ امام زہری نے سیدنا ابوالدرداء کو نہیں دیکھا اور نہ ان سے ملاقات کی ہے، لہٰذا یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

[**١٢٤**] **وعن أم سلمة قالت :يا رسول الله !لا يزال يصيبك في كل عام وجع من الشاة المسمومة التي أكلت . قال : ((ما أصابني شيء منها إلا وهو مكتوب علي و آدم في طينته .)) رواه ابن ماجه .**

(سیدہ) ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے جو زہر والی بکری میں سے کھایا تھا اس کی وجہ سے ہر سال آپ کو تکلیف (بیماری) ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ (میری تقدیر میں) اس وقت لکھ دی گئی، جب آدم (علیہ السلام) مٹی کی صورت میں تھے۔ اسے ابن ماجہ (٣٥٤٦) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس کا راوی ابوبکر العنسی یا تو مجہول ہے جیسا کہ امام ابن عدی نے فرمایا ہے یا وہ ابوبکر بن ابی مریم العنسی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:٧٩٩٨)

ابوبکر بن ابی مریم العنسی مشہور ضعیف راوی ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (٧٩٧٤) اور عام کتب اسماء الرجال۔

تنبیہ: حدیث نمبر ٩٧ سے تقدیر پر ایمان والی روایات کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو اس روایت (ح ١٢٤) پر ختم ہوا۔ تقدیر پر ایمان لانا قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے اجماع سے ثابت ہے۔ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو ہوا ہے، جو ہو رہا ہے اور جو ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت میں ہے اور اس نے اسے تخلیقِ کائنات سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ رکھا ہے۔ جو شخص خیر والا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ نے اس کے لئے اپنے فضل و کرم سے جنت تیار کر رکھی ہے اور جو شخص شر والا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ نے اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے حدیث سابق:٩٧

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم اور رحمت سے ہمیں جہنم سے بچائے اور جنت میں داخل فرمائے۔ (آمین)

[مولانا محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ''تقدیر پر ایمان لانا فرضِ عین ہے، اس کا منکر بدعتی بلکہ بعض صورتوں میں دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے کیونکہ شریعت نے تقدیر پر ایمان کو فرض قرار دیا ہے۔ تو اس کے انکار کا مطلب شریعت کے اس پہلو کا انکار ہے۔

معنی قدر: تقدیر کا معنی کسی چیز کی حد بندی ہے، شرعی اصطلاح میں اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی ام الکتاب لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔ اس کا علم چیز کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے، کوئی چیز بھی اپنے وجود میں آنے سے پہلے اور بعد اس کے علم سے باہر نہیں، اس نے ہی پوری کائنات میں ہر ایک امر کو اس کے حدود و اصول میں وضع

کیا ہے، کوئی ایسا امر نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے خلق اور پیدائش سے پہلے ضبط اور لکھ نہ دیا ہو۔'' (عقیدہ اہلحدیث ص ۳۲۳)]

تنبیہ: شیخ ابوانس محمد یحییٰ بن محمد یعقوب گوندلوی رحمہ اللہ نومبر ۱۹۵۶ء کو گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے اور ۲۶/ جنوری کی رات ۲۰۰۹ء میں فوت ہوئے۔

تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے ماہنامہ ترجمان الحدیث فیصل آباد (ج ۴۲ شمارہ: ۲) فروری ۲۰۰۹ء

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)



باب اثبات عذاب القبر

اثبات عذابِ قبر کا باب

الفصل الأول

[**۱۲۵**] عن البراء بن عازب عن النبي ﷺ قال : ((المسلم إذا سئل في القبر يشهد أن لا إله إلا الله و أن محمدًا رسول الله فذلك قوله : ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾))و في رواية عن النبي ﷺ قال : ((﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ نزلت في عذاب القبر يقال له :من ربُّك ؟ فيقول:ربي الله و نبيي محمد .)) متفق عليه.

(سیدنا) براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے، وہ لا إلٰہ إلا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے۔ پس یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : ایمان لانے والوں کو اللہ قولِ ثابت کے ساتھ دنیا و آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔[ابراہیم : ۲۷] (صحیح بخاری:۴۶۹۹)ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایمان لانے والوں کو اللہ قولِ ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے۔عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں۔متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری(۱۳۶۹) صحیح مسلم(۲۸۷۱/۷۳)

فقہ الحدیث:

۱: عذابِ قبر برحق ہے۔تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث:۴۱ص ۱۵
۲: قبر میں تین سوالات کئے جاتے ہیں۔تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور آپ (محمد ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟
۳: حدیث قرآن کی شرح و بیان ہے۔

[**١٢٦**] وعن أنس قال قال رسول الله ﷺ : ((إن العبد إذا وضع في قبره، و تولّى عنه أصحابه [و] إنه ليسمع قرع نعالهم أتاه ملكان فيقعدانه فيقولان :ما كنت تقول في هذا الرجل ؟ لمحمد [ﷺ] : فأما المؤمن فيقول :أشهد أنه عبدالله و رسوله . فيقال له :انظر إلى مقعدك من النار قد أبدلك الله به مقعدًا من الجنة فيراهما جميعًا . و أما المنافق والكافر فيقال له:ما كنت تقول في هذا الرجل ؟ فيقول :لا أدري ! كنت أقول ما يقول الناس !فيقال :لا دريتَ ولا تليتَ و يُضرَب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين .)) متفق عليه . ولفظه للبخاري .

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ (مرنے کے بعد) جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس پلٹتے ہیں، وہ اُن کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھا کر کہتے ہیں: تُو اس آدمی محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ پس مومن جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: دیکھ اپنا جہنم والا ٹھکانا، اللہ نے اس کے بدلے میں تجھے جنت کا ٹھکانا عطا کر دیا ہے، پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے۔ جب منافق یا کافر سے پوچھا جاتا ہے کہ تُو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہتا ہے: مجھے پتا نہیں، میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: نہ تُو نے خود (حق) پہچانا اور نہ تلاوت کی۔ اسے لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے تو وہ چیختا ہے۔ اس کی چیخ و پکار انسانوں اور جنوں کے سوا ہر چیز سنتی ہے۔ متفق علیہ اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

تخریج: صحیح بخاری (١٣٧٤) صحیح مسلم (٢٨٧٠/٧٠)

فقہ الحدیث:

١: سوال و جواب کے وقت میت واپس جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے۔

٢: قبرستان میں جوتوں سمیت چلنا جائز ہے۔

٣: ہذا الرجل سے مراد یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں دکھائے جاتے ہیں۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میت اس سوال کے جواب میں کہتا ہے: ''أي رجل ؟'' کون سا آدمی؟

(دیکھئے المستدرک للحاکم ١/٣٨٠ ح ١٤٠٣، وسندہ حسن، وصحیح ابن حبان، الاحسان: ٣١٠٣/٣١١٣ وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

اگر قبر میں رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوتا تو مرنے والا یہ کبھی نہ پوچھتا: کون سا آدمی؟

٤: آج کل ''ولا تليتَ '' سے بعض تقلیدی لوگ تقلید ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ اس سے مراد کتاب اللہ کی تلاوت یا انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اتباع ہے۔

[۱۲۷] وعن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ :((إن أحدكم إذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشي ، إن كان من أهل الجنة فمن أهل الجنة و إن كان من أهل النار فمن أهل النار ، فيقال : هذا مقعدك حتى يبعثك الله إليه يوم القيامة .))
متفق عليه .

(سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس کا ٹھکانا صبح وشام اسے دکھایا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہو تو جنتیوں کا اور اگر وہ دوزخیوں میں سے ہو تو دوزخیوں کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، پھر کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اٹھا کر یہاں لے جائے گا۔
متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۳۷۹) صحیح مسلم (۶۵/۲۸۶۶)

فقہ الحدیث:

۱: عذابِ قبر وثوابِ قبر برحق ہے۔
۲: دونوں ٹھکانے دکھائے جانے میں مومن کے لئے رحمت ونعمت اور کافر ومنافق کے لئے عذاب ہے۔
۳: جسم اگر فنا بھی ہو جائے لیکن روح فنا نہیں ہوتی۔

[۱۲۸] وعن عائشة رضي الله عنها أن يهودية دخلت عليها فذكرت عذاب القبر فقالت لها : أعاذك الله من عذاب القبر ، فسألت عائشة رسول الله ﷺ عن عذاب القبر؟ فقال :((نعم عذاب القبر حق .)) قالت عائشة :فما رأيت رسول الله ﷺ بعد صلى صلاة إلا تعوذ بالله من عذاب القبر .
متفق عليه .

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک یہودی عورت آئی تو عذابِ قبر کا ذکر کیا اور ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے کہا: اللہ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ پھر عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے رسول اللہ ﷺ سے عذابِ قبر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: جی ہاں! عذابِ قبر برحق ہے۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: پھر اس کے بعد میں نے یہی دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۱۳۷۲) صحیح مسلم (۱۲۵/۵۸۶)

فقہ الحدیث:

۱: عذابِ قبر کا علم آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ہوا تھا۔

۲: رسول اللہ ﷺ کا عذابِ قبر سے پناہ مانگنا صرف امت کی تعلیم کے لئے ہے۔
۳: حق بات جہاں سے بھی ملے اس پر عمل کرنا چاہئے۔
۴: بعض اوقات کافروں اور گمراہوں کی بات بھی صحیح ہوتی ہے، بشرطیکہ قرآن، حدیث، اجماع اور فہم سلف صالحین کے مطابق ہو۔
۵: کافروں کے ساتھ تعلقات رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ ان تعلقات سے دینِ اسلام کو کوئی نقصان نہ ہو۔
۶: نماز میں عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگنا سنت ہے۔
۷: اگر اللہ چاہے تو گناہ گار موحد مسلمانوں کو بھی عذابِ قبر ہوسکتا ہے۔ یہ بات آپ ﷺ کو اس یہودی عورت کے مدینہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کے بعد بذریعہ وحی بتائی گئی تھی، رہا کافروں پر عذابِ قبر تو اس کا ثبوت مکی آیات میں ہے۔

[**۱۲۹**] وعن زيد بن ثابت قال : بينا رسول الله ﷺ في حائط لبني النجّارِ علىٰ بغلة له و نحن معه إذا حادت به و كادت تلقيه . و إذا أقبر ستة أو خمسة فقال :((من يعرف أصحاب هذه الأقبر ؟)) قال رجل :أنا . قال :((فمتى ماتوا؟)) قال :في الشرك . فقال :((إن هذه الأمة تبتلى في قبورها فلولا أن لا تدافنوا لدعوت اللّٰه أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه)) ثم أقبل بوجهه علينا فقال :((تعوّذوا باللّٰه من عذاب النار .)) قالوا :نعوذ باللّٰه من عذاب النار . قال :((تعوذوا باللّٰه من عذاب القبر .)) قالوا :نعوذ باللّٰه من عذاب القبر. قال :((تعوذوا باللّٰه من الفتن ماظهر منها وما بطن .)) قالوا :نعوذ باللّٰه من الفتن ما ظهر منها ومابطن . قال :((تعوّذوا باللّٰه من فتنة الدجال .)) قالوا :نعوذ باللّٰه من فتنة الدجال .
رواه مسلم .

(سیدنا) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ بنونجار (انصاریوں) کے ایک باغ میں اپنے خچر پر تشریف فرما تھے اور ہم آپ کے ساتھ تھے، اتنے میں خچر بدکا اور قریب تھا کہ وہ آپ کو گرادے، کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں پانچ چھ قبریں ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان قبر والوں کو کون جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا: میں، آپ نے پوچھا: یہ کب مرے تھے؟ اس نے جواب دیا: شرک (کے زمانے) میں، تو آپ نے فرمایا: اس امت کو قبروں میں آزمایا جاتا ہے اور اگر تم (مردے) دفن کرنا چھوڑ نہ دیتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمھیں قبر کا عذاب سنادے جسے میں سنتا ہوں۔ پھر آپ نے ہماری طرف چہرہ مبارک پھیر کر فرمایا: جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا: ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا: قبر کے عذاب سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: فتنے جو ظاہر ہوں اور جو چھپے ہوں، ان سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا: فتنے جو ظاہر ہیں اور جو چھپے ہوئے ہیں، ان سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے

فرمایا: دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا:
دجال کے فتنے سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۸٦۷/٦۷)

فقہ الحدیث:

۱: عذاب قبر اسی زمین پر ہوتا ہے جسے قبر کے قریب والے زمین والے جانور سنتے ہیں۔

۲: رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں بلکہ یہ صرف اللہ ہی کی صفتِ خاصہ ہے۔

۳: اگر عام لوگوں کو عذابِ قبر کا نظارہ ہو جائے تو میت کو دفن کرنے سے جاہل مارے خوف کے دور بھاگیں گے اور اہلِ علم بھی عام لوگوں کے مُردوں سے دور رہیں گے۔

۴: عذابِ قبر ایمان بالغیب میں سے ہے۔

۵: قبر سے مراد زمینی گڑھا ہے۔



الفصل الثاني

[١٣٠] عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((إذا قُبِر الميّتُ أتاه ملكان أسودان أزرقان يقال لأحدهما :المنكر وللآخر :النّكير . فيقولان :ما كنت تقول في هذا الرجل ؟ فيقول :هو عبدالله و رسوله، أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمدًا عبده و رسوله . فيقولان :قد كنا نعلم أنك تقول هذا ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعًا في سبعين. ثم ينوَّر له فيه ثم يقال له :نَم. فيقول :أرجع إلى أهلي فأخبرهم . فيقولان :نَمْ كنومة العروس الذي لا يوقظه إلا أحب أهله إليه حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك . وإن كان منافقًا قال :سمعت الناس يقولون قولاً فقلت مثله، لا أدري. فيقولان :قد كنا نعلم أنك تقول ذلك فيقال للأرض :التئمي عليه فتلتئم عليه فتختلف أضلاعه فلايزال فيها معذبًا حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك .))
رواه الترمذي .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس کالے رنگ کے نیلی آنکھوں والے دو (ڈراؤنے) فرشتے آجاتے ہیں، ایک کو منکر کہا جاتا ہے اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ پھر یہ دونوں کہتے ہیں: تُو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر وہ دونوں کہتے ہیں: ہمیں علم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر لمبائی چوڑائی میں ستر ستر ہاتھ کھول دی جاتی ہے۔ پھر اس کی قبر منور (روشن) کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: سو جا، تو وہ کہتا ہے: میں اپنے گھر والوں کے پاس جا کر انھیں خبر دینا چاہتا ہوں (کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں۔)
وہ دونوں کہتے ہیں: اس دلہن کی طرح سو جا جسے وہی شخص جگاتا ہے جو سب سے زیادہ اُسے محبوب ہوتا ہے، حتیٰ کہ اللہ اُسے اُس کے اس ٹھکانے سے دوبارہ زندہ کرے گا۔
اور (مرنے والا) اگر منافق ہو تو کہتا ہے: میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی وہی بات کہہ دی، مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ دونوں (فرشتے) کہتے ہیں: ہمیں علم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر زمین سے یہ کہا جاتا ہے: اسے لپیٹ کر دبا دے، زمین اسے دباتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اسے ہمیشہ اسی

طرح عذاب دیا جاتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ اُسے اُس کے اِس
ٹھکانے سے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اسے ترمذی (۱۰۷۱) نے
روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔ اسے ترمذی نے ''حسن غریب'' اور ابن حبان (الاحسان: ۳۱۰۷) نے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ حدیث امام بیہقی کی کتاب اثبات عذاب القبر (ح ۵۴، ۵۵ بتحقیقی) میں بھی عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنی کی سند سے موجود ہے اور عبدالرحمٰن المدنی بقولِ راجح حسن الحدیث ہیں۔

فقہ الحدیث:

۱: مرنے والے سے قبر میں منکر نکیر دو فرشتوں کا سوال کرنا برحق ہے۔

۲: سوال و جواب کے وقت ان فرشتوں کو اس لئے ڈراؤنی شکل میں بھیجا جاتا ہے تاکہ میت کو اپنی گزشتہ زندگی کا احساس اور اللہ کا خوف ہو۔ مومن اللہ کے فضل سے محفوظ رہتا ہے۔

۳: ہٰذا الرجل سے حاضر نہیں بلکہ غائب مراد ہے کیونکہ مومن کہتا ہے: ''هُوَ'' وہ.
یہ صیغۂ غائب ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ح ۱۲۶

۴: میت قبر میں کیا جواب دے گی؟ اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ اپنے ان دونوں فرشتوں کو پہلے ہی کر دیتا ہے اور فرشتے وہی کرتے ہیں جن کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔ فرشتے اپنی مرضی سے نہ کچھ کہتے ہیں اور نہ کچھ کرتے ہیں، لہٰذا ان کا یہ کہنا ''ہمیں علم تھا کہ تم یہی بات کہو گے'' اللہ کی وحی سے ہے۔ اللہ ہی زمین و آسمان کا کلی غیب یعنی سب جانتا ہے۔

۵: عذابِ قبر اور قبر کا کھلنا، تنگ ہونا برحق ہے، اگرچہ اس کی صحیح کیفیت اور مشاہدے کا علم اہلِ دنیا کو نہیں ہے۔

۶: نیک مومن کو قبر میں سُلا دیا جاتا ہے، لہٰذا اب اس کا اہلِ دنیا اور دنیا سے کوئی رابطہ و تعلق باقی نہیں ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ سوئی ہوئی یہ میت قبر سے باہر کی دنیا کو دیکھتی اور لوگوں کی آوازیں سنتی ہے، غلط اور مردود ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے موت دے کر ایک سو سال مارے رکھا تھا جب اسے زندہ کیا تو اسے یہ پتا نہیں تھا کہ وہ سو سال مرا رہا ہے بلکہ وہ کہنے لگا: میں (عالمِ موت میں) ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا ہوں۔ (دیکھئے سورۃ البقرۃ: ۲۵۹)

۷: دلہن کی طرح سو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قبر والے نیک انسان کی ہر سال شادی ہوتی ہے، لہٰذا ہر سال اس کا عرس منانا چاہئے۔ اہلِ بدعت اپنے بعض مزعومہ اولیاء کی قبروں پر ہر سال جو عرس مناتے ہیں اس کا کوئی ثبوت قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ عمل بدعت ہے جس پر ادلۂ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

۸: بغیر تحقیق کے عام لوگوں کی سُنی سنائی اور غیر مدلل باتوں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

۹: ثوابِ قبر اور عذابِ قبر دونوں برحق ہیں۔

[**١٣١**] وعن البراء بن عازب عن رسول اللّٰه ﷺ قال :((يأتيه ملكان فيُجْلِسانه فيقولان له : من ربك ؟ فيقول :ربي اللّٰه . فيقولان له :ما دينك؟ فيقول:دينى الإسلام . فيقولان :ما هذا الرجل الذي بعث فيكم ؟ فيقول :هو رسول اللّٰه . فيقولان له :وما يدريك ؟ فيقول :قرأت كتاب اللّٰه فآمنتُ به و صدقتُ. فذلك قوله :﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ الآية .)) قال: ((فينادي مُنادٍ من السماء :أن صدق عبدي فأفرشوه من الجنة وألبسوه من الجنة وافتحوا له بابًا إلى الجنة ويفتح .)) قال : ((فيأتيه من رَوحها و طيبها ويفسح له فيها مد بصره . وأما الكافر فذكر موته .)) قال :((و يعاد روحه في جسده و يأتيه ملكان فيجلسانه فيقولان :من ربك ؟ فيقول: هاه هاه لاأدري!فيقولان له :ما دينك ؟ فيقول : هاه هاه لا أدري !فيقولان :ما هذا الرجل الذي بُعث فيكم ؟ فيقول :هاه هاه لا أدري !فينادي منادٍ من السماء:أن كذب فأفرشوه من النار وألبسوه من النار وافتحوا له بابًا إلى النار.)) قال : ((فيأتيه من حرها وسمومها.)) قال :((و يضيق عليه قبره حتى يختلف فيه أضلاعه ثم يُقيض له أعمى أصم معه مرزبة من حديد لو ضرب بها جبل لصار ترابًا/ فيضربه بها ضربةً يسمعها ما بين المشرق والمغرب إلا الثقلين فيصير ترابًا، ثم يعاد فيه الروح)) رواه أحمد و أبو داود.

(سیدنا) براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے (ایک طویل) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس (میت) کے پاس دو فرشتے آکر اُسے بٹھاتے ہیں پھر کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ دونوں اُس سے پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ دونوں کہتے ہیں: یہ آدمی کیا ہے جو تمھارے درمیان بھیجا گیا؟ تو وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: تجھے کیسے پتا چلا؟ تو وہ کہتا ہے: میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو اس پر ایمان لے آیا اور اس کی تصدیق کی، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ایمان والوں کو اللہ (دنیا اور آخرت میں) قولِ ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے۔ الآیہ (ابراہیم:۲۷)

پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کے نیچے جنت کا بچھونا بچھا دو، اسے جنتی لباس پہنا دو اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو۔ پھر دروازہ کھل جاتا ہے تو جنت کی پیاری ہوائیں اور خوشبوئیں اس کے پاس آتی ہیں۔ تاحدِّ نظر اس کی قبر کھول دی جاتی ہے۔

رہا کافر تو انھوں نے اس کی موت کا حال بیان کیا، فرمایا: اور اس کی رُوح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے پاس آکر اُسے بٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتا نہیں ہے۔ پھر وہ اس سے کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتا نہیں ہے۔ پھر وہ دونوں کہتے ہیں: یہ آدمی کیا ہے جو تمھارے درمیان بھیجا گیا؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتا نہیں ہے۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے: اس نے جھوٹ کہا،

اس کے نیچے آگ کا بچھونا ڈال دو، اسے جہنمی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ پھر اس کے پاس جہنم کی زہریلی ہوائیں اور آگ کی تپش آتی ہے۔ اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں، پھر اس پر اندھا بہرہ (فرشتہ) مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ہتھوڑا ہوتا ہے۔ اگر اس ہتھوڑے کو (پتھر کے) پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔/ پھر وہ اسے ہتھوڑے کی ایک ضرب مارتا ہے جسے انسانوں اور جنوں کے سوا مشرق و مغرب کی ہر چیز سنتی ہے، پھر وہ مٹی بن جاتا ہے، پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔

اسے احمد (۴/ ۲۸۷، ۲۸۸ ح ۱۸۷۳۳) اور ابو داود (۳۲۱۲،۴۷۵۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ حدیث (آخری جملے/ کے بعد کو چھوڑ کر) حسن ہے۔

اسے احمد و ابو داود کے علاوہ نسائی (۲۰۰۳) ابن ماجہ (۱۵۴۸، ۱۵۴۹) ہناد بن السری (کتاب الزہد ۱/ ۲۰۵۔ ۲۰۷ ح ۳۳۹) اور بیہقی (اثبات عذاب القبر ح ۲۰ بتحقیقی) وغیرہم نے مختصراً و مطولاً روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے فرمایا: ''**هذا حديث صحيح الإسناد**'' یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ (شعب الایمان ۱/ ۳۵۷ ح ۳۹۵)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الحدیث حضرو (۱۴ ص ۲۲، ۲۳)

اس حدیث کے راویوں کا مختصر اور جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

① سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔

② ابو عمر زاذان الکندی الکوفی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔

دیکھئے الحدیث (۱۴ ص ۲۴۔ ۲۶) اور توضیح الاحکام (۱/ ۵۵۰۔ ۵۵۶)، لہٰذا ان پر جرح مردود ہے اور وہ صحیح الحدیث ہیں۔

③ منہال بن عمرو جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں، لہٰذا ان کی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے۔

دیکھئے الحدیث (۱۴ ص ۲۹) اور توضیح الاحکام (۱/ ۵۵۶۔ ۵۶۰)

④ سلیمان بن مہران الاعمش ثقہ مدلس راوی ہیں اور انھوں نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۴۷۵۴)

دوسرے یہ کہ سلیمان الاعمش اس روایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کی متابعت موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث حسن لذاتہ ہے۔ اسے قرطبی، ابن قیم، ابن تیمیہ اور منذری وغیرہم نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔

(حاشیۃ اثبات عذاب القبر للبیہقی ص۲۰ یسر اللّٰہ لنا طبعہ)

لہٰذا بعض منکرینِ حدیث کا اس حدیث پر جرح کرنا یا اسے قرآنِ مجید کے خلاف قرار دے کر رد کر دینا مردود ہے۔

فقه الحديث:

۱: عذابِ قبر اور ثوابِ قبر دونوں برحق ہیں۔

۲: اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے۔

۳: قبر میں اخروی و برزخی طور پر سوال و جواب کے وقت اعادۂ روح برحق ہے اور یہ قرآنِ مجید کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن جس اعادۂ روح کی نفی کرتا ہے وہ دنیاوی اعادہ ہے اور حدیث جس کا اثبات کرتی ہے اس سے مراد برزخی اعادہ ہے۔

دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ (ص۳۹۹، المکتب الاسلامی، طبعہ ثانیہ ۱۹۸۴ء)

۴: شیخ ابن ابی العز الحنفی فرماتے ہیں: ''**وذهب إلى موجب هذا الحديث جميع أهل السنة والحديث**''

تمام اہلِ سنت: اہلِ حدیث اس حدیث (یعنی حدیث براء رضی اللہ عنہ) کے قائل ہیں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ ص۳۹۸)

۵: تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔ نجات صرف اسی میں ہے کہ آدمی قرآن و حدیث اور اجماع پر سلف وصالحین کے فہم کی روشنی میں عمل کرے، اسی منہج پر عقیدے کی بنیاد رکھے اور ساری زندگی تحقیق و عمل میں گزار دے۔

۶: عذابِ قبر اسی دنیاوی قبر میں ہوتا ہے جسے زمین پر اردگرد کے جانور سنتے ہیں۔

۷: اس روایت میں جو آیا ہے کہ ''پھر وہ اسے ہتھوڑے کی ایک ضرب مارتا ہے جسے انسانوں اور جنوں کے سوا مشرق و مغرب کی ہر چیز سنتی ہے، پھر وہ مٹی بن جاتا ہے، پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔'' اس خاص متن میں اعمش کے سماع کی تصریح نہیں ملی، لہٰذا یہ متن مشکوک ہے اور باقی ساری حدیث حسن ہے۔

[۱۳۲] وعن عثمان رضي اللّٰه عنه أنه كان إذا وقف على قبر بكى حتى يبل لحيته فقيل له: تذكر الجنة والنار فلا تبكي وتبكي من هذا فقال: إن رسول اللّٰه ﷺ قال: ((إن القبر أول منزل من منازل الآخرة فإن نجا منه فما بعده أيسر منه وإن لم ينج منه فما بعده أشد منه.))

قال: وقال رسول اللّٰه ﷺ: ((ما رأيت منظرًا قط إلا والقبر أفظع منه.)) رواه الترمذي و ابن ماجه.

(سیدنا) عثمان (بن عفان، خلیفۂ ثالث رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب وہ (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی بھیگ جاتی۔ پوچھا گیا: آپ جنت اور جہنم کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس (قبر) سے روتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخرت کی منزلوں میں سے یقیناً قبر پہلی منزل ہے، پس اگر اس میں بچ گیا تو بعد میں آسانی ہی آسانی ہے۔ اگر اس میں نہ بچ سکا تو بعد میں سختی ہی سختی ہے۔

وقال الترمذي :هذا حديث غريب .

انھوں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے قبر سے زیادہ خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا۔
اسے ترمذی (۲۳۰۸) اور ابن ماجہ (۴۲۶۷) نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث (حسن) غریب ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن ہے۔
اسے ترمذی نے حسن غریب اور ذہبی نے تلخیص المستدرک (۱/۳۷۱) میں صحیح کہا ہے۔
اس حدیث کی سند میں ابوسعید ہانئ البربری (مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ) صدوق راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب:۷۲۶۶)
دوسرے راوی عبداللہ بن بجیر بن ریسان ابو وائل القاص الصنعانی جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہیں، لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (۱۰/۳۳۳) وغیرہ اور باقی سند صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: آخرت کی یاد کے لئے قبروں کی زیارت کرنا مسنون ہے۔
۲: قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔
۳: موت کو یاد کر کے اللہ کے خوف سے رونا خلفائے راشدین کی سنت ہے۔
۴: تکبر سے ہمیشہ دور رہ کر ساری زندگی عاجزی کے ساتھ گزارنی چاہئے۔
۵: اہلِ ایمان کا دل ہر وقت خوف اور امید کے درمیان رہتا ہے۔
۶: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی عذابِ قبر کو ثابت سمجھتے تھے اور اس سے مراد یہی زمینی قبر ہے۔

[**۱۳۳**] وعنه قال :كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال:((استغفروا لأخيكم ثم سلوا له بالتثبيت فإنه الآن يُسأل .))
رواه أبو داود.

اور انھی (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کھڑے ہو کر فرماتے: اپنے بھائی کے لئے استغفار (کی دعا) کرو، پھر اس کے لئے (سوال جواب کے وقت) ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کئے جائیں گے۔
اسے ابوداود (۳۲۲۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے (المستدرک وتلخیص المستدرک ۱/۳۷ میں) صحیح کہا ہے۔
اس روایت کی سند پر حدیثِ سابق (۱۳۲) میں بحث گزر چکی ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: میت کے دفن کے بعد قبر پر انفرادی واجتماعی دونوں طرح دعا کرنا صحیح ہے۔
۲: قبر میں سوال جواب برحق ہے۔

[**۱۳٤**] وعن أبي سعيد قال قال رسول الله ﷺ: ((لَيُسلَّطُ على الكافر في قبره تسعة و تسعون تنيناً، تنهسه و تلدغه حتى تقوم الساعة لو أن تنيناً منها نفخ في الأرض ما أنبتت خضرًا .)) رواه الدارمي و روى الترمذي نحوه وقال: ((سبعون)) بدل ((تسعة و تسعون)) .

(سیدنا) ابوسعید (الخدری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کافر پر اس کی قبر میں ننانوے سانپ مقرر کئے جاتے ہیں جو اسے قیامت تک نوچتے ڈستے رہیں گے، اگر ان سانپوں میں سے کوئی (اس) زمین پر پھونک مار دے تو کسی قسم کا سبزہ کبھی نہ اُگے۔ اسے دارمی (۱/۳۳۱ ح ۲۸۱۸) نے روایت کیا ہے اور ترمذی (۲۴۶۰ مطولاً وقال: غریب) نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے جس میں ننانوے کے بجائے ستر کا ذکر ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

دارمی والی سند میں دراج راوی ہیں جو صدوق حسن الحدیث ہیں، لیکن ابوالہیثم سے ان کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔
(دیکھئے تقریب التہذیب: ۱۸۲۴، وسنن الترمذی: ۲۰۳۳ بتحقیقی)

اور یہ روایت دراج نے ابوالہیثم سے بیان کر رکھی ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔
ترمذی والی سند میں عبیداللہ بن الولید اور عطیہ العوفی دونوں ضعیف ہیں۔

[تنبیہ: دراج کی ابوالہیثم سے روایت ضعیف نہیں بلکہ حسن ہوتی ہے۔ دیکھئے ح: ۲۲۲
لہٰذا دارمی والی روایت حسن لذاتہ ہے۔ **والحمد للّٰہ علٰی اصلاح ذلك**]

❀❀❀

الفصل الثالث

[۱۳۵] عن جابر قال :خرجنا مع رسول اللّٰه ﷺ إلى سعد بن معاذٍ حين توفي فلما صلّى عليه رسول اللّٰه ﷺ وَوُضع في قبره و سُوي عليه سبَّح رسول اللّٰه ﷺ فسبحنا طويلاً ثم كبر فكبرنا فقيل :يا رسول اللّٰه !لم سبحت ثم كبّرْت؟ قال :((لقد تضايق على هذا العبد الصالح قبره حتى فرجه اللّٰه عنه .)) رواه أحمد .

(سیدنا) جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب (سیدنا) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) فوت ہوئے تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے پاس گئے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اور انھیں (سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو) قبر میں رکھا گیا اور قبر برابر کر دی گئی تو کافی دیر تک رسول اللہ ﷺ تسبیحات (سبحان اللہ) پڑھتے رہے، پھر آپ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ پھر پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے تسبیحات کیوں پڑھیں پھر تکبیر کیوں کہی؟

آپ نے فرمایا: اس نیک بندے پر (قبر میں) تنگی کی گئی، پھر اسے اللہ نے اُن سے دور کر دیا۔

اسے احمد (۳/۳۶۰ ح ۱۴۹۳۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کا راوی محمود بن عبدالرحمٰن بن عمرو مجہول ہے۔ مجہول وہ راوی ہوتا ہے جس کا ثقہ ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ مجہول کی دو قسمیں ہیں:

① وہ راوی جس کا شاگرد صرف ایک ہو اور معتبر ذریعے سے اس کا ثقہ ہونا معلوم نہ ہو۔ اسے مجہول العین بھی کہتے ہیں۔

② وہ راوی جس کے شاگرد ایک سے زیادہ ہوں اور معتبر ذریعے سے اس کا ثقہ ہونا معلوم نہ ہو۔ اسے مجہول الحال اور مستور بھی کہتے ہیں۔

قولِ راجح میں راوی مجہول العین ہو یا مجہول الحال (مستور) اس کی منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے۔

[۱۳٦] وعن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ : ((هذا الذي تحرك له العرش و فتحت له أبواب السماء و شهده سبعون ألفًا من الملائكة لقد ضُمَّ ضمةً ثم فُرج عنه .)) رواه النسائي .

(سیدنا عبداللہ) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) جس کے لئے (رحمٰن کا) عرش ہل گیا تھا، آسمان کے دروازے کھل گئے تھے اور ستر ہزار فرشتوں نے اس کے (جنازے کے) لئے حاضری دی، اسے (قبر میں) جھٹکا دیا گیا پھر اسے موقوف کر کے ہٹا دیا گیا۔ اسے نسائی (۴/۱۰۰، ۱۰۱ ح ۲۰۵۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

سنن نسائی کے علاوہ یہ روایت دلائل النبوۃ للبیہقی (۴/۲۸) میں بھی مذکور ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: ہر مرنے والے کے لئے قبر کا جھٹکا برحق ہے۔

۲: حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ "هذه الضمة ليست من عذاب القبر في شئ بل هو أمر يجده المؤمن كما يجد ألم فقد ولده و حميمه في الدنيا و كما يجد ألم مرضه و ألم خروج روحه ..." یہ جھٹکا (مومن کے لئے) عذابِ قبر میں سے نہیں بلکہ یہ ایسے ہی ہے جس طرح مومن کو اپنی اولاد یا محبوب چیز کے گم ہونے کا دکھ ہوتا ہے اور جس طرح بیماری کی تکلیف اور روح نکلنے کا درد ہوتا ہے.... (سیر اعلام النبلاء ۱/۲۹۰)

پھر حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ہم جانتے ہیں کہ سعد (رضی اللہ عنہ) جنتی ہیں اور آپ عالی شان شہداء میں سے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۹۰)

۳: اس حدیث میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی زبردست فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اُن کی شہادت پر پیار و محبت سے متحرک ہو کر ہل گیا تھا، اور ستر ہزار فرشتوں نے نمازِ جنازہ میں حاضری دی۔ سبحان اللہ

۴: آسمان کے کئی دروازے ہیں جنھیں اللہ ہی جانتا ہے۔

۵: ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ پیشاب کے قطروں سے بچنے میں احتیاط نہیں کرتے تھے۔

(دیکھئے دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/۳۰ و سندہ ضعیف)

یہ روایت مجہول راوی اور منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

اس سلسلے کی دوسری ضعیف اور مردود روایتوں کے لئے دیکھئے مرعاۃ المفاتیح (ج ۱ ص ۲۳۲)

[۱۳۷] وعن أسماء بنت أبي بكر قالت :قام رسول الله ﷺ خطيبًا فذكر فتنة القبر التي يفتن فيها المرءُ فلما ذكر ذلك ضج المسلمون ضجةً . رواه البخاري هكذا و زاد النسائي :حالت بيني و بين أن أفهم كلام رسول الله ﷺ فلما سكنت ضَجَّتُهم قلت لرجلٍ قريب مني:أي بارك الله فيك! ماذا قال رسول الله ﷺ في آخر قوله ؟ قال : ((قد أوحي إلي أنكم تفتنون في القبور قريبًا من فتنة الدجال .))

(سیدہ) اسماء بنت ابی بکر (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے قبر کے اس فتنے (آزمائش) کا ذکر کیا جس میں آدمی مبتلا ہوتا ہے۔ جب آپ نے یہ بیان کیا تو مسلمان رونے لگے۔ بخاری نے اسی طرح بیان کیا ہے اور نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے: میں رسول اللہ ﷺ کا (بعض) کلام سمجھ نہ سکی، پھر جب لوگوں کا رونا ختم ہوا تو میں نے اپنے قریب والے آدمی سے پوچھا: اللہ تجھ پر برکتیں نازل فرمائے، رسول اللہ ﷺ نے آخر میں کیا فرمایا ہے؟ اس نے کہا: (آپ نے فرمایا:) مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ فتنۂ دجال کے برابر تمھیں قبروں میں آزمایا جائے گا۔

تخریج: صحیح بخاری (۱۳۷۳) سنن نسائی (۱۰۳/۴، ۱۰۴ ح ۲۰۶۴ وسندہ صحیح)

فقہ الحدیث:

۱: قبر کا فتنہ مثلاً قبر کا میت کو بھینچنا اور جھٹکا دینا برحق ہے۔

۲: کفار ومنافقین کے لئے عذابِ قبر برحق ہے۔ اسی طرح بعض گناہ گار مسلمانوں کو بھی قبر میں عذاب دیا جائے گا، اِلا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور رحمت سے کسی کو معاف فرما کر عذابِ قبر سے بچالے۔

۳: صحابۂ کرام چونکہ سب کے سب عادل (كلهم عدول) ہیں، لہٰذا اگر کسی صحیح وحسن حدیث کے راوی صحابی کا نام معلوم نہ ہو تو یہ مضر نہیں ہے چاہے صحابی سے تابعی کی روایت عن سے ہو (بشرطیکہ وہ مدلس نہ ہو اور سماع بھی ثابت ہو) یا تابعی نے سماع کی تصریح کر رکھی ہو۔

۴: راوی سے روایت لینا تقلید نہیں ہے۔

۵: جمعہ وعیدین کے علاوہ عام خطبات بھی کھڑے ہو کر دینا بہتر ہے، جیسا کہ احادیث کے عموم سے ظاہر ہے اور عام خطبہ بیٹھ کر دینا بھی جائز ہے۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۴۷۵۳ وھو حدیث صحیح)

[**۱۳۸**] **وعن جابر عن النبي ﷺ قال : ((إذا أدخل الميت القبر مُثلت له الشمس عند غروبها فيجلس يمسح عينيه ويقول :دعوني أُصلي)) رواه ابن ماجه .**

(سیدنا) جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب میت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو اسے غروب ہونے والے سورج کی تمثیل دکھائی جاتی ہے۔ پھر وہ آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے: مجھے چھوڑو، میں نماز پڑھ لوں۔ اسے ابن ماجہ (۴۲۷۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابن ماجہ وغیرہ کی سند میں سلیمان بن مہران الاعمش مشہور ثقہ مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے انھیں مدلسین کے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (طبقات المدلسین مع الفتح المبین ۲/۵۵ ص ۴۲، ۴۳)
لیکن دوسری طرف حافظ ابن حجر نے بذاتِ خود اعمش کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کر کے کثیر التدلیس قرار دیا ہے۔
دیکھئے النکت علیٰ ابن الصلاح (۲/۶۴۰)

ایک روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اور میرے نزدیک ابن القطان (الفاسی) کی صحیح کردہ روایت معلول (ضعیف) ہے کیونکہ راویوں کے ثقہ ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں ہوتا، چونکہ اعمش مدلس ہیں اور انھوں نے عطاء سے (اس روایت میں) اپنا سماع ذکر نہیں کیا۔ (التلخیص الحبیر ۳/۱۹ ح ۱۱۸۱، الفتح المبین ص ۴۳)

حافظ ابن حبان فرماتے ہیں: ''**وأما المدلسون الذين هم ثقات وعدول فإنا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بينوا السماع فيما رووا مثل الثوري والأعمش وأبي إسحاق وأضرابهم من الأئمة المتقين (المتقنين) وأهل الورع فى الدين**'' رہے وہ مدلسین جو ثقہ وعادل ہیں تو ہم (محدثین کرام) ان کی روایات سے حجت نہیں پکڑتے اِلا یہ کہ وہ اپنی روایتوں میں سماع کی تصریح کریں، جیسے (سفیان) ثوری، (سلیمان) الاعمش اور ابو اسحاق (السبیعی) اور ان جیسے دوسرے متقی (متقن ثقہ) اور نیک دیندار امام.... (صحیح ابن حبان، الاحسان ج ۱ ص ۱۶۱)

ابن حبان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ سفیان ثوری، اعمش اور ابو اسحاق السبیعی تینوں مدلسین کے طبقۂ ثالثہ میں سے ہیں اور ان کی عن والی روایت بغیر تصریحِ سماع کے حجت نہیں ہے۔

حافظ ابن حبان سے پہلے امام شعبہ بن الحجاج البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۰ھ) فرماتے ہیں: ''**كفيتكم تدليس ثلاثة: الأعمش و أبي إسحاق و قتادة**'' تین آدمیوں کی تدلیس کے لئے میں کافی ہوں: اعمش، ابو اسحاق اور قتادہ۔
(جزء مسألۃ التسمیہ لمحمد بن طاہر المقدسی ص ۴۷ وسندہ صحیح)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:
اول یہ کہ اعمش، ابو اسحاق اور قتادہ سے شعبہ کی روایت سماع پر محمول ہے۔

دوم ان تینوں کی معنعن روایت حجت نہیں ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں: ''**والأعمش مدلس لا يحتج بعنعنته إلا إذا صح سماعه ...**''

اوراعمش مدلس ہیں، ان کی عن والی روایت حجت نہیں ہے اِلا یہ کہ وہ تصریحِ سماع کریں۔ (شرح صحیح مسلم، درسی نسخہ ج ۱ ص ۷۲ تحت ح ۱۰۹)

معلوم ہوا کہ نووی کے نزدیک بھی اعمش طبقۂ ثالثہ میں سے ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الفتح المبین (ص ۴۳)

جدید دور کے بعض محققین کا تحقیق میں عجیب طرزِ عمل ہے۔ ابوالزبیر، حسن بصری اور بعض مدلسین کی معنعن روایات کو یہ لوگ ضعیف کہتے ہیں چاہے بعض روایات صحیحین میں سے ہی کیوں نہ ہوں! اور سفیان ثوری، سلیمان الاعمش اور قتادہ وغیرہ مدلسین کی روایات کو علانیہ صحیح قرار دیتے ہیں۔ اس دوغلی پالیسی کی اصل بنیاد کیا ہے؟ یہ ہمیں معلوم نہیں تاہم ان محققین کا یہ طرزِ عمل باطل ہے۔

یادر ہے کہ طبقات المدلسین کے طبقات کی تقسیم جدید وقدیم محققین میں سے کسی کو بھی مِن وعَن قابلِ قبول نہیں ہے چاہے یہ محققین اہلِ حدیث میں سے ہوں یا غیر اہلِ حدیث میں سے۔

تدلیس کے سلسلے میں اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ مذکورہ بالا روایت کا ایک حسن لذاتہ شاہد صحیح ابن حبان میں موجود ہے جس میں آیا ہے کہ ''**إن الميت إذا وضع في قبره ... فيجلس قد مثّلت له الشمس و قد آذنت للغروب ... فيقول :دعوني حتى أصلي**'' (الاحسان: ۳۱۰۳ دوسرا نسخہ: ۳۱۱۳، الموارد: ۷۸۱ وسندہ حسن)

اس شاہد کے ساتھ روایتِ مذکورہ حسن ہے لیکن ''**يمسح عينيه**'' پھر وہ آنکھیں ملتا ہوا (اٹھ بیٹھتا ہے) کا کوئی صحیح شاہد نہیں ہے لہٰذا یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

[**۱۳۹**] **وعن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : ((إن الميت يصير إلى القبر فيجلس الرجل في قبره من غير فزع ولا مشغوب ثم يقال :فيم كنت؟ فيقول :كنت في الإسلام . فيقال :ما هذا الرجل ؟ فيقول :محمد رسول اللّٰه جاء نا بالبينات من عند اللّٰه فصدقناه، فيقال له :هل رأيت اللّٰه ؟ فيقول:ما ينبغي لأحد أن يرى اللّٰه فيفرج له فرجة قبل النار فينظر إليها يحطم بعضها بعضًا، فيقال له: انظر إلى ما وقاك اللّٰه ثم يفرج له فرجة قبل الجنة فينظر إلى زهرتها و ما فيها فيقال له:هذا مقعدك**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یقیناً جب میت کو قبر کی طرف لے جایا جاتا ہے تو (ایمان دار) آدمی اپنی قبر میں بغیر خوف اور ڈر کے اُٹھ بیٹھتا ہے۔ پھر پوچھا جاتا ہے: تو کس حالت میں تھا؟ تو وہ جواب دیتا ہے: میں اسلام میں (یعنی مسلمان) تھا۔ پھر پوچھا جاتا ہے: یہ آدمی کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: محمد رسول اللہ (ﷺ) ہمارے پاس اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ اسے کہا جاتا ہے: کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: اللہ کو (دنیا میں) کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا، پھر اس کی قبر میں جہنم کی طرف سے ایک کھڑکی کھل جاتی

على اليقين كنت و عليه مت و عليه تبعث إن شاء اللّٰه تعالىٰ . و يجلس الرجل السوء في قبره فزعًا مشغوبًا فيقال :فيم كنت ؟ فيقول :لا أدري ! فيقال له :ما هذا الرجل؟ فيقول: سمعت الناس يقولون قولاً فقلته، فيفرج له قبل الجنة فينظر إلىٰ زهرتها و ما فيها فيقال له :انظر إلى ما صرف اللّٰه عنك، ثم يفرج له فرجة إلىٰ النار فينظر إليها يحطم بعضها بعضًا فيقال له :هذا مقعدك على الشك كنت وعليه مت و عليه تبعث إن شاء اللّٰه تعالىٰ .)) رواه ابن ماجه .

ہےتو وہ دیکھتا ہے کہ آگ ایک دوسرے کوجلا رہی ہے۔ پھر اسے کہاجاتا ہے: دیکھ! تجھے اللہ نے اس سے بچالیا ہے۔ پھر اس کے لئے جنت کی طرف سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہےتو وہ جنت کی تروتازگیاں اورنعمتیں دیکھتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے، تُو یقین پر تھا، اسی پر تیرا خاتمہ ہوا اوران شاءاللہ اسی پر تجھے دوبارہ زندہ کیاجائے گا۔

اور بُرا آدمی اپنی قبر میں خوف اور ڈرکا مارا اُٹھ بیٹھتا ہے تو (اس سے) پوچھاجاتا ہے: تُوکس حالت میں تھا؟ وہ کہتا ہے: مجھے پتانہیں ہے۔ پھر پوچھاجاتا ہے: یہ آدمی کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میں نے لوگوں کوایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے وہی بات کہہ دی۔ پھراس کے سامنے جنت کی طرف سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہےتو وہ جنت کی تروتازگیاں اور نعمتیں دیکھتا ہے۔ پھراسے کہا جاتا ہے: دیکھ! اللہ نے تجھے اس سے ہٹادیا ہے۔ پھراس کے لئے جہنم کی طرف سے ایک کھڑکی کھولی جاتی ہےتو دیکھتا ہے کہ آگ ایک دوسرے کوجلا رہی ہے۔ پھراسے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے، تو شک پر زندہ تھا، اسی پر مرا اوران شاءاللہ تجھے اسی پر دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

اسے ابن ماجہ (۴۲۶۸،۴۲۶۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اسے محدّث بوصیری نے بھی صحیح کہا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: قبر میں برزخی اعادۂ روح برحق ہے۔

۲: دنیامیں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کوحالتِ بیداری میں نہیں دیکھ سکتا۔

۳: تقلید جائزنہیں ہے۔

۴: خبیث روح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔

۵: عذابِ قبر برحق ہے اس کے لئے جو عذاب کا مستحق ہے اور اہلِ ایمان کے لئے اللہ کے فضل وکرم سے ثوابِ قبر (قبر کی نعمتیں) برحق ہے۔

٦: اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ **كما يليق بجلاله و شانه .**

۷: اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم واضح نشانیاں لے کر آئے ہیں۔



باب الإعتصام بالكتاب و السنة

کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے کا باب

الفصل الأول

[۱٤۰] عن عائشة قالت :قال رسول الله ﷺ : ((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ .)) متفق عليه .

(سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے حکم (دین) میں ایسی بات نکالی جو اس میں موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۲۶۹۷) صحیح مسلم (۱۷/ ۱۷۱۸)

فقہ الحدیث:

۱: دین میں ہر وہ نئی بات جو قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں بدعت کہلاتی ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جیسا کہ آنے والی حدیث (۱۴۱) میں ہے۔

۲: ایک طویل روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ مسجد میں حلقوں کی صورت میں کنکریوں پر سو دفعہ **الله أكبر**، سو دفعہ **لا إله إلا الله** اور سو دفعہ **سبحان الله** پڑھ رہے تھے تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انھیں اس حرکت سے منع کر دیا۔

دیکھئے سنن الدارمی (ج ا ص ۲۸۶، ۲۸۷ ح ۲۱۰ وسندہ حسن)

اس روایت کو سرفراز خان صفدر دیوبندی نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے راہِ سنت (ص ۱۲۳)

۳: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحدث في ديننا ما ليس منه فهو رد .)) جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس میں موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔ (جزءمن حدیث لوین: ۶۹ وسندہ صحیح، شرح السنۃ للبغوی: ۱۰۳، وسندہ حسن)

تنبیہ: حدیثِ لُوَیْن کا حوالہ المکتبۃ الشاملۃ سے لیا گیا ہے۔ (نیز دیکھئے جزء فیہ من حدیث لوین/مطبوع ح ۷۱ وسندہ صحیح)

۴: جو شخص کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑتا ہے اور ہر قسم کی بدعات سے دور رہتا ہے تو یہ شخص صراطِ مستقیم پر گامزن اور کامیاب ہے۔

۵: مشہور تابعی امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم سے پہلے گزرنے والے علماء فرماتے تھے کہ سنت کو مضبوطی سے پکڑنے میں

نجات ہے۔ (سنن الدارمی: ۹۷ وسندہ صحیح)

۶: تابعی عبداللہ بن فیروز الدیلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے پتا چلا ہے کہ دین کے خاتمے کی ابتداترکِ سنت سے ہوگی۔
(سنن الدارمی: ۹۸ وسندہ صحیح)

یادرہے کہ حجت ہونے کے لحاظ سے حدیث اور سنت ایک ہی چیز کے دونام ہیں جیسا کہ سلف صالحین اور اصولِ حدیث سے ثابت ہے لہٰذا جو شخص صحیح حدیث کا تارک ہے وہ سنت کا بھی تارک ہے۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے تارکِ سنت پر لعنت بھیجی ہے۔
دیکھئے سنن الترمذی (۲۱۵۴، وسندہ حسن)

۷: جلیل القدر تابعی امام حسان بن عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو قوم بھی اپنے دین میں کوئی بدعت نکالتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اُن سے سنتیں اُٹھالیتا ہے، پھر وہ سنتیں قیامت تک اُن کے پاس واپس نہیں آتیں۔ (سنن الدارمی: ۹۹ وسندہ صحیح)

۸: مشہور جلیل القدر تابعی امام اور فقیہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی رحمہ اللہ نے فرمایا: بدعتی لوگ گمراہ ہیں اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ (سنن الدارمی: ۱۰۱، وسندہ صحیح)

۹: یادرہے کہ شریعت میں بدعات کا تعلق اُن ایجادات سے ہے جن کا بغیر ادلۂ شرعیہ کے دین میں اضافہ کیا گیا ہے، رہی دنیاوی ایجادات تو ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ حدیث ((أنتم أعلم بأمر دنيا كم .)) تم دنیا کے معاملات زیادہ جانتے ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۳۶۳، دارالسلام: ۶۱۲۸) کی رُو سے وہ تمام دنیاوی ایجادات جائز ہیں جن کے ذریعے سے شریعت پر کوئی زد نہیں آتی۔

۱۰: حمص شام کے تبع تابعین میں سے ثقہ امام ابوزرعہ یحییٰ بن ابی عمر السیبانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۸ھ) فرماتے ہیں: یہ کہا جاتا تھا کہ بدعتی کی توبہ اللہ قبول نہیں کرتا اور (دوسری بات یہ ہے کہ) بدعتی ایک بدعت چھوڑ کر اُس سے زیادہ بُری بدعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (کتاب البدع والنہی عنہا: ۱۴۴، وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ اگر کوئی بدعتی اپنی بدعت سے لوگوں کے سامنے توبہ کر لے تو پھر بھی کافی عرصے تک اسے زیرِ نگرانی رکھنا چاہئے، کیونکہ عام اہلِ بدعت کا یہی دستور ہے کہ وہ ایک بدعت سے نکل کر دوسری خطرناک بدعت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

[**۱٤۱**] وعن جابر قال قال رسول الله ﷺ : ((أما بعد! فإن خير الحديث كتاب الله و خير الهدي هدي محمدٍ و شر الأمور محدثاتها و كل بدعة ضلالة)) رواه مسلم .

(سیدنا) جابر (بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: أما بعد! بے شک بہترین حدیث کتاب اللہ ہے اور بہترین طریقہ محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کا طریقہ ہے۔ اعمال میں بدعت سب سے بُرا عمل ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۴۳/۸۶۷)

فقه الحدیث:

۱: تقریر سے پہلے (اور مسنون خطبے کے بعد) اما بعد کہنا سنت ہے۔

۲: حدیثِ رسول کی طرح کتاب اللہ (قرآن) کو حدیث کہنا قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔
مثلاً دیکھئے سورۃ الزمر آیت:۲۳

۳: اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہر قسم کی بدعت گمراہی، باطل اور مردود ہے۔

۴: جو عمل سنت سے ثابت ہو اور عوام میں جاری نہ ہو، پھر اس ثابت شدہ عمل کو دوبارہ جاری کر دیا جائے تو لغوی اعتبار سے اسے بدعت کہا جا سکتا ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول ''**نعم البدعة هذه**'' یہ اچھی بدعت ہے۔ (صحیح بخاری:۲۰۱۰) کا یہی مطلب ہے لیکن جس عمل کا کتاب وسنت اور ادلۂ شرعیہ میں کوئی ثبوت ہی نہ ہو تو اسے بدعتِ حسنہ قرار دینا غلط ہے۔ شریعت میں بدعتِ حسنہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر بدعت گمراہی ہے۔ اگرچہ (بعض) لوگ اسے اچھا سمجھتے ہوں۔ (السنۃ للمروزی:۸۲ وسندہ صحیح)

۵: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام .**)) جس نے کسی بدعتی کی عزت کی تو اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی۔ (الشریعۃ للآجری ص۹۶۲ ح۲۰۴۰ وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اور شیخ البانی وغیرہ کا اسے ضعیف قرار دینا غلط ہے۔
ابو الفضل عباس بن یوسف الشکلی مقبول الروایہ راوی ہیں۔
دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۴۷۹/۲۳) اور الوافی بالوفیات (۳۷۳/۱۶)

۶: مشہور تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے اپنے ایک شاگرد کو ایک بدعتی کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اس کے پاس ہرگز نہ بیٹھو۔ (سنن الدارمی:۳۹۸ وسندہ صحیح)

۷: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بدعتی کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔

(سنن الدارمی:۳۹۹ وسندہ حسن، وقال الترمذی [۲۱۵۲]: ''حسن صحیح غریب'')

۸: ایک بدعتی نے امام ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی رحمہ اللہ سے کہا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں تو انھوں نے جواب دیا: آدھی بات بھی نہیں، اور انھوں نے اس شخص سے منہ پھیر لیا۔

(سنن الدارمی:۴۰۴ وسندہ صحیح، الشریعۃ الآجری ص۹۶۳ ح۲۰۴۶ وسندہ صحیح)

۹: مشہور ثقہ امام زائدہ بن قدامہ رحمہ اللہ صرف اہل سنت کو حدیث پڑھاتے تھے، فرماتے ہیں: ''**نحدّث أهل السنة**'' ہم (صرف) اہل سنت کو حدیثیں سناتے ہیں۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی:۱۲۰۸، وسندہ صحیح)

۱۰: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے جن میں صرف ایک جنتی ہے اور باقی سارے فرقے جہنمی ہیں۔ اسے درج ذیل صحابۂ کرام نے روایت کیا ہے:

۱: عوف بن مالک رضی اللہ عنہ (سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۲ وسندہ حسن)

۲: معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (سنن ابی داود: ۴۵۹۷ وسندہ حسن)

۳: ابوامامہ رضی اللہ عنہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۳۲۱/۸ ح ۸۰۳۵ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۸۸/۸، وسندہ حسن)

اس آخری روایت میں فرقہ ناجیہ السواد الاعظم کو قرار دیا گیا ہے اور حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں الجماعۃ کا لفظ ہے، ان سب سے مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی جماعتِ حقہ ہے اور یہی السواد الاعظم ہے۔

(نیز دیکھئے کتاب الشریعۃ الآجری ص ۱۴، ۱۵، دوسرا نسخہ ص ۱۷)

خیر القرون گزر جانے کے بعد شر القرون میں بعض مبتدعین کا اپنے آپ کو سوادِ اعظم قرار دینا اسی طرح غلط ہے جس طرح ایک صحیح العقیدہ مسلمان بہت سے گمراہوں کے اکثریتی علاقے میں رہ رہا ہو اور اکثریتی لوگ اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وتفترق أمتي علٰی ثلاث و سبعین فرقة)) اور میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

(سنن الترمذی: ۲۶۴۰ وقال: ''حدیث حسن صحیح'' وسندہ حسن وصححہ ابن حبان: ۱۸۳۴، والحاکم ۱۲۸/۱ علیٰ شرط مسلم ووافقہ الذہبی!)

یہ تینوں یا چاروں روایتیں اپنے مفہوم کے ساتھ صحیح لغیرہ ہیں بلکہ بعض علماء نے تہتر فرقوں والی حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی (ص ۵۷ ح ۱۸)

فرقوں والی بعض روایات ذکر کرنے کے بعد امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں: ''**رحم اللّٰه عبدًا حذر هٰذه الفرق و جانب البدع واتبع ولم یبتدع ولزم الأثر وطلب الطریق المستقیم و استعان بمولاه الکریم** '' اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے ان فرقوں سے ڈرایا اور بدعات سے دُوری اختیار کی، اس نے اتباع کی اور بدعات کی پیروی نہیں کی، اس نے آثار کو لازم پکڑا اور صراطِ مستقیم طلب کی اور اپنے مولیٰ کریم (اللہ) سے مدد مانگی۔

(الشریعۃ ص ۱۸، دوسرا نسخہ ص ۲۰ قبل ح ۳۰)

[**۱٤۲**] وعن ابن عباس قال قال رسول اللّٰه ﷺ: ((**أبغض الناس إلی اللّٰه ثلاثة: ملحد في الحرم و مبتغٍ في الإسلام سنة الجاهلية و مطلب دم امرئٍ بغیر حق لیهریق دمه .**)) رواه البخاري .

(سیدنا عبداللہ) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ تین آدمی ہیں: حَرم میں الحاد کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا اور کسی آدمی کا ناحق خون بہانے کا طلب گار۔

اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۶۸۸۲)

فقہ الحدیث:

۱: حرم (مکہ یا مدینہ) کی بے حرمتی کرنے کو الحاد فی الحرم کہتے ہیں اور اسی طرح بے دینی، کفر اور مذہب سے بیزاری کو بھی الحاد کہا جاتا ہے۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۴۵۷)

۲: اس حدیث سے حرمین کی فضیلت بھی واضح ہو رہی ہے۔

۳: بعض علماء نے کہا ہے کہ حرم میں بُرائی کے ارادے پر بھی سزا ملے گی جب کہ حرم سے باہر صرف بُرائی کے ارادے پر کوئی سزا و مواخذہ نہیں ہے۔

۴: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص (حرم سے دُور) عدن میں بھی ہو اور حرم میں الحاد کا ارادہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (مسند احمد ۱/۴۲۸ ح ۴۰۷۱ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۲/۳۸۸ ووافقہ الذہبی)

۵: جاہلیت کے طریقوں میں سے کفر، شرک اور بدعت سب حرام کام ہیں۔

اس حدیث سے بدعت کی مذمت اور سنت کا اثبات ہوتا ہے۔

مرعاۃ المفاتیح میں میت پر جاہلیت کی طرح رونا پیٹنا، جوا، بدفالی اور نجومیوں کے پیشے وغیرہ کو جاہلیت کے طریقوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ (ج۱ص۲۳۸)

۶: دینِ اسلام میں کسی کا ناحق خون بہانا حرام ہے۔

[**۱۴۳**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبى .)) قيل : ومن أبى؟ قال : ((من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى .)) رواه البخاري .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری ساری اُمت جنت میں جائے گی سوائے اُس شخص کے جس نے (داخل ہونے سے) انکار کر دیا۔ پوچھا گیا: وہ کون ہے جو انکار کر دے گا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے (داخل ہونے سے) انکار کر دیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۷۲۸۰)

فقہ الحدیث:

۱: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔

۲: رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کا انکار کرنے والا شخص جنت سے محروم رہے گا۔
۳: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء:۸۰)
درج بالا حدیث اس آیت کی تصدیق و بیان ہے۔ والحمدللہ
۴: گناہ گار مسلمانوں کو نبی ﷺ کی اُمت سے خارج کرنا یا سمجھنا غلط ہے۔
۵: راجح یہی ہے کہ اُمت سے مراد اُمتِ اجابت ہے یعنی امت میں سے وہ لوگ جنت میں جائیں گے جنھوں نے نبی کریم ﷺ کا سچے دل سے کلمہ پڑھا ہے اور اسلام سے دور کرنے والے عقائد و اعمال سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔
٦: ہر وقت سنت کا دامن مضبوطی سے تھامنا اور بدعات سے بچنا ضروری ہے۔

[١٤٤] وعن جابر قال :جاء ت ملائكة إلى النبي ﷺ وهو نائم، فقالوا :إنّ لصاحبكم هذا مثلاً، فاضربوا له مثلاً . قال بعضهم :إنه نائم . وقال بعضهم :إنّ العين نائمة والقلب يقظان . فقالوا :مثله كمثل رجلٍ بَنى دارًا وجعل فيها مأدُبة و بَعَث داعيًا فمن أجاب الداعي دخل الدار و أكل من المأدبة ومن لم يجب الداعي لم يدخل الدار ولم يأكل من المأدبة . فقالوا: أوّلوها له يفقهها. قال بعضهم :إنه نائم وقال بعضهم :إن العين نائمة والقلب يقظان . فقالوا :الدار الجنة والداعي محمدٌ فمن أطاع محمدًا فقط أطاع اللّٰه ومن عصى محمدًا فقد عصى اللّٰه و محمد فرقٌ بين الناس .
رواه البخاري.

(سیدنا) جابر (بن عبداللہ الانصاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی ﷺ سوئے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس فرشتے آئے اور کہا: تمھارے اس ساتھی کی ایک مثال ہے، وہ مثال بیان کرو۔ بعض نے کہا: آپ سوئے ہوئے ہیں اور کچھ نے کہا: آنکھ سوئی ہوئی ہے اور دل بیدار ہے۔ پھر انھوں نے کہا: آپ کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں دسترخوان بچھا کر (لوگوں کی طرف) ایک دعوت دینے والا بھیجا۔ پھر جس نے دعوت دینے والے کی دعوت قبول کی تو وہ گھر میں داخل ہوکر (اُس کے ساتھ) دسترخوان میں سے کھائے گا اور جس نے دعوت قبول نہ کی تو نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ دسترخوان سے کھائے گا۔ پھر انھوں نے کہا: اس مثال کی تشریح بیان کریں تاکہ آپ (ﷺ) سمجھ جائیں۔ بعض نے کہا: آپ سوئے ہوئے ہیں اور کچھ نے کہا: آنکھ سوئی ہوئی ہے اور دل بیدار ہے۔ پھر انھوں نے کہا: گھر (سے مراد) جنت ہے اور دعوت دینے والے محمد (ﷺ) ہیں، پس جس نے محمد (ﷺ) کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد (ﷺ) کی نافرمانی کی تو اس

نے اللہ کی نافرمانی کی، محمد (ﷺ) لوگوں میں فرق (کرنے والے) ہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۷۲۸۱)

فقه الحدیث:

۱: رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرنا اصل میں قرآن مجید پر عمل کرنا ہی ہے۔

۲: انبیاء اور رسولوں کے خواب سچے ہوتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔

۳: نیند کی حالت میں آپ کے دل کے بیدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سونے سے آپ ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا اور نہ آپ عام آدمی کی طرح غفلت کی نید سوتے تھے۔

یاد رہے کہ آپ کے علاوہ ہر انسان کا وضو سونے سے ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے سنن الترمذی (۹۶ وسندہ حسن وقال: ھٰذا حدیث حسن صحیح)

۴: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔

۵: لوگوں میں فرق اور جدائی کی وجہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول مانتے ہیں، قرآن و حدیث کو دینِ اسلام تسلیم کرتے ہیں، وہ ایک امت ہیں اور ان کے مقابلے میں سارے کفار (اور شدید مبتدعین) ایک ملت ہیں۔ حق و باطل کا یہ معرکہ اور اسلام و کفر کا مقابلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

۶: نبی ﷺ کے پاس فرشتوں کا آنا اور ان کی یہ گفتگو اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث بھی وحی ہے۔

۷: ''اس مثال کی تشریح بیان کریں تاکہ آپ (ﷺ) سمجھ جائیں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

۸: اگر کسی شخص میں اچھی خصلت ہو تو اس کی تعریف کی جا سکتی ہے، لیکن خوشامد اور چاپلوسی جائز نہیں ہے۔

۹: یہ فرشتے کون تھے؟ ان کے نام معلوم نہیں ہیں۔ دیکھئے فتح الباری (۲۵۵/۱۳)

لیکن سنن الترمذی (۲۸۶۰) کی ایک منقطع روایت میں آیا ہے کہ یہ جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ امام ترمذی یہ روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے۔ سعید بن ابی ہلال نے جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات نہیں کی۔

(مطبوعہ دارالسلام ص ۶۴۲)

معلوم ہوا کہ روایتِ مذکورہ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس مسئلے میں سکوت بہتر ہے۔

تنبیہ: جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کے نام قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ (دیکھئے سورۃ البقرۃ: ۹۸)

اسرافیل علیہ السلام کا نام صحیح مسلم (۷۷۰، دارالسلام: ۱۸۱۱) میں مذکور ہے، لیکن موت کے فرشتے (ملک الموت) کا نام عزرائیل کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

وہب بن منبہ تابعی سے ایک موقوف (مقطوع) روایت میں یہ نام آیا ہے، لیکن اس کی سند میں محمد بن ابراہیم بن العلاء منکر الحدیث ہے۔

دیکھئے العظمۃ لابی الشیخ لاصبہانی (۳/۸۴۸ ح ۳۹۴، ۳/۹۰۰ ح ۴۳۹) لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

اشعث نامی کسی تبع تابعی سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ملک الموت علیہ السلام کا نام عزرائیل ہے۔

(کتاب العظمۃ لابی الشیخ ج ۳ ص ۹۰۹ ح ۴۴۳ وسندہ صحیح)

اشعث تک سند صحیح ہے اور اشعث کے بارے میں شیخ رضاء اللہ بن محمد ادریس مبارکپوری لکھتے ہیں: وہ اشعث بن اسلم العجلی البصری الربعی ہیں۔ (ایضاً مترجماً)

اشعث بن اسلم رحمہ اللہ کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقة

(تاریخ یحییٰ بن معین، روایۃ الدوری: ۳۴۰۳، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۲/۲۶۹ وسندہ صحیح)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۶/۶۳)

معلوم ہوا کہ عزرائیل کا لفظ تبع تابعین کے دور سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

۱۰: اگر کسی عذر کی وجہ سے کسی شخص سے بلا واسطہ (Direct) بات کرنا ممکن یا مناسب نہ ہو تو خوش اخلاقی اور اچھے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرے ذریعے سے اس شخص تک اپنی بات پہنچانا جائز ہے۔

[**١٤٥**] وعن أنس قال :جاء ثلاثة رهط إلى أزواج النبي ﷺ يسألون عن عبادة النبي ﷺ فلما أخبروا بها كأنهم تقالّوها فقالوا :أين نحن من النبي ﷺ وقد غفر اللّٰه له ما تقدم من ذنبه وما تأخّر؟ فقال أحدهم :أما أنافأصلي الليل أبدًا . وقال الآخر :أنا أصوم النهار أبدًا ولا أفطر . وقال الآخر :أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبدًا، فجاء النبي ﷺ إليهم فقال :((أنتم الذين قلتم كذا و كذا؟ !أما واللّٰه !إني لأخشاكم للّٰه. و أتقاكم له، لكني أصوم و أفطر و أصلي و أرقد و أتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني .))

متفق عليه .

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج (مطہرات) کے پاس نبی ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھنے کے لئے تین آدمی آئے، پھر جب انھیں بتایا گیا تو گویا انھوں نے اسے بہت تھوڑا سمجھا اور کہا: ہم کہاں اور نبی ﷺ کہاں؟ اللہ نے (نبوت سے) پہلے اور (نبوت کے) بعد (ہر دور میں) آپ کے اور گناہوں کے درمیان پردہ ڈالا ہوا ہے، یعنی آپ ﷺ تو گناہوں سے بالکل معصوم ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ رات کو (نفل) نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں تو ہمیشہ روزے رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں تو عورتوں سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ پھر ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لائے تو (معلوم ہونے

کے بعد) فرمایا: تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے منہ پھیرا تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۵۰۶۳) صحیح مسلم (۱۴۰۱/۵)

فقہ الحدیث:

۱: ہمیشہ سنت پر عمل اور بدعات سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔
۲: نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت سے جان بوجھ کر منہ پھیرنے والا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے طریقے کا مخالف ہے۔
۳: دینِ اسلام میں رہبانیت اور کلیتاً ترکِ دنیا کا کوئی تصور نہیں ہے۔
۴: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت اور حدیث قیامت تک ہر دور میں حجت ہے۔
۵: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ گناہوں سے بالکل معصوم ہونے کے باوجود کثرت سے عبادت کرتے تھے۔
۶: بہتر سے بہتر عمل کی تلاش اور تحقیق میں مسلسل مصروف رہنا چاہئے۔
۷: کتاب وسنت کے خلاف ہر بات کا رد کرنا اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔
۸: اگر کوئی مسئلہ پیش آ جائے تو کوشش کر کے بڑے عالم کے پاس جا کر پوچھنا چاہئے۔
۹: کتنا ہی بڑا عالم وزاہد ہو، اسے اجتہادی غلطی لگ سکتی ہے، لہٰذا دینِ اسلام میں تقلید کا کوئی تصور نہیں ہے۔
۱۰: یہ تین آدمی کون تھے؟ کسی صحیح حدیث میں اس کی وضاحت نہیں ہے۔
اس سلسلے میں فتح الباری (۹/۱۰۴، ۱۰۵) وغیرہ میں مذکور سارے اقوال غیر ثابت ہیں۔

[**١٤٦**] وعن عائشة رضي الله عنها قالت: صنع رسول الله ﷺ شيئًا فرخص فيه فتنزه عنه قوم فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فخطب فحمد الله ثم قال: ((ما بال أقوام يتنزهون عن الشيءِ أصنعه؟ فوالله! إني لأعلمُهم بالله و أشدهم له خشية.))

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کوئی کام کیا پھر آپ نے اس کی اجازت دے دی تو کچھ لوگوں نے اس کام سے (ناپسندیدگی کی بنا پر) اعراض کیا۔ جب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے اللہ کی حمد بیان کرتے ہوئے خطبہ دیا پھر فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ

متفق عليه .

وہ ایسی چیز سے اجتناب کرتے ہیں جسے میں کرتا ہوں؟ اللہ کی قسم! میں ان سب سے زیادہ اللہ کے بارے میں جاننے والا اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۶۱۰۱) صحیح مسلم (۱۲۷/۲۳۵۶)

فقہ الحدیث:

۱: رسول اللہ ﷺ کی سنت بہترین نمونۂ زندگی ہے جسے ہر وقت خوشی اور محبت سے اپنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہئے۔

۲: قرآن وحدیث کی مخالفت اور بدعات کی پیروی سے ہر وقت بچنا ضروری ہے۔

۳: دربارِ الٰہی میں صرف وہی عمل معتبر ومقبول ہے جس پر قرآن وحدیث کی مُہر ثبت ہو۔

۴: آپ نے کون سا کام کیا تھا؟ اس کے بارے میں مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ظاہر ہے اس سے مرادرات کے بعض حصے میں نیند کرنا اور بعض دنوں میں نفلی روزے نہ رکھنا ہے، آپ نے شادیاں بھی کیں۔ (دیکھئے مرعاۃ المفاتیح ج۱ص۲۴۲) واللہ اعلم

۵: کتاب وسنت کے خلاف امور کا خطبے میں علانیہ رد کرنا مسنون ہے، لیکن خاص آدمی کا نام لینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ نبی ﷺ نے اُمت سے محبت اور رحمت للعالمین ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ بات کا ردتو فرمادیا، لیکن خطبے میں اپنے ان صحابہ کا نام نہیں لیا جنھوں نے اجتہادی لغزش کی وجہ سے مسنون کام سے اجتناب کرنے کا اظہار کیا تھا۔

داعی کو یہ طرزِ عمل ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہئے۔

۶: بعض اوقات موقع کی مناسبت سے صراحت کے بجائے اشارے کنایے میں سمجھایا جاسکتا ہے، جیسا کہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۰/۵۱۳ باب من لم یواجہ الناس بالعتاب)

۷: دنیا کا کوئی آدمی بھی رسول اللہ ﷺ کے برابر نہیں ہوسکتا چاہے کتنے ہی نیک اعمال کرے اور علم کا کتنا ہی بڑا پہاڑ بن جائے، کجا یہ کہ وہ آپ ﷺ سے بڑھ جائے؟ ایسا تصور سرے سے باطل اور محال ہے۔

یہاں پر بطورِ ردعرض ہے کہ ایک شخص نے لکھا ہے: ''انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو عُلوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہوجاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں اور....''

عرض ہے کہ اس شخص کا عقیدہ باطل اور مردود ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے ساتھ اُمتیوں کے مساوی (برابر) ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کجا یہ کہ بڑھ جانے کا دعویٰ کر دیا جائے۔!

اہلِ ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ساری امت بلکہ ساری کائنات کے علوم واعمال مل کر بھی نبی ﷺ کے علوم واعمال تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو بہت لمبی عمر مل جائے اور وہ نیکیوں کے انبار لگادے تو وہ نبی ﷺ کے کسی عام صحابی کے درجے تک بھی

نہیں پہنچ سکتا۔سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لو وزن إیمان أبي بکر بإیمان أهل الأرض لرجح به .''
اگر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے ایمان کا ساری زمین والوں کے ایمان سے وزن کیا جائے تو ان (سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ) کا ایمان بھاری ہوگا۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل قلمی ص ۹۴ ب ح ۸۲۱، مطبوع ۱/۳۷۸ وسندہ حسن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھنا چاہئے کیونکہ بندہ ذرہ سی گستاخی سے بھی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے ساتھ رب العالمین کے غضب اور ابدی عذاب کا حقدار ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے۔ (آمین)

۸: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہونے سے کبھی شرمانا نہیں چاہئے، جو کہ احادیث کی صورت میں مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ بعض مُلحدین اور بے دین لوگ داڑھی اور ٹخنوں سے اوپر ازار پر اعتراضات اور طعن وتشنیع کرتے رہتے ہیں، ایسے اعتراضات اور طعن وتشنیع سے قطعاً گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کرنے میں دونوں جہانوں کی کامیابی کا یقین ہونا چاہئے۔

۹: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں۔

۱۰: اگر سنت میں کسی بات کی رخصت موجود ہے تو خوامخواہ تشدد نہیں کرنا چاہئے۔ بعض لوگ تصوف کے جال میں پھنس کر مصنوعی پرہیزگاری پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، یہ لوگ سخت گرمیوں کی دھوپ میں اور سخت سردیوں میں ٹھنڈے پانی میں بیٹھے رہتے ہیں۔

اس طرح کے سارے اعمال خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

[۱۴۷] وعن رافع بن خدیج قال: قدم نبي اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم وهم یؤبّرون النخل فقال: ((ما تصنعون ؟)) قالوا: کنا نصنعه . قال: ((لعلکم لو لم تفعلوا کان خیرًا .)) فترکوه فنقصت . قال: فذکروا ذلك له فقال: ((إنما أنا بشر، إذا أمرتکم بشيء من أمر دینکم فخذوا به و إذا أمرتکم بشيء من رأیي فإنما أنا بشر .)) رواه مسلم .

(سیدنا) رافع بن خدیج (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ طیبہ) تشریف لائے اور لوگ کھجور کے درختوں کی پیوندکاری کرتے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا: تم کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم اسی طرح کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو! لوگوں نے پیوندکاری چھوڑ دی تو اس سال (کھجور کی) فصل تھوڑی ہوئی۔ لوگوں نے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: میں تو ایک بشر ہوں، اگر میں تمھیں دین کا کوئی حکم دوں تو اسے لے لو اور اگر اپنی رائے سے کوئی بات کروں تو میں ایک بشر ہوں۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخريج: صحیح مسلم(۲۳۶۲/۴۰)

فقه الحدیث:

۱: رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں، صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے اور یہ اس کی صفتِ خاصہ ہے۔

۲: دین میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث حجت ہے۔

۳: اُمتِ مسلمہ میں بڑے سے بڑا عالم ہو یا مجتہد اس کی ہر رائے اور ہر اجتہاد پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔

۴: تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔

۵: بعض دنیاوی علوم کا معلوم نہ ہونا علوِ شان کے منافی نہیں ہے۔

۶: دنیاوی اُمور میں لوگوں کو اختیار ہے جس طرح چاہیں کریں بشرطیکہ ان کا عمل کسی دینی حکم کے مخالف نہ ہو۔

۷: سیدہ عائشہ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((أنتم أعلم بأمر دنیاکم)) تم دنیاوی امور زیادہ جانتے ہو۔ (صحیح مسلم:۲۳۶۳، دارالسلام:۶۱۲۸)

۸: اجتہاد میں غلطی ہوسکتی ہے، لہٰذا کسی مجتہد کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

۹: رسول اللہ ﷺ ہدایت کا نور ہونے کے باوجود بشر ہیں۔

۱۰: رسول اللہ ﷺ حاضر وناظر نہیں ہیں ورنہ پھر مدینہ تشریف لانے کا کیا مطلب ہے؟

[**۱۴۸**] وعن أبي موسى قال قال رسول الله ﷺ: ((إنما مثلي ومثل ما بعثني الله به كمثل رجل أتى قومًا فقال :يا قومِ ! إني رأيت الجيش بعينيّ و إني أنا النذير العريان !فالنجاء النجاء . فأطاعه طائفةٌ من قومه فأدلجوا فانطلقوا علٰى مهلهم فنجوا و كذّبت طائفة منهم فأصبحوا مكانهم فصبّحهم الجيش فأهلكهم واجتاحهم . فذلك مثل من أطاعني فاتبع ما جئت به ومن عصاني و كذّب ما جئت به من الحق .)) متفق عليه .

(سیدنا) ابوموسیٰ (عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور اللہ نے جو دین مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو ایک قوم کے پاس آ کر کہتا ہے: اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے (جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے) میں واضح ڈرانے والا ہوں، بچ جاؤ بچ جاؤ! اس کی قوم کے ایک گروہ نے اس کی بات مانی، وہ راتوں رات نکل کر اپنے محفوظ ٹھکانوں پر پہنچ گئے تو (دشمنوں سے) بچ گئے۔ ایک گروہ نے اسے جھوٹا سمجھا اور اپنے گھروں میں رات گزاری تو صبح کو وہ لشکر پہنچ گیا جس نے انھیں تباہ وبرباد کردیا۔ یہ مثال ان کی ہے جنھوں نے میری اطاعت کی اور میرے لائے ہوئے دین پر عمل کیا (تو وہ نجات پا گئے) اور

جنھوں نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے دینِ حق کو جھوٹا سمجھا (تو وہ تباہ ہو گئے۔) متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۷۲۸۳) صحیح مسلم (۲۲۸۳/۱۶)

فقہ الحدیث:

۱: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔
۲: سچے راوی کی بیان کردہ خبرِ واحد حجت ہے۔
۳: تبلیغِ دین کے لئے مثالیں بیان کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ان مثالوں سے کسی دینی حکم کی مخالفت نہ ہو۔
۴: قرآن وحدیث پر عمل نہ کرنے والے لوگ آسمانی عدالت اور اُخروی زندگی میں تباہ وبرباد ہوں گے اور (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) عذاب میں رہیں گے۔

[**١٤٩**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((مثلي كمثل رجل استوقد نارًا فلما أضاء ت ما حولها جعل الفراش و هذه الدواب التي تقع فى النار يقعن فيها وجعل يحجز هن و يغلبنه فيتقحمن فيها فأنا آخذ بحجزكم عن النار و أنتم تقحمون فيها .)) هذه رواية البخاري ولمسلم نحوها وقال في آخرها: قال :((فذلك مثلي و مثلكم، أنا آخذ بحجزكم عن النار:هلم عن النار!هلم عن النار! فتغلبوني . تقحمون فيها .)) متفق عليه.

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی پھر جب اس کے اردگرد روشنی ہوگئی تو پتنگے وغیرہ جو آگ میں گرتے ہیں اس میں گرنے لگے۔ وہ آدمی انھیں دور ہٹانے لگا لیکن وہ اس پر غالب آکر آگ میں زبردستی گرنے لگے۔ میں تمھیں تمھاری کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے ہٹا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں زبردستی گرتے جا رہے ہو۔
یہ (صحیح) بخاری (۶۴۸۳) کی روایت ہے اور (صحیح) مسلم (۲۲۸۴/۱۸) میں اسی طرح روایت ہے جس کے آخر میں آیا ہے کہ یہ میری اور تمھاری مثال ہے۔ میں تمھیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے ہٹا رہا ہوں۔ آگ سے پرے ہٹ جاؤ، آگ سے پرے ہٹ جاؤ! مگر تم زبردستی اس میں گر رہے ہو۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۶۴۸۳) صحیح مسلم (۲۲۸۴/۱۷)

فقه الحدیث:

۱: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت فرض ہے۔

۲: صرف دینِ اسلام پر عمل کرنے میں ہی پوری انسانیت کی نجات ہے۔

۳: مناسب مثالوں کے ذریعے سے اپنی بات سمجھانا جائز ہے۔

۴: ثقہ راوی کی زیادت (روایت میں اضافہ) حجت ہے۔

۵: اگر ایک صحیح روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہوں اور دوسری روایت میں وہ الفاظ موجود نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے، اضافے کا ہی اعتبار کرنا چاہئے۔

۶: حدیث حجت ہے۔

۷: خبرِ واحد حجت ہے۔

[**۱۵۰**] وعن أبي موسى قال قال رسو ل اللّٰه ﷺ :((مثل ما بعثني اللّٰه به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير أصاب أرضًا فكانت منها طائفة طيبة قبلت الماء فأنبتت الكلأ والعشب الكثير وكانت منها أجادب أمسكت الماء فنفع اللّٰه بها الناس فشربوا و سقوا وزرعوا وأصاب منها طائفة أخرى إنما هي قيعان لا تمسك ماء ولا تنبت كلأ فذلك مثل من فقه في دين اللّٰه و نفعه ما بعثني اللّٰه به فعلم و علم ومثل من لم يرفع بذلك رأسًا ولم يقبل هدى اللّٰه الذي أرسلت به .)) متفق عليه .

(سیدنا) ابوموسیٰ (الاشعری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس زیادہ بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر برستی ہے تو زمین کا ایک اچھا ٹکڑا اس پانی کو جذب کر لیتا ہے پھر اس میں بہت سی گھاس اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ زمین کے بعض ٹکڑے سخت ہوتے ہیں جو پانی کو جمع کر لیتے ہیں پھر اللہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ لوگ اسے پیتے اور پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ زمین کا ایک حصہ چٹیل میدان کی طرح ہوتا ہے جو نہ پانی روکتا ہے اور نہ اس میں کوئی سبزہ اُگتا ہے۔ یہ اس شخص کی مثال ہے جسے اللہ نے دین میں تفقہ دیا اور جو دین میں لایا ہوں اُس سے نفع پہنچایا تو اس آدمی نے علم سیکھا اور علم سکھایا۔ اور دوسری مثال اس شخص کی ہے جس نے دین پر کوئی توجہ نہ دی اور اللہ نے جو ہدایت دے کر مجھے بھیجا ہے اسے قبول نہ کیا۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۷۹) صحیح مسلم (۱۵/۲۲۸۲)

فقه الحدیث:

۱: دوقسم کے لوگ فائدے میں ہیں:
قرآن وحدیث کو یاد کر کے اس کی تعلیم دینے والے اور قرآن وحدیث کے تفقہ (سوجھ بوجھ) کے ذریعے سے دین اسلام کے مطابق اپنی زندگی گزارنے والے۔

۲: صحیح العقیدہ عالم کو عام لوگوں پر فضیلت حاصل ہے بشرطیکہ وہ کتاب وسنت پر عمل کرنے والا ہو، ریا کار اور لالچی نہ ہو۔

۳: مسلمان بھائیوں سے تعاون کرنا اور ان کے کام آنا اہلِ ایمان کی نشانی ہے۔

۴: تفقہ سے مراد فہم سلف صالحین کی روشنی میں قرآن، حدیث اور اجماع پر عمل ہے۔ کتاب وسنت کی مخالفت کرنے والے بعض اہل الرائے اپنے آپ کو فقیہ سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ وہ فقہ وتفقہ سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

امام بخاری کے استاذ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**التفقه في معاني الحديث نصف العلم ، ومعرفة الرجال نصف العلم**'' حدیث کے مفہوم کا تفقہ آدھا علم ہے اور اسماء الرجال کی پہچان آدھا علم ہے۔

(المحدث الفاصل بین الراوی والواعی ص ۳۲۰ ح ۲۲۲ وسندہ صحیح)

ولید بن حماد اللؤلؤی نامی ایک فقیہ گزرے ہیں جنھیں حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات (۹/ ۲۲۶) میں ذکر کیا ہے۔ ان کے بارے میں ابوجعفر محمد بن عبید بن عتبہ الکوفی (ثقہ صدوق) فرماتے ہیں: ''**وكان من البكّائين ، ثقة فقيه، لا يفتي بالرأي**'' وہ کثرت سے رونے والوں میں سے تھے، ثقہ فقیہ تھے، رائے سے فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ (صحیح ابی عوانہ ج ۱ ص ۹ ح ۱۲، وسندہ صحیح)

افسوس ہے ان لوگوں پر جو کتاب وسنت کا علم ہونے کے باوجود جان بوجھ کر قرآن وحدیث کے خلاف رائے پر فتوے دیتے ہیں اور اپنے آپ کو ''فقیہ'' سمجھے بیٹھے ہیں۔!

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ دو سجدوں کے درمیان ((رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ)) اے میرے رب! مجھے بخش دے، اے میرے رب! مجھے بخش دے، پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۸۷۴، سنن النسائی: ۱۰۷۰، ۱۱۴۶، مسند ابی داود الطیالسی: ۴۱۶ وسندہ صحیح)

تنبیہ: نبی کریم ﷺ گناہوں سے بالکل پاک اور معصوم ہیں۔ آپ یہ دعا امت کی تعلیم کے لئے پڑھتے تھے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میرے اور گناہوں کے درمیان پردہ ڈال دے۔

(دیکھئے میری کتاب الاتحاف الباسم فی تحقیق موطأ امام مالک روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم ح ۴۸۳)

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ راوی امام مکحول تابعی رحمہ اللہ دو سجدوں کے درمیان '' اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْزُقْنِيْ '' اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے مضبوط کر دے اور مجھے رزق عطا فرما، پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ جدیدہ محققہ ج ۲ ص ۵۳۴ ح ۸۹۲۲ وسندہ صحیح)

اس کے برعکس محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی طرف منسوب کتاب ''الجامع الصغیر'' میں لکھا ہوا ہے: ''**وكذلك بين السجدتين يسكت**'' اور اسی طرح دو سجدوں کے درمیان خاموش رہے گا۔ (ص ۸۸)

اس پر حاشیے میں عبدالحئ لکھنوی لکھتے ہیں: ''هذا مخالف لما جاء في الأخبار الصحاح ... ''جو صحیح احادیث میں آیا ہے یہ اس کے مخالف ہے۔! (شرح الجامع الصغیر ص ۸۸)

[**۱۵۱**] وعن عائشة قالت: تلا رسول الله ﷺ: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ وقرأ إلى: ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ قالت قال رسول اللّٰه ﷺ: ((فإذا رأيت)) وعند مسلم: ((رأيتم - الذين يتبعون ما تشابه منه فأولئك الذين سمّاهم الله فاحذروهم .))
متفق عليه .

(سیدہ) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ [وہ وہی ذات ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں] سے لے کر ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ [عقل مندوں کے علاوہ کوئی بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ (ال عمران: ۷)] تک تلاوت فرمائی۔ (پھر) آپ نے فرمایا: اگر تُو ان لوگوں کو دیکھے اور مسلم کی روایت کے مطابق: تم اُن لوگوں کو دیکھو جو متشابہ (آیات) کی پیروی کرتے ہیں تو ان سے بچو، یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۴۵۴۷) صحیح مسلم (۲۶۶۵)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُمت میں بدعتی (مثلاً خوارج وغیرہ) لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، لیکن ان سے بچنا ضروری ہے۔

۲: محکم اس آیت کو کہتے ہیں جو ظاہر اور واضح ہو، اُس میں کسی تاویل کی ضرورت نہ ہو، مثلاً حلال وحرام، وعد و وعید، عذاب وثواب اور امر ونہی وغیرہ۔

متشابہ اس آیت کو کہتے ہیں جس میں مختلف معانی کا احتمال ہو، مثلاً حروف مقطعات وغیرہ۔

دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری (۳/۱۱۳، ۱۱۸) اور فتح الباری (۸/۲۱۰، ۲۱۱ ح ۴۵۴۷)

۳: بعض اہل بدعت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا، آسمانِ دنیا پر نازل ہونا اور آیاتِ صفات وغیرہ متشابہات میں سے ہیں، اہل بدعت کا یہ دعویٰ مردود ہے اور سلف صالحین سے بھی ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔

۴: کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو راسخ فی العلم علماء یعنی ثقہ وصدوق سلف صالحین سے ثابت ہے۔

[۱۵۲] وعن عبداللّٰه بن عمرو قال :هجّرت إلى رسول اللّٰه ﷺ يومًا، قال:فسمع أصوات رجلين اختلفا في آية فخرج علينا رسول اللّٰه ﷺ يعرف في وجهه الغضب فقال :((إنما هلك من كان قبلكم باختلافهم فی الكتاب .)) رواه مسلم .

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں ایک دن دو پہر کے وقت رسول ﷺ کے پاس گیا تو آپ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جنھوں نے ایک آیت کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ رسول ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۶۶۶)

فقہ الحدیث:

۱: قرآن مجید کے بارے میں اپنی رائے سے ایسا اختلاف کرنا جائز نہیں ہے جس سے جھگڑا اور باہمی نفرت پیدا ہو بلکہ آیات کے مفہوم کو احادیث اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق حل کرنا، سمجھنا اور عمل کرنا چاہیے۔

۲: آیات سے ایسا استدلال جو کفر وشرک یا بدعت کی طرف لے جائے حرام ہے۔

۳: کتاب وسنت کے منافی امور پر غیظ وغضب کا اظہار جائز ہے۔

۴: گمراہی کی اصل جڑ یہ ہے کہ کتاب وسنت کی غلط تاویل کر کے سلف صالحین کے خلاف استدلال کیا جائے یا کتاب وسنت کا ہی انکار کر دیا جائے۔

[۱۵۳] وعن سعد بن أبي وقاص قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((إنّ أعظم المسلمين فی المسلمين جرمًا من سأل عن شيء لم يحرّم على الناس فحرّم من أجل مسألته .)) متفق عليه .

(سیدنا) سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں پوچھا جو حرام نہیں ہوئی تھی، پھر اس کے پوچھنے کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۷۲۸۹) صحیح مسلم (۱۳۲/ ۲۳۵۸)

فقہ الحدیث:

۱: جس چیز کی ممانعت یا حرام ہونے کا ذکر کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت نہیں ہے تو ایسے دنیاوی اُمور میں اصل یہ ہے کہ یہ

چیزیں مباح ہیں الا یہ کہ شریعت میں اس کی ممانعت وارد ہو۔ دیکھئے فتح الباری (۱۳/۲۶۹)

۲: فضول سوالات کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۳: اس حدیث کا تعلق عہد نبوی یعنی دورِ نزول وحی کے ساتھ ہے۔

۴: ایسا کام کرنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو حرام ہے۔

۵: مسئلہ پوچھتے وقت مفادِ عامہ کا خیال ضرور رکھنا چاہئے۔

۶: سیاق وسباق اور حالات کے لحاظ سے بعض اوقات معمولی لغزش بھی بہت سنگین جرم بن جاتا ہے۔

[۱۵۴] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم و إياهم، لا يضلونكم ولا يفتنونكم .)) رواه مسلم .

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں ایسے کذاب دجال ہوں گے جو تمھارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سُنی ہوں گی اور نہ تمھارے آباء واجداد نے سُنی ہوں گی، خبردار! ان سے بچ جانا، یہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۷)

فقه الحديث:

۱: ایسی بے سند حدیثیں جو محدثین کی کتابوں میں نہیں ہیں، پیش کرنے والے لوگ اس حدیث کے مخاطب ہیں مثلاً:

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"

"لاجمعة إلا بخطبة "

" لو لاك لما خلقت الافلاك "

اور" **أول ما خلق الله نوري**" وغیرہ قسم کی روایات۔

۲: اہل بدعت کی بنیادی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ یہ لوگ موضوع، بے اصل اور بے سند قسم کی روایتیں بطورِ حجت پیش کرتے رہتے ہیں۔ ۳: اہل بدعت سے دور رہنا اور بچنا ضروری ہے۔

۴: اس حدیث میں تمھارے سے مراد محدثین کرام (اہل حدیث) ہیں، لہٰذا اس حدیث میں اہل حدیث کی فضیلت ہے۔

۵: جھوٹی اور بے اصل حدیثیں بیان کرنا حرام ہے۔ ۶: رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا گناہِ کبیرہ اور بہت بڑا جرم ہے جس کے بارے میں بعض محدثین کی تحقیق ہے کہ ایسا کرنے والے کی توبہ دنیا میں قبول نہیں کی جائے گی۔

۷: احادیث گھڑنے والا کذاب و دجال ہے، موجودہ دور میں بھی بعض لوگ اپنی خطابت کو چمکانے کے لئے احادیث گھڑ لیتے ہیں۔ العیاذ باللہ

[۱۵۵] وعنه قال: كان أهل الكتاب يقرؤون التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام. فقال رسول الله ﷺ: ((لا تصدّقوا أهل الكتاب ولا تكذّبوهم و قولوا: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا ﴾ الآية. رواه البخاري.

انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی میں اس کی تشریح بیان کرتے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو اور کہو: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا ﴾ الآیۃ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف بھیجا گیا ہے اُس پر ایمان لائے۔ آخر آیت تک۔
اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۷۵۴۲)

فقہ الحدیث:

۱: اہلِ کتاب سے مراد یہودی ہیں جو عبرانی زبان والی تورات کو مانتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ یہود و نصاری دونوں کے پاس تورات اور ان کی مذہبی کتابوں کی صحیح متصل سند موجود نہیں ہے، لہٰذا یہ لوگ اندھیروں میں سرگرداں بھٹک رہے ہیں۔
۲: اہل کتاب کی جو روایت کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو تو اسے بیان کرنا جائز ہے۔
۳: مشکل معاملات جن میں فیصلہ نہ ہو سکے، ان کے بارے میں توقف کرنا ضروری ہے۔
۴: کتاب و سنت کے خلاف رائے پیش نہیں کرنی چاہیے۔
۵: قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھنا جائز ہے، بشرطیکہ کتاب و سنت، اجماع اور سلف صالحین کے فہم کو مدِّ نظر رکھا جائے۔
۶: اہل حق کے مخالفین کی کتابیں پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ پڑھنے والا عالم بالحق ہو اور اس کا مقصود حق کا دفاع اور باطل کا رد ہو۔

[۱۵٦] وعنه قال قال رسول الله ﷺ: ((كفى بالمرءِ كذباً أن يحدّث بكل ما سمع.)) رواه مسلم.

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سُنائی بات بیان کرتا پھرے۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۵)

فقہ الحدیث:

ا: صرف صحیح روایات بطورِ استدلال بیان کرنی چاہئیں۔

۲: ضعیف ومردود روایات بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

۳: زندگی گزارنے کا یہ اصول ہونا چاہیے کہ آدمی ہر وقت احتیاط اور تحقیق سے کام لے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ پنجابی زبان کے محاورے ''لائی لگ'' کی طرح ہر سُنی سُنائی بات کے پیچھے دوڑتا پھرے اور پھر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے۔

۴: حدیث حجت ہے۔

[**۱۵۷**] **وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ :((ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له في أمته حواريون و أصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردلٍ .)) رواه مسلم .**

(سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھ سے پہلے جو بھی نبی بھیجا ہے تو اس (نبی) کی اُمت میں اُس کے حواری ہوتے تھے جو اس کی سنت پر چلتے اور حکم پر عمل کرتے، پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیچھے رہ جاتے تھے جو وہ کہتے اُس پر عمل نہیں کرتے تھے اور وہ کام کرتے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا، لہٰذا جس نے اپنے ہاتھ کے ساتھ ان سے جہاد کیا تو وہ شخص مومن ہے اور جس نے اپنی زبان کے ساتھ اُن سے جہاد کیا تو وہ (بھی) مومن ہے اور جس نے دل کے ساتھ (انھیں برا سمجھتے ہوئے) جہاد کیا (یعنی ان سے نفرت کی) تو وہ (بھی) مومن ہے۔ اس سے نیچے رائی کے دانے کے برابر (بھی) ایمان نہیں ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۵۰، ترقیم دارالسلام: ۱۷۹)

فقہ الحدیث:

ا: نبی ﷺ کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۲: جہاد صرف قتال کا نام نہیں بلکہ اس کی کئی اقسام ہیں، مثلاً حق کی دعوت دینا، اہلِ بدعت اور گمراہوں کا رد کرنا بھی جہاد ہے۔

۳: بدعات سے اجتناب ضروری ہے۔

۴: ایمان کے کئی درجے ہیں، کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی رائی کے دانے کے برابر رہ جاتا ہے۔
۵: اپنی پوری استطاعت کے مطابق نصرت کرنے والے مخلص ترین ساتھی کو حواری کہتے ہیں۔
۶: قرآن وحدیث پر عمل نہ کرنے والے لوگ گمراہ ہیں۔
۷: کفار، مشرکین اور مبتدعین سے نفرت کرنا جزوِ ایمان ہے۔
۸: صحیح حدیث شرعی حجت ہے۔
۹: منافقت اور دوغلی پالیسی حرام ہے۔
۱۰: دین میں ایسے کاموں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جن کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنے سے سوائے رسوائی اور ناکامی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

[۱۵۸] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((من دعا إلٰى هُدىً كان من الأجر مثل أجور من تبعه ، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً . ومن دعا إلٰى ضلالة كان عليه من الإثم مثل آثام من تبعه ، لا ينقص ذلك من آثامهم شيئاً .)) رواه مسلم .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اُسے ان لوگوں کے برابر ثواب ملے گا جو اس ہدایت پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اسے ان لوگوں کے برابر گناہ ملے گا جو اس گمراہی پر عمل کریں گے اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۶/۴/۲۶۷۴)

فقہ الحدیث:

۱: کتاب وسنت کی طرف دعوت دینا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔
۲: جو شخص کوئی بُرائی ایجاد کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں اس وقت تک گناہ ہی گناہ درج ہوتے رہتے ہیں، جب تک لوگ اس برائی پر عمل کرتے رہتے ہیں۔
۳: ہر وقت اسی بات میں مصروف رہنا چاہیے کہ میرا عمل کتاب وسنت کے مطابق رہے، کہیں کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو جائے۔
۴: بدعات سے اجتناب ضروری ہے۔

[**١٥٩**] **وعنه قال قال رسول الله ﷺ : ((بدأ الإسلام غريباً و سيعود كما بدأ فطوبى للغرباء .)) رواه مسلم .**

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام شروع میں اجنبی تھا اور پہلے کی طرح دوبارہ اجنبی ہو جائے گا، لہٰذا اجنبیوں کے لئے خوش خبری ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۴۵/۲۳۲)

فقہ الحدیث:

۱: ہر وقت حق پر ڈٹے رہنا چاہیے اگر چہ باقی ساری دنیا بھی حق کے مخالف ہو جائے۔

۲: دینِ اسلام اور حق کے مخالفین کی کثرت سے کبھی نہیں گھبرانا چاہیے، کیونکہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد والے دور کے علاوہ دنیا میں ہمیشہ اہلِ ایمان اور اہلِ حق کی تعداد تھوڑی رہے گی۔

۳: جن لوگوں کو اس حدیث میں غرباء (اجنبی) کہا گیا ہے، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: ((**ناس صالحون قليل في ناس سوء كثير ،من يعصيهم أكثر ممن يطيعهم .**)) بہت زیادہ بُرے لوگوں میں (رہنے والے) تھوڑے سے نیک لوگ ہیں، ان کی اطاعت کرنے والوں کے مقابلے میں نافرمانی کرنے والے زیادہ ہوں گے۔

(کتاب الزہد للامام عبداللہ بن المبارک: ۷۷۵ وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ غرباء سے وہ صحیح العقیدہ متبعینِ کتاب وسنت مراد ہیں جن کی مخالفت کرنے والے اکثریت میں ہوتے ہیں، اس سے کوئی خاص پارٹی یا جماعت مراد نہیں ہے۔

[**١٦٠**] **وعنه قال قال رسول الله ﷺ :((إن الإيمان ليأرز إلى المدينة كما تأرز الحية إلى جحرها .)) متفق عليه .**

انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان مدینے کی طرف اس طرح سمٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنے سوراخ (بل) میں داخل ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ

وسنذكر حديث أبي هريرة :((ذروني ما تركتكم)) في كتاب المناسك وحديثي معاوية وجابر : ((لا يزال من أمتي)) و[الآخر]: ((لا يزال طائفة من أمتي)) في باب :ثواب هذه الأمة إن شاء الله تعالىٰ.

ہم ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث ((**ذروني ما تركتكم .**)) کتاب المناسک (ح ۲۵۰۵) میں، معاویہ اور جابر (رضی اللہ عنہما) کی دو حدیثیں ((**لايزال من أمتي**)) (ح ۶۲۷۶، ۵۵۰۷) اور ((**لا يزال طائفة من أمتى**)) ثواب هذه الامہ کے باب (۶۲۸۳) میں ذکر کریں گے۔

تخریج: صحیح بخاری (۱۸۷٦) صحیح مسلم (۲۳۳/ ۱۴۷)

فقه الحدیث:

ا: معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے ایک دور ایسا بھی آئے گا جب ہر طرف گمراہی اور کفر کا دور دورہ ہوگا، لیکن مدینہ طیبہ اس فتنے سے محفوظ رہے گا۔

۲: قیامت تک ہر دور میں امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔

۳: تشبیہ کے لئے مشبہ بہ اور مشبہ کا ہر صفت میں ایک ہونا ضروری نہیں ہے۔

۴: دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

۵: بعض علماء کے نزدیک مدینہ ومکہ دونوں شہر اور حجاز کا علاقہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ واللہ اعلم

٦: مومن کو ہر وقت اپنا ایمان بچانے کی فکر میں رہنا چاہیے۔

۷: سانپ سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سانپ اگر اپنے سوراخ (بل) میں داخل ہو جائے تو اس کے دشمن ناکام رہتے ہیں، اسی طرح دجال و کفار مدینہ طیبہ پر قبضے میں ناکام رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اہلِ مدینہ کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔



الفصل الثاني

[١٦١] عن ربيعة الجرشي قال: أتي نبي الله ﷺ فقيل له : لتنم عينك ولتسمع أذنك و ليعقل قلبك . قال : ((فنامت عيني و سمعت أذناي و عقل قلبي)) .قال : ((فقيل لي : سيد بنى دارًا فصنع فيها مأدبة و أرسل داعيًا فمن أجاب الداعي دخل الدار و أكل من المأدبة و رضي عنه السيد ومن لم يجب الداعي لم يدخل الدار ولم يأكل من المأدبة و سخط عليه السيد .)) قال : ((فالله السيد ومحمدٌ الداعي والدار الإسلام والمأدبة الجنة .)) رواه الدارمي .

ربیعہ الجرشی (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آنے والا آیا پھر آپ سے کہا گیا: آپ کی آنکھ سو جائے، کان سُنے اور دل یاد کرلے۔
آپ (ﷺ) نے فرمایا: میری آنکھ سوگئی، میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے یاد کرلیا۔ مجھے کہا گیا: کسی سردار نے ایک گھر بنایا پھر اس میں دستر خوان بچھایا اور (لوگوں کی طرف) ایک دعوت دینے والا بھیجا، پس جس نے اس کی دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا، دسترخوان سے کھایا اور اس کا سردار بھی اس سے راضی ہوگیا۔ جس نے دعوت قبول نہ کی، وہ گھر میں داخل نہ ہوا، دسترخوان سے کھانا نہ کھایا اور اس سے سردار بھی ناراض ہوگیا۔
فرمایا: اللہ سردار ہے اور محمد (ﷺ) دعوت دینے والے ہیں، گھر اسلام ہے اور دسترخوان جنت ہے۔
اسے دارمی (۱/۷ ح۱۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔
اس کا ایک بنیادی راوی عباد بن منصور ہے جسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور ضعیف ہونے کے ساتھ وہ مدلس بھی تھا لہٰذا اس کے بارے میں راجح قول "**ضعیف مدلس ، ضعفه الجمهور**" ہے۔
روایتِ مذکورہ عباد بن منصور نے عن کے ساتھ بیان کر رکھی ہے۔
تنبیہ: صحیح بخاری (۷۲۸۱) کی حدیث جو مشکوٰۃ المصابیح (ح۱۴۴) میں گزر چکی ہے۔
وہ اس ضعیف روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے، لہٰذا اس صحیح روایت کا فقہ الحدیث دوبارہ پڑھ لیں۔

[١٦٢] وعن أبي رافع قال قال رسول الله ﷺ : ((لا ألفين أحدكم متكئًا على أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول: لا أدري ما وجدنا في كتاب الله اتّبعناه .))
رواه أحمد وأبوداود والترمذي وابن ماجه والبيهقي في دلائل النبوة .

(سیدنا) ابورافع (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہو، اس کے پاس میرا کوئی حکم (حدیث) آئے جس میں کام کرنے کا حکم یا ممانعت ہو تو وہ کہے: مجھے پتا نہیں، ہم تو کتاب اللہ میں جو پائیں گے اُسی کی اتباع کریں گے۔ اسے احمد (۶/۸) ابو داود (۴۶۰۵) ترمذی (۲۶۶۳ وقال: حسن صحیح) ابن ماجہ (۱۳) اور بیہقی نے دلائل النبوہ (۱/۲۵، ۶/۵۴۹) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

اسے ابن حبان (الاحسان: ۱۳) نے صحیح، حاکم (۱/۱۰۸) نے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے۔ یہ حدیث درج بالا کتابوں کے علاوہ درج ذیل کتبِ حدیث میں بھی موجود ہے:
مسند الشافعی (۱/۱۷، دوسرا نسخہ ص ۱۵۱ ح ۴۲۷) کتاب الام للشافعی (۷/۱۵، وسندہ صحیح، ۷/۲۸۹) السنن الکبریٰ للبیہقی (۷/۷۶) اور مسند الحمیدی (۵۵۱)

اس حدیث کے بنیادی راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:
① ابورافع القبطی مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشہور صحابی ہیں، انھوں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے۔ رضی اللہ عنہ
② عبید اللہ بن ابی رافع المدنی رحمہ اللہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کاتب اور ثقہ تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۴۲۸۸) انھوں نے یہ حدیث اپنے والد سے بیان کی ہے۔
③ سالم بن ابی امیہ، ابوالنضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ التیمی المدنی رحمہ اللہ ثقہ ثبت تھے اور مرسل روایتیں بیان کرتے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۲۱۶۹)
تنبیہ: مرسل روایتیں بیان کرنا جرح نہیں ہے بلکہ ثقہ راوی کی مرسل روایت مردود اور متصل صحیح روایت مقبول ہوتی ہے۔ سالم نے یہ روایت عبید اللہ بن ابی رافع سے متصل سند کے ساتھ بیان کی ہے، لہٰذا یہ روایت مرسل نہیں ہے۔
④ سالم ابوالنضر سے یہ حدیث سفیان بن عیینہ المکی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے جو مشہور ثقہ مدلس تھے اور انھوں نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔
⑤ اسے سفیان بن عیینہ سے امام شافعی اور امام حمیدی وغیرہما نے بیان کیا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: رسول اللہ ﷺ کی حدیث حجت ہے۔

۲: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔

۳: منکرینِ حدیث وہ لوگ ہیں جنھیں دربارِ رسالت سے ناپسندیدہ قرار دے کر دھتکار دیا گیا ہے۔

۴: یہ حدیث دلائلِ نبوت میں سے ہے کیونکہ اس میں پیش گوئی ہے کہ امتِ محمدیہ میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو حدیث کا انکار کریں گے۔

۵: عصرِ حاضر کے مشہور ثقہ محدث مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ''الاستاذ العالی رحمہ اللہ (مولانا سلطان محمود صاحب محدث جلالپوری رحمہ اللہ/ ز ع) کا بیان ہے کہ مولانا اسماعیل (بن ابراہیم بن عبداللہ چکڑالوی/) نے بتایا کہ ایک بار وہ اپنے والد مولانا ابراہیم کے ساتھ لاہور گئے جہاں ان کا والد عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث اپنے دوست ریشم کے تاجر محمد چٹو کے ہاں مقیم تھا جس کا گھر جامع مسجد اہلِ حدیث چینیاں والی (رنگ محل لاہور) کے قریب تھا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مولوی عبداللہ ایک تخت پر لیٹا ہوا ہے۔ مولانا ابراہیم نے اس سے مطالبہ کیا کہ میری جائیداد کا حصہ مجھے دیں اس سے محروم نہ کریں (یاد رہے اس کی مسلکی ہمنوائی نہ کرنے پر عبداللہ چکڑالوی نے انھیں عاق قرار دے کر جائیداد سے محروم کر دیا تھا۔ اثری) کیوں کہ حدیث میں ہے:

((من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة)) [مشکوٰۃ]

عبداللہ چکڑالوی نے جواب دیا کہ میں حدیث کو نہیں مانتا اگر قرآن مجید میں کسی جگہ ہو تو دکھاؤ۔

مولانا ابراہیم نے کہا: کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا تھا کہ شاید وہ (ابراہیم کے والد) حق پر ہوں لیکن آج یقین ہو گیا کہ میں حق پر ہوں اور میرا والد غلط راستے پر چل نکلا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایک پیش گوئی جو آپ نے تیرہ سو سال پہلے فرمائی تھی ہو بہو میرے سامنے سچ ثابت ہو رہی تھی، اور پھر یہ حدیثیں پیش کیں:.....ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی ایسا نہ ہو کہ میرا حکم جو میں نے دیا میری نہی اسے پہنچے اور وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے (اسے) کہے: میں نہیں جانتا، جو اللہ کی کتاب میں ہے ہم اس کی اتباع کریں گے۔ (رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن ماجہ والبیہقی)

.......مقدام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قرآن اور اس کی مثل دیا گیا ہے، سنو! قریب ہے کہ ایک آدمی پیٹ بھرا تخت پر بیٹھا ہوگا، کہے گا: اس قرآن ہی کو اپناؤ، جو اس میں حلال ہے اسے حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں کو حرام (وحلال) قرار دیا ہے اسی طرح ہے گویا اللہ نے حرام وحلال قرار دیا ہے۔

(رواہ ابوداود والدارمی)

مولانا ابراہیم یہ منظر دیکھ کر اور احادیث سنا کر باپ کے مال سے لاتعلق ہو کر واپس چلے گئے۔''

(کتاب: مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری تصنیف مولانا محمد رفیق اثری ص ۶۷، ۶۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ والی درج بالا حدیث اور سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی آنے والی حدیث دونوں

حدیثیں عبداللہ چکڑالوی پر فٹ ہوئیں اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ [چکڑالوی کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ دوامِ حدیث جلد اول ص ۳۴، ۳۵]

تنبیہ (۱): عبداللہ چکڑالوی کے بیٹے مولانا ابراہیم صاحب اہل حدیث تھے اور ان کے بیٹے مولانا اسماعیل صاحب بھی اہل حدیث تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما

تنبیہ (۲): قطع میراث اور فرار من میراث الوارث والی روایت مختلف ضعیف سندوں کے ساتھ سنن سعید بن منصور (ج ۱ ص ۹۶ ح ۲۸۵، ۲۸۶) وغیرہ میں موجود ہے۔ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔

[**۱۶۳**] وعن المقدام بن معدي كرب قال قال رسول الله ﷺ : ((ألا إني أوتيت القرآن و مثله معه ألا يوشك رجلٌ شبعان على أريكته يقول : عليكم بهذا القرآن فما و جدتم فيه من حلالٍ فأحلوه وما و جدتم فيه من حرام فحرموه و أن ما حرم رسول الله ﷺ كما حرم الله، ألا لا يحل لكم الحمار الأهلي ولا كل ذي ناب من السباع ولا لقطة معاهد إلا أن يستغني عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعليهم أن يقروه فإن لم يقروه فله أن يعقبهم بمثل قراه .))

رواه أبو داود وروى الدارمي نحوه وكذا ابن ماجه إلى قوله :((كما حرم الله .))

(سیدنا) مقدام بن معدی کرب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: خبردار! مجھے قرآن اور اس کی مثل عطا کیا گیا ہے، خبردار! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے تخت پر کہے گا: ''اس قرآن کو لے لو، اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں جو حرام ہے اسے حرام سمجھو'' بے شک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جسے حرام قرار دیا ہے، وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ خبردار! گدھے حلال نہیں ہیں اور کچلی والا ہر درندہ حرام ہے، کسی غیر مسلم کی گمشدہ چیز بھی حلال نہیں ہے الا یہ کہ اس کا مالک اس سے بے نیاز ہو۔ جو آدمی کسی کا مہمان بنے تو ان پر ضروری ہے کہ اس کی میزبانی کریں، اگر وہ اس کی میزبانی نہ کریں تو وہ بقدرِ ضرورت ان سے اپنی میزبانی (کھانا پانی) وصول کر سکتا ہے۔ اسے ابوداود (۴۶۰۴) نے روایت کیا ہے، دارمی (۱/۱۴۴ ح ۵۹۲) کی روایت بھی اسی طرح ہے اور ابن ماجہ (۱۲) نے بھی اسے ''جس طرح اللہ نے حرام قرار دیا ہے'' تک روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند صحیح ہے۔

حافظ ابن حبان (الموارد: ۹۷، الاحسان: ۱۲، بسند آخر) نے اسے دوسری سند کے ساتھ روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے بنیادی راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

① سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

② عبدالرحمٰن بن ابی عوف رحمہ اللہ ثقہ (قابلِ اعتماد راوی) ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۳۹۷۴)

③ حریز بن عثمان الحمصی الرحبی رحمہ اللہ ثقہ ثبت ہیں، ان پر ناصبیت کا الزام ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۱۱۸۴)

ناصبیت کا الزام ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

④ حریز بن عثمان سے ایک جماعت مثلاً یزید بن ہارون (مسند احمد ۱۳۰/۴، ۱۳۱ ح ۱۷۱۷۴) اور ابوعمرو عثمان بن سعید بن کثیر بن دینار الحمصی وغیرہما نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

خلاصۃ التحقیق: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: ہمارے علم کے مطابق سب سے پہلے خوارج نے قرآن ماننے کا دعویٰ کر کے حدیث کا انکار کیا جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اور وہ قرآن پڑھیں گے جو اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۵۸، صحیح مسلم: ۱۰۶۴)

یعنی خوارج نہ تو قرآن پر عمل کریں گے اور نہ قرآن کا مفہوم سمجھیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے خوارج کو ''کلاب النار'' [جہنم کے کتے] قرار دیا ہے۔ دیکھئے مسند احمد (۳۸۲/۴ ح ۱۹۴۱۵، وسندہ حسن)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے خوارج کو کلاب النار کہا اور اسے مرفوعاً یعنی نبی ﷺ سے بھی بیان کیا۔

(مسند احمد ۲۵۳/۵ ح ۲۲۱۸۳ وسندہ حسن، مسند احمد ۲۵۰/۵ ح ۲۲۱۵۱ میں اس کا حسن شاہد بھی ہے)

خوارج کی تقلید کرتے ہوئے روافض، معتزلہ، جہمیہ اور منکرینِ حدیث نے بھی صحیح احادیث کی حجیت کا انکار کیا اور قرآن کو رسول کے بغیر سمجھنے کا زبانِ حال سے دعویٰ کیا۔ یہاں یہ بات انتہائی قابلِ ذکر ہے کہ اُمت میں فتنۂ انکارِ حدیث کی پیش گوئی نبی کریم ﷺ نے اس فتنے کے وقوع سے پہلے کر دی تھی۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۴۶۰۴ وسندہ صحیح)

۲: رسول اللہ ﷺ کی حدیث حجت ہے۔

۳: گدھے اور درندے حرام ہیں۔

۴: مہمان کی میزبانی کرنا حسبِ استطاعت فرض ہے۔ نیز دیکھئے سابق حدیث: ۱۶۲

[١٦٤] وعن العرباض بن سارية قال قام رسول الله ﷺ فقال :((أيحسب أحدكم متكئًا علٰى أريكته يظن أن اللّٰه لم يحرم شيئًا إلا ما في هذا القرآن ؟ ! ألا و إني واللّٰه! قد أمرتُ ووَعظتُ ونهيتُ عن أشياء، إنها لمثل القرآن أو أكثر و إن اللّٰه لم يحلّ لكم أن تدخلوا بيوت أهل الكتاب إلا بإذن ولا ضرب نسائهم ولا أكل ثمارهم إذا أعطوكم الذي عليهم .)) رواه أبو داود و في إسناده: أشعث بن شعبة المصيصي قد تكلم فيه .

(سیدنا) العِرباض بن ساریہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے پھر آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے صرف وہی حرام کیا ہے جو قرآن میں ہے؟ سن لو! اللہ کی قسم میں نے کئی چیزوں کا حکم دیا، وعظ کرتے ہوئے خبردار کیا اور کئی چیزوں سے منع کیا، یہ قرآن کی طرح یا زیادہ ہے۔ اللہ نے تمھارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا، ان کی عورتوں کو مارنا اور اگر وہ تمھارا حق ادا کردیں تو اُن کے پھلوں میں سے کھانا حلال قرار نہیں دیا۔ اسے ابوداود (٣٠٥٠) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں اشعث بن شعبہ المصیصی (راوی) پر کلام کیا گیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کا راوی اشعث بن شعبہ قولِ راجح میں ضعیف ہے، اسے صرف ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور ابوزرعہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ امام ابوداود سے اس کی توثیق ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس توثیق کا راوی مجہول الحال ہے۔ حافظ ذہبی نے اشعث بن شعبہ کے بارے میں کہا: '' **ليس بقوي** '' وہ قوی نہیں ہے۔ (دیوان الضعفاء: ٤٧٣)

تحریر تقریب التہذیب (ج ١ ص ١٤٦ ت ٥٢٥) میں توثیق ابی داود اور توثیق ابن حبان کی وجہ سے اسے '' **صدوق حسن الحديث** '' قرار دیا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔

نیز دیکھئے '' **كشف الإيهام لما تضمنه تحرير التقريب من الأوهام** '' ص ٢٥٦

تنبیہ (١): اشعث بن شعبہ کے علاوہ باقی سند حسن ہے۔

تنبیہ (٢): شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' **إسناده حسن** '' (صحیح ابی داود ج ٨ ص ٣٧٧ ح ٢٦٨٦)

چونکہ جمہور محدثین نے اشعث بن شعبہ کو ضعیف قرار دیا ہے اور قولِ راجح میں وہ ضعیف ہے، لہٰذا اس روایت کے بارے میں شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

[**١٦٥**] وعنه قال: صلّى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب. فقال رجل: يا رسول الله! كأن هذه موعظة مودّع فأوصنا فقال: ((أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن كان عبدًا حبشيًا فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافًا كثيرًا. فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ و إيا كم و محدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة.))
رواه أحمد و أبوداود والترمذي وابن ماجه إلا أنهما لم يذكرا الصلاة.

اور انھی (سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی پھر آپ نے ہماری طرف چہرۂ مبارک کر کے انتہائی فصیح و بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنسو بہہ نکلے اور دل خوف کی وجہ سے دہل گئے۔ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! گویا یہ الوداعی (آخری) وعظ ہے، لہٰذا ہمیں کچھ وصیت کریں، تو آپ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کے خوف، سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں، اگرچہ (تمھارا حکمران) حبشی غلام ہو، کیونکہ میرے بعد تم میں سے جو شخص زندہ رہا تو بڑا اختلاف دیکھے گا، تمھارے لئے ضروری ہے کہ میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو مضبوطی اور پوری طاقت کے ساتھ پکڑ لو، (دین میں) محدثات (نئے کاموں) سے بچنا، کیونکہ ہر محدثہ (نیا کام) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔
اسے احمد (۴/ ۱۲۶، ۱۲۷ ح ۱۷۲۷۵) ابو داود (۴۶۰۷) ترمذی (۲۶۷۶ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) اور ابن ماجہ (۴۳) نے روایت کیا ہے، لیکن ترمذی اور ابن ماجہ نے نماز (پڑھانے) کا ذکر نہیں کیا۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اسے امام ترمذی کے علاوہ حافظ ابن حبان (الاحسان: ۵، الموارد: ۱۰۲) حاکم (المستدرک ۱/ ۹۵، ۹۶ ح ۳۲۹) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔
حافظ بغوی نے کہا: ''ھذا حدیث حسن'' (شرح السنہ ۱/ ۲۰۵ ح ۱۰۲)
سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث دو تابعین نے سنی ہے:
① عبدالرحمٰن بن عمرو بن عبسہ السلمی صدوق ہیں۔ دیکھئے الکاشف للذہبی (۲/ ۱۵۸)
بلکہ جمہور کی توثیق کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قولِ راجح میں وہ ثقہ ہیں۔
② حجر بن حجر الکلاعی کو صرف حافظ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، لہٰذا وہ قولِ راجح میں مجہول الحال ہے، لیکن یاد رہے کہ اس

حدیث میں وہ منفرد نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن عمرو: ثقہ صدوق نے اُن کی متابعت کر رکھی ہے۔ان دونوں تابعین سے خالد بن معدان الشامی رحمہ اللہ ثقہ تابعی نے یہ حدیث سنی ہے اور سماع کی تصریح بھی ہے، حالانکہ قولِ راجح میں خالد بن معدان تدلیس کے الزام سے بری ہیں۔دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۳۸ ت ۲/۴۶)

خالد بن معدان سے ثور بن یزید (ثقہ وصحیح الحدیث/ دیکھئے میری کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' ص۲۲) اور بحیر بن سعد (ثقہ ثبت/تقریب التہذیب: ۶۴۰) نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔والحمدللہ

فقہ الحدیث:

۱: وعظ کے دوران میں آداب شرعیہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے، ضرورت کے وقت خطیب سے سوال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ مقصد فتنہ و فساد نہ ہو۔

۲: ایسے مسلمان حکمرانوں کی اطاعت ضروری ہے جو دینِ اسلام کو نافذ کرتے اور کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ایسے صحیح العقیدہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف نہ تو خروج کرنا جائز ہے اور نہ اُن کے خلاف منبروں پر علانیہ تنقید جائز ہے۔

۳: رسول اللہ ﷺ کی سنت ہر حال میں اور ہر وقت حجت ہے۔حافظ ابن حبان فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: ((پس میری سنت کو لازم پکڑو)) جب آپ کی امت میں اختلاف ہوگا، کے ذکر کے وقت میں واضح بیان ہے کہ جو شخص سنتوں (احادیث) کو مضبوطی سے پکڑتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہے، اس کے علاوہ آراء (رائے وقیاس) کی طرف توجہ نہیں دیتا تو وہ قیامت کے دن فرقۂ ناجیہ میں سے ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے احسان کے ساتھ ہمیں اس میں شامل فرمائے۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۱/۱۸۰ ح ۵)

۴: خلفائے راشدین سے سیدنا ابوبکر الصدیق، سیدنا عمر بن الخطاب، سیدنا عثمان بن عفان اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم مراد ہیں، جیسا کہ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حسن لذاتہ حدیث سے ثابت ہے۔

دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح بتحقیقی (۵۳۹۵) سنن ابی داود (۴۶۴۶) اور سنن الترمذی (۲۲۲۶) وغیرہ

اس حدیث کو مدِنظر رکھتے ہوئے علمائے اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ خلفائے راشدین چار ہیں۔اختصار کی وجہ سے دو بڑے سُنی علماء کے حوالے پیشِ خدمت ہیں:

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عقیدہ تھا کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین خلفاء (یعنی خلفائے راشدین) میں سے ہیں۔

دیکھئے مسائل عبداللہ بن احمد بن حنبل (ج ۳ ص ۱۳۱۹ فقرہ: ۱۸۳۲، مسائل ابی داود ص ۲۷۷، السنۃ للخلال ص ۴۱۹ فقرہ: ۶۲۶ وغیرہ)

② امام ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری السُنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''وكذلك نقول فأفضل أصحابه ﷺ الصديق أبو بكر رضي الله عنه ثم الفاروق بعده عمر ثم ذوالنورين

عثمان بن عفان ثم أمير المؤمنين و إمام المتقين علي بن أبي طالب رضوان الله عليهم أجمعين ''

اوراسی طرح ہم یہ کہتے ہیں آپ ﷺ کے صحابہ میں سب سے افضل ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر الفاروق ہیں، پھر ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، پھر امیر المومنین اور امام المتقین علی بن ابی طالب ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

(صریح السنہ ص ۲۴ فقرہ: ۲۴)

اس کے متصل بعد ابن جریر سُنی نے اپنی اس کتاب صریح السنۃ میں خلفائے راشدین کے بارے میں سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

۵: خلفائے راشدین کی سنت سے کیا مراد ہے؟ اس کے تین حصے ہیں:

اول: جس بات پر خلفائے راشدین کا اتفاق ہے یا کسی ایک خلیفہ راشد سے ثابت ہے اور دوسرے خلفاء سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

دوم: جس بات پر خلفائے راشدین کا آپس میں اختلاف ہے۔

سوم: خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ سے ایک بات ثابت ہے، لیکن دوسرے صحابۂ کرام کا اس سے اختلاف ہے۔ حدیث مذکور میں صرف اول الذکر مراد ہے۔

یاد رہے کہ قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہر شخص کی بات مردود ہے چاہے کہنے والا کوئی بھی ہو، لیکن ہر ایرے غیرے کو خلاف قرار دینے کا حق نہیں بلکہ اس کے لئے سلف صالحین کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا۔

۶: اہلِ حدیث (محدثین کرام اور متبعینِ حدیث) کے خلاف بعض آلِ تقلید یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ یہ تو خلفائے راشدین کے خلاف ہیں۔ اسی سلسلے میں پالن گجراتی نامی ایک شخص نے ''جماعت اہلِ حدیث کا خلفائے راشدین سے اختلاف'' نامی کتاب لکھی ہے جس میں کذب وافتراء اور مغالطات پر کاربند و گامزن رہتے ہوئے اس شخص نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہلِ حدیث خلفائے راشدین کے خلاف ہیں۔ اس مناسبت سے خلفائے راشدین کے گیارہ حوالے پیشِ خدمت ہیں جن میں آلِ تقلید نے خلفائے راشدین کی صریح مخالفت کی ہے:

مثال نمبر ۱: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ظہر کا وقت ایک ذراع سایہ ہونے سے لے کر آدمی کے برابر سایہ ہونے تک ہے۔

(الاوسط لابن المنذر ج ۲ ص ۳۲۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل ہونے پر شروع ہو جاتا ہے مگر اس فتوے کے مخالف آلِ تقلید کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ دو مثل کے بعد عصر کی اذان دیتے ہیں۔

مثال نمبر ۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ صبح کی نماز پڑھو اور ستارے صاف گھنے ہوئے ہوں۔

(موطأ امام مالک ج ۱ ص ۶ ح ۶ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے مگر اس فاروقی حکم کے سراسر مخالف آلِ تقلید خوب روشنی

کر کے صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔

مثال نمبر۳: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الاوسط لابن المنذر ج۱ ص۴۶۲ وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے مخالف آلِ تقلید کہتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے۔

مثال نمبر۴: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جس نے سجدہ (تلاوت) کیا تو صحیح کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے'' اور عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: ۱۰۷۷)

جبکہ آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

مثال نمبر۵: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وتر نماز کی طرح حتمی (واجب اور ضروری) نہیں ہے، لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو۔ (مسند احمد ج۱ ص۱۰۷ ح۸۴۲ وسندہ حسن)

جبکہ آلِ تقلید کے نزدیک وتر واجب ہے۔

مثال نمبر۶: عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے بسم اللہ جہراً (اونچی آواز سے) پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ ح۴۷۵۷، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، وسندہ صحیح)

جبکہ آلِ تقلید (نماز میں) کبھی اونچی آواز سے بسم اللہ نہیں پڑھتے۔

مثال نمبر۷: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ الحج پڑھی تو اس میں دو سجدے کئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱ ح۴۲۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۳۱۷ وسندہ صحیح)

جبکہ آلِ تقلید اس سورت میں صرف ایک سجدے کے قائل ہیں اور دوسرے سجدے کو ''السجدة عند الشافعي'' کہتے ہیں!

مثال نمبر۸: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی نے قراءت خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''اِقرأ بفاتحة الكتاب'' سورۂ فاتحہ پڑھ، اس نے کہا: اگر آپ قراءت بالجہر کر رہے ہوں تو؟ انھوں نے فرمایا: اگرچہ میں جہر سے پڑھ رہا ہوں تو بھی پڑھ۔ (المستدرک للحاکم ج۱ ص۲۳۹ وصححہ الحاکم والذہبی، نیز دیکھئے کتاب الکواکب الدریہ (ص۸۴ تا ۹۰)

اس فاروقی حکم کے سراسر خلاف آلِ تقلید یہ کہتے پھرتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

مثال نمبر۹: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو عورت بھی ولی کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۷ ص۱۱۱، وقال: هذا إسناده صحيح)

جبکہ آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر۱۰: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف ایک رکعت وتر پڑھا اور فرمایا:

''هي وتري'' یہ میرا وتر ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۳ ص۲۵ وسندہ حسن)

جبکہ آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ ایک رکعت وتر جائز نہیں ہے۔

مثال نمبر۱۱: سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں جگہ رفع یدین کرتے تھے۔ دیکھئے السنن

الکبریٰ للبیہقی (ج۲ص۷۳ وسندہ صحیح)

اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رواته ثقات'' اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (ج۲ص۷۳)

آلِ تقلید کی طرف سے اس حدیث پر تین اعتراضات کئے جاتے ہیں:

① محمد بن عبداللہ الصفار نے سماع کی تصریح نہیں کی اور یہ روایت اس کے سوا کسی نے بیان نہیں کی۔

جواب: محمد بن عبداللہ الصفار کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے اور وہ اپنے استاذ سے بیان کر رہے ہیں، لہٰذا یہ روایت سماع پر محمول ہے۔ الصفار مذکور ثقہ ہیں، لہٰذا ان کا تفرد (اکیلے روایت کرنا) مضر نہیں ہے۔

② ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل السلمی پر کلام ہے۔

جواب: یہ کلام باطل ہے کیونکہ جمہور محدثین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ثقہ حافظ ہیں، ابو حاتم (کے بیٹے) کا کلام ان کے بارے میں واضح نہیں ہے۔ (تقریب التہذیب: ۵۷۳۸)

③ ابو النعمان محمد بن فضل کا دماغ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا۔

جواب: اس کے دو جوابات ہیں:

اول: حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ''تغير قبل موته فما حدّث'' وہ اپنی موت سے پہلے تغیر کا شکار ہوئے تھے، پس انھوں نے (اس حالت میں) کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ (الکاشف ج۳ص۷۹ ت۵۱۹۷)

دوم: روایت مذکورہ میں امام محمد بن اسماعیل السلمی فرماتے ہیں: میں نے محمد بن الفضل کے پیچھے نماز پڑھی۔ الخ

(السنن الکبریٰ ۲/۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان کے دماغ خراب ہونے سے پہلے کی ہے ورنہ جس کا دماغ خراب ہو جائے اُسے کون امام بناتا ہے؟ جس کا دماغ خراب ہو، اس کے پیچھے تو وہی نماز پڑھتا ہے جس کا اپنا دماغ خراب ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کرنا ثابت ہے اور نہ کرنا ثابت نہیں جبکہ صدیقی حکم کے سراسر خلاف آلِ تقلید یہ کہتے پھرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ منسوخ یا متروک ہے۔ سبحان اللہ!

پالن دیوبندی نے قیام رمضان عرف تراویح کے دروازے سے داخل ہو کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اہل حدیث خلفائے راشدین کے خلاف ہیں لیکن ہوا یہ کہ پالن خود اپنے جال میں پھنس گیا کیونکہ خلیفۂ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے تو گیارہ رکعات ثابت ہو گئیں اور بیس رکعات کا بسند صحیح متصل نام و نشان تک نہ ملا، دوسرے یہ کہ آلِ تقلید نے خلفائے راشدین سے ثابت شدہ بہت سے مسائل کی مخالفت کر رکھی ہے جیسا کہ باحوالہ ثابت کر دیا گیا ہے۔

۷: دین میں ہر بدعت گمراہی اور مردود ہے۔

۸: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی فصیح و بلیغ وعظ فرماتے تھے جس کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑا اثر ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہر خوبی میں کامل بنا کر بھیجا۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری　　　　آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۹: ضرورت کے وقت نماز کے بعد وعظ کرنا جائز ہے۔

۱۰: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو غیب کی بہت سی خبریں بذریعہ وحی بتا دی تھیں جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے اور غیب کی یہ خبر من وعن پوری ہوئی، لہٰذا یہ حدیث بھی ان بہت سے دلائل میں سے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور برحق نبی ہیں۔ فداه أبي و أمي و روحي

اے اللہ! ہمیں قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کے قدموں میں جگہ عطا فرما اور آپ کی شفاعت کا مستحق بنا۔ اے اللہ! قبر کے عذاب اور روزِ محشر کی سختیوں سے بچانا۔ (آمین یارب العالمین)

[۱٦٦] وعن عبدالله بن مسعود قال : خطّ لنا رسول الله ﷺ خطًّا ثم قال: ((هذا سبيلُ الله)) ثم خط خطوطًا عن يمينه و عن شماله وقال : ((هذه سبل، علٰى كل سبيل منها شيطانٌ يدعو إليه)) و قرأ : ﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ﴾ الآية . رواه أحمد و النسائي والدارمي.

(سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (سمجھانے کے) لئے ایک (سیدھی) لکیر کھینچ کر فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں اور بائیں (دونوں) طرف لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ (شیطانی) راستے ہیں، ہر راستے پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف بُلا رہا ہے۔ آپ نے آیت: ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ [اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے، پس اسی کی اتباع کرو۔] (سورۃ الانعام: ۱۵۳) تلاوت فرمائی۔

اسے احمد (۱/۴۳۵ ح ۴۱۴۲) نسائی (السنن الکبریٰ: ۱۱۱۷۴، التفسیر: ۱۹۴) اور دارمی (۱/۶۷، ۶۸ ح ۲۰۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

اسے ابن حبان (الموارد: ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، الاحسان: ۶، ۷) اور حاکم (۲/۳۱۸ ح ۳۲۴۱) نے صحیح قرار دیا ہے۔

راوی قاری عاصم بن ابی النجود (بہدلہ) قراءتِ قرآن میں ثقہ اور روایتِ حدیث میں صدوق حسن الحدیث ہیں۔ جمہور محدثین نے انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی نے عاصم کے بارے میں مختلف اقوال نقل کر کے فرمایا: ''هو حسن الحديث'' وہ حسن الحدیث ہیں۔ (میزان الاعتدال ۲/۳۵۷)

فقه الحدیث:

۱: خطوط (لکیروں) سے مراد گمراہ فرقے اور تمام بداعمالیاں (معاصی، فسق وفجور اور خواہشاتِ نفسانیہ) ہیں اور جمع کے صیغے میں ان کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔

۲: سنن ابن ماجہ (۱۱) کی ایک ضعیف روایت میں دائیں طرف دو لکیروں اور بائیں طرف دو لکیروں کا ذکر آیا ہے۔ اس کی سند میں مجالد بن سعید جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔

۳: دینِ اسلام ایک سیدھا راستہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ثقہ وصدوق تابعین عظام رحمہم اللہ ہمیشہ گامزن رہے اور یہی راستہ جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔

۴: شیطان اور اس کے پیروکار ہر وقت اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مختلف تراکیب اور دھوکے سے لوگوں کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دیں۔

۵: حدیث قرآن کی تشریح ہے۔

۶: تعلیم وتربیت کے لئے ایسا انداز اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے بات اچھی طرح سمجھ آجائے۔

۷: اپنے طلباء اور عزیز واقارب کی اصلاح وراہنمائی کے لئے ہمہ وقت مصروف رہنا چاہئے۔

۸: سنت پر عمل پیرا ہونے اور بدعات سے اجتناب میں ہی نجات ہے۔

۹: اہلِ حق اور اہلِ باطل کا کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔

۱۰: رسول اللہ ﷺ بہترین معلم تھے۔ اللّهم صلّ على محمد وسلّم عليه .

[**۱٦٧**] وعن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ : ((لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعًا لما جئت به .)) رواه في شرح السنة وقال النووي في أربعينه :هذا حديث صحيح رويناه في كتاب الحجة بإسناد صحيح.

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش بھی اس (دین) کے تابع نہ ہوجائے جو میں لے کر آیا ہوں۔

اسے (بغوی نے) شرح السنۃ (۲۱۲/۱۔۲۱۳ ح ۱۰۴) میں روایت کیا ہے اور نووی نے اپنی کتاب اربعین (نوویہ، حدیث: ۴۱) میں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے ہم سے کتاب الحجۃ (۲۵۱/۱ ح ۱۰۳) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''**ثنا أبو بكر محمد بن الحسين الأعين :ثنا نعيم بن حماد :ثنا عبدالوهاب بن عبدالمجيد الثقفي عن هشام ابن حسان عن محمد بن سيرين عن عقبة بن أوس عن عبدالله بن عمرو بن العاص عن النبي** ﷺ''

(کتاب الاربعین للامام الحسن بن سفیان ق ۶۵/۱، کما بلغنی وعنہ السّلفی فی معجم السفر ص۳۶۱ ح ۱۲۶۵، والبغوی فی شرح السنۃ:۱۰۴)

ابوبکر محمد بن الحسین الاعین سے مراد محمد بن ابی عتاب الحسن بن طریف الاعین البغدادی ہیں۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۳۶۹/۴)

نعیم بن حماد المروزی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے۔

دیکھئے میری کتاب ''علمی مقالات'' (ج۱ص۴۴۹)

نعیم پر دولابی، ازدی اور البانی وغیرہم کی جرح مردود ہے۔

لطیفہ: ابن الترکمانی حنفی کی مرضی کے خلاف ایک حدیث کی سند میں نعیم بن حماد آ گئے تو ابن الترکمانی نے لکھا: ''اس کی سند میں نعیم بن حماد ہے، نسائی نے کہا: وہ ثقہ نہیں ہے، دارقطنی نے کہا: وہ کثیر الوہم ہے، ابوالفتح الازدی اور ابن عدی (!) نے کہا: وہ (نعیم) سنت کی تقویت میں حدیث بنا تا تھا اور امام ابوحنیفہ کی مذمت میں ساری جھوٹی روایتیں بنا تا تھا۔ (الجوہر النقی ج۳ص۳۰۵)

جب یہی نعیم بن حماد اس روایت کی سند میں آ گئے جو ابن الترکمانی کی مرضی کے مطابق ہے تو ابن الترکمانی نے وادیٔ تناقض و تعارض میں غوطے لگاتے ہوئے لکھا: ''**ونعيم أخرج له البخاري في صحيحه فهو أيضًا سند صحيح ...**''

اور نعیم کی روایت بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے پس یہ سند بھی صحیح ہے۔ (الجوہر النقی ج۸ص۲۸۱)!!

اس روایت کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن ہشام بن حسان ثقہ ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے۔

دیکھے طبقات المدلسین (۳/۱۱۰، طبقہ ثالثہ) والفتح المبین (ص۶۵، ۶۶)

یہ روایت ہشام بن حسان کے عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

اس میں دوسری علت یہ ہے کہ عبدالوہاب الثقفی رحمہ اللہ کو یہ شک ہے کہ انھوں نے یہ روایت ہشام بن حسان سے سنی ہے یا کسی دوسرے سے؟ وہ فرماتے ہیں: ''**ثنا بعض مشيختنا :هشام أو غيره** ''ہمیں ہمارے بعض استادوں میں سے ہشام (بن حسان) یا کسی دوسرے نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ (السنۃ لابن ابی عاصم:۱۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت اس وجہ سے ضعیف نہیں جو شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ پیش کرتے تھے بلکہ صرف اس وجہ سے ضعیف ہے کہ ہشام بن حسان مدلس ہیں اور راوی کو اپنے استاد کے تعین میں بھی شک ہے۔

[۱٦٨] وعن بلال بن الحارث المزني قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ((من أحيا سنة من سنتي قد أميتت بعدي فإنّ له من الأجر مثل أجور من عمل بها من غير أن ينقص من أجورهم شيئًا، ومن ابتدع بدعة ضلالة لا يرضاها اللّٰه و رسوله كان عليه [من الإثم] مثل آثام من عمل بها لا ينقص من أوزارهم شيئًا .)) رواه الترمذي .

(سیدنا) بلال بن الحارث المزنی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد فوت ہوگئی تھی تو اُسے ان لوگوں کے برابر اجر وثواب ملے گا جو اس پر عمل کریں گے، لیکن اُن کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔
اور جس نے گمراہ کن بدعت نکالی جس پر اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں ہیں تو اس کو اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا اس پر عمل کرنے والوں کو ملے گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔
اسے ترمذی (۲٦۷۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند کا ایک بنیادی راوی کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی ہے جس کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا: وہ کسی چیز کے برابر نہیں ہے۔ الخ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲۱۳/۳ ت ۴۹۲۲ ملخصاً)
امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''لیس بشئ'' وہ کچھ چیز نہیں ہے۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۷۱۳)
ان کے علاوہ جمہور محدثین نے کثیر مذکور پر جرح کی ہے۔ حافظ ہیثمی فرماتے ہیں:
''وهو ضعيف عند الجمهور'' اور وہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ٦۸/٦)
نیز دیکھئے مجمع الزوائد (۱۳۰/٦، ۲۸٦) اور فتح الباری (۴۵۱/۴، ۱۹/۵، ۲۸۰/۷)
حافظ ابن حبان نے فرمایا: وہ سخت منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے، اُس نے اپنے باپ سے عن جدہ: دادا کی سند کے ساتھ ایک موضوع نسخہ بیان کیا ہے۔ الخ (کتاب المجروحین ۲۲۱/۲)
نیز دیکھئے حدیث سابق (۱۵۸) وہ اس سخت ضعیف روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ والحمدللہ

[۱٦۹] ورواه ابن ماجه عن كثير بن عبداللّٰه بن عمرو عن أبيه عن جده .

اور ابن ماجہ (۲۱۰) نے اسے ''كثير بن عبداللّٰه بن عمرو (بن عوف المزني) عن أبيه عن جده'' کی سند سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔

کثیر بن عبداللہ العوفی کے حالات کے لئے دیکھئے حدیثِ سابق:۱۶۸

[**۱۷۰**] وعن عمرو بن عوف قال قال رسول الله ﷺ :((إن الدين ليأرز إلى الحجاز كما تأرز الحية إلى جحرها وليعقلن الدين من الحجاز معقل الأروية من رأس الجبل، إن الدين بدأ غريباً و سيعود كما بدأ فطوبى للغرباء وهم الذين يصلحون ما أفسد الناس من بعدي من سنتي .))
رواه الترمذي.

اور (سیدنا) عمرو بن عوف (المزنی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین (آخر میں اس طرح) حجاز کی طرف سمٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں گھس جاتا ہے اور دین حجاز میں جا گزیں ہو جائے گا، جیسے پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر ٹھہر جاتا ہے، بے شک دین اجنبیت میں شروع ہوا اور دوبارہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح شروع ہوا تھا، پس خوش خبری ہے اجنبیوں کے لئے جو ان سنتوں کی اصلاح کریں گے جنھیں لوگوں نے میرے بعد خراب کر دیا ہوگا۔ اسے ترمذی (۲۶۳۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔
اس کے راوی کثیر بن عبداللہ العوفی کے حالات کے لئے دیکھئے حدیث سابق (۱۶۸)
تنبیہ: اس روایت کے بعض ٹکڑوں کے شواہد موجود ہیں جن میں سے بعض کا ذکر شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔ دیکھئے المشکوۃ بتحقیق الالبانی (۶۰/۱ طبعہ قدیمہ)
روایت کے جو ٹکڑے صحیح اسانید سے ثابت ہیں، وہ اس مردود روایت سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ والحمدللہ

[**۱۷۱**] وعن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ : ((ليأتين علٰى أمتي كما أتى علٰى بني إسرائيل حذو النعل بالنعل حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك . و إنّ بني إسرائيل تفرقت ثنتين و سبعين ملةً و تفترق أمتي علٰى ثلاث و سبعين ملةً كلهم في النار إلا ملة واحدة .)) قالوا: من هي يا رسول الله ؟ قال : ((ما أنا عليه و أصحابي .)) رواه الترمذي .

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت پر ایک دور آئے گا جس طرح بنی اسرائیل پر آیا تھا، قدم بقدم یعنی بعینہ ان جیسا ہوگا، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں بھی ایسا کرنے والا کوئی نہ کوئی (ضرور) ہوگا۔ بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے ہوئے اور میری اُمت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے، ایک گروہ کو چھوڑ کر سب جہنم میں جائیں گے۔ لوگوں نے کہا:

یارسول اللہ! یہ (جنتی) گروہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس
پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔
اسے ترمذی (۲٦٤١) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کو امام ترمذی (مصور من المخطوطۃ ۱/۱۷۲، وقال: حسن غریب الخ) اور حاکم (۱/۱۲۹ ح ۴۴۴) نے سفیان الثوری عن عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی عن عبداللہ بن یزید عن عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت کیا ہے۔

سفیان ثوری کی متابعت عیسیٰ بن یونس، ابواسامہ اور عبدہ بن سلیمان نے کر رکھی ہے۔ دیکھئے الضعفاء للعقیلی (۲/۲٦۲)

قاضی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی نیک انسان ہونے کے ساتھ حافظے کی وجہ سے ضعیف تھا۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸٦۲)

جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد (۵/۵٦، ۸/۶۵، ۱۰/۲۵۰)

روایتِ مذکورہ میں ایک جملہ ''ما أنا علیه و أصحابي'' [جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔] ہے جس کا الضعفاء الکبیر للعقیلی (۲/۲٦۲، ترجمۃ عبداللہ بن سفیان الخزاعی) میں ایک بے اصل وضعیف شاہد بھی ہے۔ عبداللہ بن سفیان مذکور کو عقیلی نے ضعفاء میں ذکر کر کے (یعنی ضعیف قرار دے کر) فرمایا: اس (حدیث) کی یحییٰ بن سعید (الانصاری) سے کوئی اصل نہیں ہے۔

(الضعفاء ۲/۲٦۲ ت ۸۱۵)

تنبیہ: اگر کوئی کہے کہ عبداللہ بن سفیان الخزاعی الواسطی کو حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے تو عرض ہے کہ ہمیں کتاب الثقات میں عبداللہ بن سفیان مذکور کا ذکر نہیں ملا۔

الشریعۃ للآجری (۱/۳۳۴ ح ۱۱۱) المجروحین لابن حبان (۲/۲۲٦) اور الکبیر للطبرانی (مجمع الزوائد ۱/۱۵٦، ۷/۲۵۹) وغیرہ میں سیدنا ابوالدرداء، ابوامامہ، واثلہ بن الاسقع اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے ایک روایت میں آیا ہے:

''من کان علیٰ ما أنا علیه و أصحابي''

اس روایت کے راوی کثیر بن مروان الشامی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

'' قد رأیته ، کان کذاباً ''میں نے اسے دیکھا ہے، وہ کذاب (بہت جھوٹا) تھا۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۴۸۲ ت ۶۹۵۴ وسندہ صحیح)

عبداللہ بن یزید بن آدم الدمشقی کی اس روایت کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے کہا:

میں اسے (عبداللہ بن یزید کو) نہیں جانتا اور یہ حدیث باطل ہے۔ (الجرح والتعدیل ۵/۱۹۷)

معلوم ہوا کہ یہ سند باطل اور موضوع ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ''ما أنا علیه و أصحابي'' کے الفاظ صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں ہیں۔

البتہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ طائفۂ منصورہ: فرقۂ ناجیہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر گامزن ہے۔ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور میرے صحابہ میری اُمت کا امن (حفاظت کا باعث) ہیں، جب میرے صحابہ (دنیا سے) چلے جائیں گے تو میری اُمت میں وہ چیزیں (مثلاً گمراہیاں اور بدعات وغیرہ) آ جائیں گی جن کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم:۲۵۳۱، اضواء المصابیح:۵۹۹۹)

اس حدیث سے بھی یہی ظاہر ہے کہ نجات والا راستہ صرف وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گامزن تھے۔والحمدللہ رب العالمین

[**۱۷۲**] وفي رواية أحمد و أبي داود عن معاوية : ((ثنتان وسبعون في النار و واحدة في الجنة وهي الجماعة وإنه سيخرج في أمتي أقوام تتجارى بهم تلك الأهواء كما يتجارى الكلب بصاحبه، لا يبقى منه عرق ولا مفصل إلا دخله .))

احمد (بن حنبل ۱۰۲/۴ ح ۱۷۰۶۱) اور ابوداود (۴۵۹۷) نے (سیدنا) معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) بہتر (۷۲ فرقے) آگ میں ہیں اور ایک جنت میں ہے اور یہ الجماعت ہے۔میری اُمت میں ایسی قومیں نکلیں گی جن میں بدعات اس طرح دھنس جائیں گی جس طرح کُتے کے کاٹے ہوئے میں باؤلا پن جاری وساری ہوتا ہے، یہ بیماری اس کی ہر رگ اور جوڑ میں داخل ہوتی ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند حسن ہے۔

یہ روایت سنن ابی داود و مسند احمد کی طرح المستدرک للحاکم (۱۲۸/۱ ح ۴۴۳) میں بھی ازہر بن عبداللہ الہوزنی الحرازی عن ابی عامر عبداللہ بن لحی الحمصی عن معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی سند سے موجود ہے۔ابو عامر عبداللہ بن لحی ثقہ مخضرم تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۳۵۶۲)

مخضرم اس تابعی کو کہتے ہیں جس نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہو مگر کسی وجہ سے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی ہو، لہٰذا شرفِ صحابیت سے محروم رہے، گویا جماعتِ صحابہ سے کٹ کر جماعتِ تابعین میں شامل ہو گئے۔

ازہر بن عبداللہ کے نسب میں بڑا اختلاف ہے۔انھیں ازہر بن عبداللہ، ازہر بن یزید اور ازہر بن سعید بھی کہا جاتا ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۱۶۵/۱)

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں انھیں ایک کے بجائے چار راوی بنا دیا ہے۔!

ازہر بن عبداللہ کو امام عجلی وغیرہ جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور اُن کا ناصبی ہونا صحیح سند کے ساتھ ثابت

نہیں ہے۔

جمہور محدثین جس کی توثیق کردیں وہ راوی حسن الحدیث ہوتا ہے۔

فقه الحديث:

۱: اُمتِ اجابت (کلمہ گو مدعیانِ اسلام) میں تہتر (۷۳) فرقے ہوجائیں گے جن میں سے بہتر جہنمی اور ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ یہ بات دوسری احادیث سے بھی ثابت ہے۔

۲: اہلِ بدعت اور بدعات کی مثال اس باؤلے کتے کی طرح ہے جو کسی کو کاٹ کر باؤلا اور پاگل کردے۔

۳: گمراہ فرقے جن کے عقائد کفریہ وشرکیہ تھے، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، جیسا کہ عام دلائل (مثلاً سورۃ النساء آیت: ۴۸) سے ثابت ہے۔

۴: الجماعۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقائد واعمال وغیرہما میں جماعتِ صحابہ کے موافق ومطابق ہیں۔ انھیں اہلِ سنت وجماعت اور اہلِ حدیث وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ کتاب وسنت اور اجماع والے راستے پر گامزن تھے اور ہیں اور یہی طائفہ منصورہ ہیں۔

۵: اُمت میں بدعات، شرک اور کفر کے وقوع، ظہور اور رُونما ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ بات اپنی پیش گوئی کے مطابق واقع ہوچکی ہے۔ اعاذنا اللہ منھا

۶: اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو سچا رسول بنا کر بھیجا اور وحی کے ذریعے سے بعض اُمورِ غیبیہ کی اطلاع فرمائی۔

۷: حدیث بھی وحی ہے۔

۸: اہلِ بدعت سے دور رہنا چاہئے تاکہ اُن کی بیماری سے محفوظ رہیں۔

امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ نے جب ایک شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا تھا: ''**قوموا لا یعدینا بجربه**'' اُٹھ جاؤ، یہ اپنی خارش (بیماری) ہمیں نہ لگا دے۔

۹: اہلِ بدعت کے ساتھ کوئی محبت اور نرمی نہیں بلکہ اُن سے نفرت اور بغض رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔

۱۰: اجماع حجت ہے۔

[۱۷۳] وعن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ ((إن اللّٰه لا يجمع أمتي - أو قال : أمة محمد - علٰى ضلالة و يد اللّٰه على الجماعة و من شذّ شذّ في النار.)) رواه الترمذي .

(سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ میری امت یا اُمتِ محمدیہ کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، جس نے مخالفت کی تو وہ آگ میں گرایا جائے گا۔

اسے ترمذی (۲۱۶۷ وقال: ھذا حدیث غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی سلیمان بن سفیان المدنی ضعیف ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۲۵۶۳)

ابن معین، علی بن المدینی، ابوحاتم الرازی اور نسائی وغیرہم (جمہور) نے اس پر جرح کی ہے۔

فائدہ: حاکم نیشابوری نے کہا: ''**حدثنا أبو بکر محمد بن أحمد بن بالويه :ثنا موسى بن هارون : ثنا العباس بن عبدالعظيم : ثنا عبدالرزاق : ثنا إبراهيم ابن ميمون العدني وكان يسمى قريش اليمن وكان من العابدين المجتهدين قال (☆) قلت لأبي جعفر :والله ! لقد حدثني ابن طاووس عن أبيه قال:سمعت ابن عباس يقول قال رسول الله ﷺ : ((لا يجمع الله أمتي على ضلالة أبدًا ، ويد الله على الجماعة .))** ''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح، ورواہ الترمذی: ۲۱۶۶ مختصراً)

[☆ المستدرک کے مطبوعہ نسخے میں قالت ہے (!) جس کی اصلاح اتحاف المہرۃ (۷/۲۹۷ ح ۷۸۴۸) اور مستدرک کے مخطوط مصور یعنی قلمی نسخے (ج ۱ ص ۵۰ [۴۹]) سے کردی ہے۔ والحمدللہ]

اس حدیث میں طاؤس، عبداللہ بن طاؤس، عبدالرزاق بن ہمام اور عباس بن عبدالعظیم مشہور ثقہ راوی ہیں جن کے حالات تقریب التہذیب وغیرہ میں موجود ہیں۔

ابراہیم بن میمون الصنعانی العدنی کو امام ابن معین اور حافظ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے الجرح والتعدیل (۲/۱۳۵، ۱۳۶، وسندہ صحیح) وثقات ابن حبان (۶۴/۸)

حافظ ابن حجر نے کہا: ''ثقة'' (تقریب التہذیب: ۲۶۲)

موسیٰ بن ہارون البز از مشہور ثقہ امام تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۲/۱۱۶، ۱۱۷)

محمد بن احمد بن بالویہ الجلاب النیسابوری رحمہ اللہ کی حدیث کو حاکم نے صحیح کہا۔

دیکھئے المستدرک (۲/۲۴۰، ۲۴۱ ح ۲۹۴۶، وقال: صدوق ۱/۲۱۱ ح ۷۶۵)

حافظ ذہبی نے انھیں اعیانِ محدثین اور اپنے علاقے کے روساء میں ذکر کیا۔

دیکھئے تاریخ الاسلام (۲۵/۱۹۴) آپ ۳۴۰ھ میں فوت ہوئے۔

نیز دیکھئے تاریخ نیشاپور طبقۃ شیوخ الحاکم (ص ۳۴۲ فقرہ: ۵۵۲)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اُمتِ محمدیہ (علی صاحبها الصلوة والسلام) کا اجماع شرعی حجت ہے۔

اگر کوئی کہے: اُمت کے اجماع سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت کے دن ساری اُمت اکٹھی ہوگی تو اس کا اجماع ہے۔!

اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اس اجماع کا کیا فائدہ ہے؟ دوسرے یہ کہ اس قائل کے قول سے معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کسی دور میں بھی اُمت گمراہی پر جمع ہوجائے۔! حالانکہ اس بات کا تصور بھی باطل ہے۔

فائدہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے'' سے معلوم ہوا کہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو بہت سی جماعتیں بنا کر مختلف پارٹیوں، فرقوں، کاغذی تنظیموں اور ٹکڑیوں میں تقسیم ہو جانا جائز ہے۔

عرض ہے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم بالکل غلط ہے۔ اس حدیث سے مراد صرف تین باتیں ہیں:

① اجماع حجت ہے۔

② کتاب وسنت اور اجماع کے مطابق صحیح خلافت اور خلیفہ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

③ نماز باجماعت پڑھنی چاہئے۔

یہی وہ مفہوم ہے جو سلف صالحین سے ثابت ہے، جبکہ پارٹیوں، مرّوجہ تنظیموں اور کاغذی جماعتوں کا وجود: ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اور ((وَلَا تَخْتَلِفُوْا)) کی رُو سے غلط ہے۔

[١٧٤] وعنه قال قال رسول الله ﷺ : ((اتبعوا السّواد الأعظم فإنه مَن شذّ شذّ فی النار .))

رواه ابن ماجه من حديث أنس .

اور انھیں (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوادِ اعظم کی پیروی کرو کیونکہ جس نے شذوذ (مخالفت کرتے ہوئے جدا راستہ اختیار) کیا تو اسے آگ میں گرایا جائے گا۔ اسے ابن ماجہ (٣٩٥٠) نے (سیدنا) انس (رضی اللہ عنہ) کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس روایت میں معان بن رفاعہ السلامی لین الحدیث (کمزور حدیثیں بیان کرنے والا) راوی ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (٦٧٤٧)

جمہور محدثین نے اُس پر جرح کی ہے جیسا کہ تہذیب الکمال (١٤٩/٧) سے ظاہر ہے۔

اس روایت کا دوسرا راوی ابو خلف الاعمیٰ (حازم بن عطاء) ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لکھا: متروك. إلخ

(تقریب التہذیب: ٨٠٨٣)

ابوحاتم الرازی نے کہا: ''شيخ منكر الحديث ، ليس بالقوي'' وہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا شیخ (اور) القوی نہیں تھا۔

(الجرح والتعدیل ٢٧٩/٣)

بوصیری نے کہا: یہ سند ضعیف ہے۔ الخ (زوائد ابن ماجہ ص ٥١٠)

اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی (٢٠٨/٢) میں اس روایت کا ایک ضعیف شاہد بھی ہے جس میں ابو عون الانصاری مجہول الحال ہے اور بقیہ بن الولید (صدوق مدلس) کی تصریح سماع نہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

فائدہ: اگر کوئی شخص اس ضعیف روایت سے استدلال کرنے پر بضد ہے تو اس کی خدمت میں عرض ہے کہ محدث ابن ابی عاصم (متوفی ۲۸۷ھ) نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد (بطورِ تشریح یا بطورِ روایت) یہ اضافہ لکھا ہے:

''**الحق و أهله**''یعنی سوادِ اعظم سے مراد حق اور اہلِ حق ہیں۔ دیکھئے السنۃ لابن ابی عاصم (حدیث ۸۴) اور حدیث سابق: ۱۴۱

[**۱۷۵**] **وعن أنس قال قال لي رسول الله ﷺ: ((يابني! إن قدرت أن تصبح و تمسي وليس في قلبك غش لأحدٍ فافعل .)) ثم قال :((يا بني ! و ذلك من سنتي ومن أحب سنتي فقد أحبني ومن أحبني كان معي في الجنة .)) رواه الترمذي .**

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بیٹے! اگر تمھارے لئے ممکن ہو کہ صبح و شام اس حالت میں گزارو اور تمھارے دل میں کسی کے لئے بُغض نہ ہو تو اس پر عمل پیرا رہو۔
پھر آپ نے فرمایا: اے بیٹے! اور یہ میری سنت میں سے ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ اسے ترمذی (۲۶۷۸ وقال: ''حسن غریب'') نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کو امام ترمذی کے علاوہ طبرانی نے المعجم الصغیر (۳۳،۳۲/۲) میں **مسلم ابن حاتم الأنصاري عن محمد بن عبدالله الأنصاري عن أبيه عن علي بن زيد ابن جدعان عن سعيد بن المسيب عن أنس بن مالك رضي الله عنه** کی سند سے مطولاً بیان کیا ہے۔

علی بن زید بن جدعان کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا: ''**ضعیف**'' (تقریب التہذیب: ۴۷۳۴)

یہ روایت بھی علی بن زید مذکور کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[**۱۷۶**] **وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد.)) رواه .(؟)**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اُمت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا تو اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اسے (بیہقی نے کتاب الزہد: ۲۰۷ میں) روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

بیہقی کے علاوہ اس روایت کو ابن عدی نے الکامل (۲/ ۷۳۹، دوسرا نسخہ ۳/ ۱۷۴) میں الحسن بن قتیبہ المدائنی عن عبدالخالق بن المنذر عن مجاہد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

حسن بن قتیبہ کو ابن عدی نے ''**لا بأس به**'' قرار دیا ہے، لیکن ابوحاتم الرازی اور جمہور محدثین نے اسے ضعیف و مجروح قرار دیا ہے، لہٰذا یہ راوی ضعیف ہے۔

عبدالخالق بن المنذر: **لا یعرف** (یعنی اس کی توثیق نامعلوم) ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۲/ ۵۴۳)

ان کے علاوہ ایک تیسری وجۂ ضعف بھی ہے لیکن جب یہ روایت ان دو علتوں کی وجہ سے ہی ضعیف و مردود ثابت ہوگئی ہے تو تیسری علت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

المعجم الاوسط للطبرانی (۶/ ۱۹۷ ح ۵۴۱۰) میں محمد بن صالح العدوی (؟) : **حدثنا عبدالمجید ابن عبدالعزیز عن أبیه عن عطاء عن أبي هریرة رضي الله عنه** کی سند سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**المتمسك بسنتي عند فساد أمتي له أجر شهید**)) میری اُمت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے پکڑنے والے کو ایک شہید کا اجر ملے گا۔ (ومن طریقہ رواہ ابونعیم فی حلیۃ الاولیاء ۸/ ۲۰۰)

اس روایت میں محمد بن صالح راوی مجہول ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا:

''**ولم أرمن ترجمه**'' اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کے حالات لکھے ہوں۔ (مجمع الزوائد ۱/ ۱۷۲)

اس سند میں عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد ضعیف راوی ہے جسے جمہور نے ضعیف قرار دیا۔ دیکھئے میری کتاب تحفۃ الاقویاء (۲۴۲) اور الفتح المبین (ص ۵۵)

حافظ ابن حجر نے اسے مدلسین کے تیسرے طبقے میں ذکر کیا ہے۔ (طبقات المدلسین ۳/ ۸۲)

معلوم ہوا کہ یہ سند بھی ضعیف ہے۔

بعض لوگ شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیقات پر اندھا دھند اعتماد کرتے ہیں، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ البانی صاحب نے بھی ان دونوں روایتوں کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ دیکھئے الضعیفہ (۳۲۶، ۳۲۷) اور ضعیف الترغیب والترہیب (۱/ ۳۶ ح ۳۰، ۳۱) یعنی جمع تفریق کر کے اس روایت کو حسن لغیرہ بنانا غلط ہے۔ والحمد للہ

[**۱۷۷**] **وعن جابر (رضي الله عنه) عن النبي ﷺ حین أتاه عمر فقال :إنا نسمع أحادیث من یهود تعجبنا، أفتری أن نكتب بعضها ؟ فقال : ((أمتهوكون أنتم كما تهوكت الیهود والنصارى ؟!**

(سیدنا) جابر (بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عمر (رضی اللہ عنہ) آئے تو کہا: ہم یہودیوں سے حدیثیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، آپ کا کیا خیال ہے اگر ہم ان میں سے بعض کو لکھ لیا کریں؟

لقد جئتكم بها بيضاء نقية ولو كان موسى حيًا ما وسعه إلا اتباعي .))
رواه أحمد والبيهقي في كتاب شعب الإيمان .

تو آپ نے فرمایا: کیا تم اپنے دین میں حیران و پریشان ہو جس طرح یہود و نصاریٰ حیران و پریشان ہیں؟ میں تمھارے پاس صاف سفید (دین) لے کر آیا ہوں، اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسے احمد (۳/۳۸۷ ح ۱۵۲۲۳) اور بیہقی نے شعب الایمان (۱۷۶) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند کا دارومدار مجالد بن سعید بن عمیر الہمدانی الکوفی پر ہے۔ مجالد کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا:
''...**وضعفه الجمهور**'' اور جمہور (محدثین) نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۹/۴۱۶)
نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۹ ص ۲۲

جس راوی کو جمہور محدثینِ کرام ضعیف قرار دیں تو صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں ایسے راوی کی منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے مجالد مذکور میں ضعف تسلیم کرنے کے بعد اس روایت کو شواہد کے ساتھ حسن قرار دیا ہے۔ ان شواہد کا تحقیقی جائزہ درج ذیل ہے:

شاہد نمبر ۱: فضائل القرآن لابن الضریس وذم الکلام للہروی وغیرہما۔ (ارواء الغلیل ۶/۳۵ ح ۱۵۸۹)
اس کی سند میں جابر الجعفی سخت ضعیف و مجروح ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۹ ص ۲۲، اور الحدیث: ۳۹ ص ۳۷
امام زائدہ بن قدامہ (رحمہ اللہ) نے فرمایا: جابر الجعفی کذاب تھا۔ الخ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۳۹۹، وسندہ صحیح)

شاہد نمبر ۲: مسند الرویانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''**لو كان فيكم موسى (فاتبعتموه) و عصيتموني لدخلتم النار** '' اگر تمھارے درمیان موسیٰ ہوتے، پھر تم اُن کی اتباع کرتے اور میری نافرمانی کرتے تو ضرور جہنم میں داخل ہوتے۔ (ج ۱ ص ۱۷۵ ح ۲۲۵)

اس روایت کی سند عبداللہ بن لہیعہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔
عثمان بن صالح کا ابن لہیعہ سے سماع اختلاط سے پہلے ثابت نہیں ہے۔ نیز دیکھئے میری کتاب الفتح المبین (ص ۷۷، ۷۸)
یہی روایت ''**عثمان بن صالح عن ابن لهيعة عن أبي عشانة حي بن يؤمن عن عقبة بن عامر رضي الله عنه** '' کی سند سے بھی مروی ہے جس کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''**هذا حديث كذب** '' یہ حدیث جھوٹ ہے۔
(علل الحدیث ۲/۱۵۰ ح ۱۹۴۵)

شاہد نمبر۳: عن أبي قلابة أن عمر (رضي الله عنه) مرّ برجل يقرأ كتاباً ..إلخ

(ذم الکلام للہروی تحقیق عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الشبل ۲۶۸/۳، ۲۶۹ ح ۵۸۰، ومصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۱۰ ح ۲۰۰۶۲)

اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، ابوقلابہ رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

تنبیہ: اس روایت میں کسی نامعلوم کتاب کا قصہ تو موجود ہے، لیکن موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں۔

شاہد نمبر۴: المختارۃ للضیاء المقدسی (ارواء الغلیل ۳۶/۶)

اس کی سند عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس میں بھی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔

شاہد نمبر۵: المعجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد (۱۷۴/۱)

اس کی سند جامع المسانید والسنن لابن کثیر (۶۴۳/۱۳، ۶۴۴ ح ۱۱۱۷۱) میں مذکور ہے۔ یہ سند سفیان ثوری اور ابواسحاق دونوں کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

شاہد نمبر۶: عن حفصة رضي الله عنها بحوالہ مصنف عبدالرزاق (۱۱۳/۶، ۱۱۴، ۱۱۱/۱۰، ۱۱۰) اور ذم الکلام للہروی (۲۷/۳ ح ۵۸۱)

یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس میں نہ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور نہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا بلکہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے۔

شاہد نمبر۷: مرسل الحسن البصري بحوالہ شعب الایمان للبیہقی (۱۷۵)

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔

یہ بات بالکل حق اور سچ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آجانے کے بعد، اب قیامت تک ہر انسان اور جن پر آپ کی اطاعت فرض ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو آپ کی اتباع کرتے کیونکہ آپ کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

دلیل کے لئے دیکھئے سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۸۱، ۸۲

[**۱۷۸**] وعن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله ﷺ: ((من أكل طيبًا و عمل في سنة و أمن الناس بوائقه دخل الجنة .)) فقال رجل: يا رسول الله !إن هذا اليوم لكثير في الناس ؟ قال : ((و سيكون في قرونٍ بعدي .)) رواه الترمذي .

اور (سیدنا) ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو پاک (حلال رزق) کھائے، سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کی تکلیفوں سے محفوظ رہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! آج کل تو ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں، آپ نے فرمایا: میرے بعد والی صدیوں میں بھی ہوں گے۔

اسے ترمذی (۲۵۲۰ وقال: غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے حاکم (۱۰۴/۴) اور ذہبی (دونوں) نے صحیح کہا ہے۔

دوسری طرف حافظ ذہبی نے خود ابو بشر عن ابی وائل کے بارے میں لکھا: ''**لا یعرف**'' وہ معروف نہیں ہے۔ (الکاشف ۲۷۳/۳)

ذہبی کی توثیق اُن کی جرح سے ٹکرا کر ساقط ہوگئی اور حاکم متساہل تھے، لہٰذا ان کی اکیلی توثیق پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اِلا یہ کہ راوی اُن کے شیوخ، شیوخ الشیوخ یا اُس طبقے سے ہو جو اپنی روایتوں کے ساتھ بہت مشہور تھے۔

تنبیہ (۱): حافظ ابن الجوزی نے بغیر کسی سند کے امام احمد سے نقل کیا کہ انھوں نے اس حدیث کا سخت رد کیا اور فرمایا: میں ابو بشر کو نہیں جانتا۔ الخ (العلل المتناہیہ ۲۶۳/۲ ح ۱۲۵۲)

تنبیہ (۲): ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۲۴ ص ۴۸) میں اس حدیث کو حسن لکھا گیا ہے جو اضواء المصابیح والی تحقیق کی رُو سے منسوخ ہے۔

[**۱۷۹**] **وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((إنكم في زمان من ترك منكم عُشر ما أُمر به هلك ثم يأتي زمان من عمل منهم بعشر ما أُمر به نجا .)) رواه الترمذي .**

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دسواں حصہ جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، چھوڑ دے تو ہلاک ہو جائے گا، پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر کوئی شخص دسویں حصے پر عمل کرے گا تو نجات پا جائے گا۔ اسے ترمذی (۲۲۶۷ وقال: غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

① نعیم بن حماد رحمہ اللہ اگرچہ صدوق حسن الحدیث تھے لیکن یہ روایت اُن روایتوں میں سے ہے جن کا نعیم پر انکار کیا گیا تھا۔ دیکھئے میری کتاب ''علمی مقالات'' (ج ۱ ص ۴۶۲)

② امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

اس روایت کا سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک ضعیف شاہد مسند احمد (۱۵۵/۵) اور ذم الکلام للہروی (نسخۂ عبدالرحمٰن الشبل ح ۹۷، نسخۂ الشیخ الصالح ابی جابر عبداللہ بن محمد بن عثمان الانصاری حفظہ اللہ ح ۱۰۰) وغیرہما میں ہے۔

دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی (۴۰/۶، ۴۱ ح ۲۵۱۰)

یہ شاہد متصل نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ نماز لمبی اور خطبہ مختصر ہے، علماء زیادہ اور خطباء تھوڑے ہیں اور تم پر ایسا زمانہ آئے گا کہ نماز مختصر اور خطبہ لمبا ہوگا، خطباء زیادہ اور علماء تھوڑے ہوں گے۔ الخ (المعجم الکبیر للطبرانی ۹/۱۱۳ ح ۸۵۶۷ وسندہ حسن)

اس موقوف روایت (جو کہ حکماً مرفوع ہے) میں درج بالا حدیث کا کوئی شاہد نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: اس روایت کو بعض علماء نے حسن لغیرہ قرار دیا ہے لیکن یہ اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہے۔

[**۱۸۰**] **وعن أبي أمامة قال قال رسول الله ﷺ : ((ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه إلا أوتوا الجدل)) ثم قرأ رسول الله ﷺ هذه الآية : ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ رواه أحمد والترمذي وابن ماجه .**

اور (سیدنا) ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ ہوئے تو انھیں مجادلوں میں مبتلا کر دیا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ انھوں نے یہ مثال صرف مجادلے کے لئے پیش کی ہے بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔ (الزخرف: ۵۸)

اسے احمد (۵/۲۵۲ ح ۲۲۵۱۷، ۵/۲۵۶ ح ۲۲۵۵۸) ترمذی (۳۲۵۳ وقال: ''حسن صحیح'' الخ) اور ابن ماجہ (۴۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم (۲/۴۴۸) اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔

اس روایت میں دو راوی حجاج بن دینار اور ابو غالب جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث راوی تھے۔

فقہ الحدیث:

۱: حق کے مقابلے میں مجادلہ کرنا کفارِ قریش کا طریقہ ہے۔

۲: قرآن وحدیث کے مقابلے میں الزامی اعتراض مردود ہوتا ہے۔

۳: خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

۴: کفار و مشرکین بھی اپنے باطل عقائد کو ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان کے دلائل باطل ہوتے ہیں۔

۵: اہلِ حق کا آپس میں ایک دوسرے سے مناظرے کرنا غلط ہے لیکن یاد رہے کہ اگر اہلِ باطل سے مناظرے کی ضرورت پڑ جائے

تو عقائد واصول پر مناظرہ کرنا چاہئے نہ کہ معمولی معمولی مسائل پر بحث ومباحثہ کرتے رہیں۔

٦: قرآن وحدیث ایک دوسرے کی تفسیر، شرح اور بیان ہیں۔

٧: قرآن وحدیث کو ایک دوسرے سے ٹکرانا گمراہی ہے۔

٨: دینِ حق میں شبہے پیدا کرنا گمراہ لوگوں کا کام ہے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح مع فوائد غزنویہ ج ا ص ٢٣٢ تحت ح ١٧١)

٩: شرک وکفر کرنے والے لوگ اللہ کے سوا دو قسم کے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں:

اول: جو اپنی عبادت پر راضی تھے۔

مشرکین وکفار کے ساتھ یہ معبودانِ باطلہ بھی جہنم میں ہوں گے۔

دوم: وہ جو اپنی عبادت پر راضی نہیں تھے بلکہ شرک وکفر کے مخالف تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ جہنم اور عذاب سے بچائے گا اور یہ اپنی عبادت کرنے والوں سے بری ہوں گے مثلاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اُن لوگوں سے بری ہوں گے جو انھیں اللہ کا بیٹا اور رب سمجھتے تھے۔

١٠: تمام کفار ومشرکین اسی کوشش میں سرگرم ہیں کہ دینِ حق کو مٹا دیں جبکہ حق کے مقابلے میں یہی لوگ ذلیل ورسوا ہوں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

[١٨١] وعن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ كان يقول: ((لا تشددوا على أنفسكم فيشدد الله عليكم فإن قومًا شددوا على أنفسهم فشدد الله عليهم، فتلك بقاياهم في الصوامع والديار ﴿رَهْبَانِيَّةً ابتدعوها ما كتبناها عليهم﴾))
رواه أبو داود .

اور (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا کیونکہ ایک قوم نے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ نے اُن پر سختی کی، (پس اب) یہ ان کے صومعوں (راہبوں کے عبادت خانوں) اور خانقاہوں کے نشانات باقی رہ گئے ہیں۔ ﴿رہبانیت کی بدعت اُنھوں نے شروع کی تھی، (جبکہ) ہم نے اُن پر اسے لازم نہیں کیا تھا﴾
اسے ابوداود (٤٩٠٤) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے ابویعلی الموصلی (المسند ٦/ ٣٦٥ ح ٣٦٩٤) نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے راوی سعید بن عبدالرحمٰن بن ابی العمیاء کو ابن حبان کے سوا کسی نے ثقہ قرار نہیں دیا یعنی وہ مجہول الحال ہے۔

التاریخ الکبیر للبخاری (٤/ ٩٧) میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لا تشددوا على أنفسكم فإنما هلك من قبلكم بتشديدهم على أنفسهم وستجدون بقاياهم في الصوامع

والديارات .)) اپنے آپ پر تشدد نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے اپنے آپ پر تشدد کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے اور تم اُن کے باقی رہ جانے والے نشانات راہبوں کے عبادت خانوں اور (سجدہ گاہوں والے) گھروں میں دیکھو گے۔

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ عبداللہ بن صالح کاتب اللیث سے امام بخاری کی روایت حسن ہوتی ہے اور باقی سند صحیح ہے۔ ابوشریح عبدالرحمٰن بن شریح الاسکندرانی ثقہ فاضل تھے۔ اُن پر ابن سعد کی جرح مردود ہے۔

نیز دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸۹۲)

فقہ الحدیث:

التاریخ الکبیر للبخاری والی روایت کا فقہ الحدیث درج ذیل ہے:

۱: شریعت میں جن اُمور کی اجازت اور رخصت موجود ہے، انھیں خوامخواہ اپنے آپ پر حرام یا ممنوع قرار نہیں دینا چاہئے بلکہ رخصت سے فائدہ اٹھانا ہی بہتر ہے۔

۲: اسلام میں رہبانیت نہیں ہے بلکہ معاشرے میں رہ کر اپنی اور لوگوں کی اصلاح میں مصروف رہنا چاہئے۔

۳: غلو سے ہر وقت کلی اجتناب کرتے ہوئے ہمیشہ عدل وانصاف والا درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

۴: معاشرے سے دُور خانقاہی نظام اصل میں احبارِ یہود اور رہبانِ نصاریٰ کے اعمال کی کاپی (Copy) ہے۔

۵: امام ابوداود کا سنن ابی داود میں کسی روایت پر سکوت اُس کے حسن یا صحیح ہونے کی دلیل نہیں بلکہ عدل وانصاف کو مدِنظر رکھتے ہوئے اسماء الرجال اور اصولِ حدیث کے مطابق ہی روایت کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہئے۔

۶: اسلام میں چلہ کشی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

۷: قرآن وحدیث سے زہد اور پرہیز گاری کا تو ثبوت ملتا ہے لیکن تصوف اور پیری مُریدی کا کوئی ثبوت کسی دلیل میں نہیں ہے۔

۸: شریعتِ اسلامیہ میں اہلِ اسلام اور اہلِ ایمان کی صحیح تربیت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے تاکہ مسلمان ہمیشہ، گمراہیوں سے بچتے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں اور اسی میں نجات ہے۔

۹: سنت پر عمل میں ہی نجات ہے۔

۱۰: بدعات سے اجتناب ضروری ہے۔

[**۱۸۲**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((نزل القرآن علٰى خمسة أوجهٍ : حلالٍ و حرامٍ و محكمٍ و متشابةٍ و أمثالٍ . فأحلوا الحلال و حرموا الحرام واعملوا بالمحكم و آمنوا بالمتشابه و اعتبروا بالأمثال .))

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن پانچ طرح پر نازل ہوا ہے: حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال (مثالیں) پس اس کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو، محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان لے آؤ اور مثالوں سے عبرت حاصل کرو۔

هذا لفظ المصابيح وروى البيهقي في شعب الإيمان و لفظه : ((فاعملوا بالحلال واجتنبوا الحرام واتبعوا المحكم .))

یہ مصابیح السنۃ (۱/۱۶۴ح۱۴۲) کے الفاظ ہیں اور بیہقی نے شعب الایمان (۲۲۹۳، دوسرا نسخہ ۳/۵۴۸ح ۲۰۹۵) میں یہ الفاظ روایت کئے ہیں: پس حلال پر عمل کرو اور حرام سے اجتناب کرو اور محکم کی اتباع کرو۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس میں عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری سخت مجروح ومتروک ہے۔امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اُس کے پاس بیٹھا تو (اسی) ایک مجلس میں ہی مجھ پر اُس کا جھوٹ واضح ہو گیا۔ (الکامل لابن عدی ۴/۱۴۸۰، دوسرا نسخہ ۵/۲۶۹ وسندہ صحیح)

امام ابوحفص عمرو بن علی الفلاس نے فرمایا: ''منكر الحديث متروك الحديث''

وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، وہ حدیث میں متروک تھا۔ (الجرح والتعدیل ۵/۷۱)

نیز دیکھئے میری کتاب: تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء (ص ۵۹ ت ۱۸۶)

اس روایت کا دوسرا راوی معارک بن عباد ضعیف تھا۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۶۷۴۳) اور سنن الترمذی (۵۰۲ بتحقیقی)

اسے معارک بن عبداللہ بھی کہتے تھے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''منكر الحديث'' (التاریخ الصغیر ۲/۱۷۷)

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''هؤلاء الذين [قيل فيهم] منكر الحديث ، لست أرى الرواية عنهم [وإذا] قالوا: سكتوا عنه. فكذلك لا أروي عنهم ''یہ راوی جن کے بارے میں منکر الحدیث کہا گیا ہے، میں اُن سے روایت کا قائل نہیں ہوں اور جب وہ (محدثین کسی راوی کے بارے میں) سکتوا عنہ کہیں تو میں اُن سے بھی روایت نہیں کرتا۔

(التاریخ الاوسط ج ۲ ص ۱۰۷، ما بين عشر إلى ستين و مائة)

[**۱۸۳**] وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: ((الأمر ثلاثة :أمر بيّن رشده فاتبعه وأمر بيّن غيه فاجتنبه وأمر اختلف فيه فكله إلى الله عزوجل .)) رواه أحمد.

اور (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امور تین طرح کے ہیں: ایسا امر جس کی ہدایت واضح ہے، لہٰذا اس پر عمل کرو، ایسا امر جس کی گمراہی واضح ہے پس اس سے اجتناب کرو اور ایسا امر جس میں اختلاف ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو۔

اسے احمد نے (؟ لعلہ احمد بن منیع ؟ اور طبرانی نے المعجم الکبیر ۱۰/۳۸۶ ح ۱۰۷۷۴ میں) روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس میں ایک راوی ابوالمقدام ہشام بن زیاد متروک ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۲۹۲) سنن ابن ماجہ (۹۵۹ بتحقیقی) اور سنن الترمذی (۲۸۸۹ بتحقیقی)

ابوحاتم الرازی نے طویل کلام کے بعد فرمایا: ''**وھو منکر الحدیث**'' اور وہ منکر الحدیث تھا۔ (الجرح والتعدیل ۹/۵۸)

امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**متروك الحديث**'' (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۶۱۲)



الفصل الثالث

[۱۸٤] عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللّٰه ﷺ: ((إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم يأخذ الشاذة والقاصية والناحية وإياكم والشعاب وعليكم بالجماعة والعامة .)) رواه أحمد .

(سیدنا) معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً انسان کے لئے شیطان ایک بھیڑیا ہے، جیسے بکریوں کا بھیڑیا علیحدہ، اکیلی، دُور رہ جانے والی اور کنارے پر رہ جانے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے۔ تم گھاٹیوں سے دُور رہو اور جماعت سے اور عام مسلمانوں سے منسلک رہو۔ اسے احمد (۲۳۲/۵، ۲۳۳، ۲۴۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

مسند احمد میں اس روایت کی دو سندیں ہیں:

اول: **سعيد (بن أبي عروبة) عن قتادة : حدثنا العلاء بن زياد عن معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه .**

علاء بن زیاد کی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۴۸۱/۱۴) لہٰذا یہ سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز اس میں ابن ابی عروبہ کا عنعنہ بھی ہے۔

دوم: **عمر بن إبراهيم (العبدي البصري) :حدثنا قتادة عن العلاء بن زياد عن رجل حدثه يثق به عن معاذ ابن جبل رضي اللّٰه عنه .**

یہ سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

۱: عمر بن ابراہیم العبدی اگرچہ صدوق تھے لیکن قتادہ سے اُن کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۴۸۶۳) اور سنن الترمذی (بتحقیقی: ۳۰۷۷)

۲: قتادہ ثقہ مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

۳: اس حدیث کو بیان کرنے والا رجل (ایک آدمی) مجہول ہے۔

مسند عبد بن حمید (المنتخب: ۱۱۴) میں یہ روایت "**فضيل بن عياض عن أبان (بن أبي عياش) عن شهر بن حوشب عن معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه**" کی سند سے موجود ہے۔ اس سند میں ابان بن ابی عیاش سخت ضعیف، متروک راوی ہے، لہٰذا یہ سند باطل مردود ہے۔ اگر شہر تک یہ سند صحیح ہوتی تو پھر بھی ضعیف ہوتی کیونکہ شہر بن حوشب کی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں

ہے، لہٰذا سند منقطع ہے۔

فائدہ: سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما من ثلاثة في قرية و لا بدوٍ لا تقام فيهم الصلوٰة إلا قداستحوذ عليهم الشيطان فعليك بالجماعة فإنما يأكل الذئب القاصية)) جس گاؤں یا بستی میں تین آدمی ہوں اور اُن میں جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے تو اُن پر شیطان کا تسلط ہوجاتا ہے، لہٰذا تم جماعت کو لازم پکڑو کیونکہ دُور رہ جانے والی اکیلی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔ اسے امام ابوداود (۵۴۷) وغیرہ نے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ امام ابن خزیمہ (۱۴۸۶) حافظ ابن حبان (الاحسان: ۲۰۹۸، دوسرا نسخہ: ۲۱۰۱، موارد الظمآن: ۴۲۵) حاکم (۲۴۶/۱) اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے اضواء المصابیح (۱۰۶۷)

اس حدیث کے راوی سائب بن حبیش رحمہ اللہ نے فرمایا: جماعت سے مراد باجماعت نماز ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۵۴۷) اور صحیح ابن حبان (الاحسان ۴۵۹/۵)

اس صحیح حدیث سے کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں مثلاً:

۱: گاؤں ہو یا جنگل، ہر جگہ باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

۲: عذر کے بغیر باجماعت نماز نہ پڑھنا غلط اور قابلِ مذمت ہے۔

۳: شیطان ہر وقت کوشاں ہے کہ اہلِ ایمان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دے۔

۴: مسئلہ سمجھانے کے لئے مثالیں بیان کرنا جائز اور صحیح ہے، بشرطیکہ کسی شرعی حکم کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔

۵: روایت مذکورہ سے موجودہ کاغذی جماعتوں اور تنظیموں کا جواز ثابت کرنا، راویِ حدیث کے فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۶: عام کی تخصیص جائز ہے۔

۷: اجماع شرعی حجت ہے۔

۸: اگر شرعی عذر اور ضرورت ہو تو جنگل میں رہنا جائز ہے۔

[**۱۸۵**] وعن أبي ذر قال قال رسول الله ﷺ : ((من فارق الجماعة شبرًا فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه .)) رواه أحمد و أبو داود .

اور (سیدنا) ابو ذر (الغفاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جماعت سے ایک بالشت برابر بھی دُوری اختیار کی تو اُس نے اپنی گردن سے اسلام کا طوق نکال پھینکا۔ اسے احمد (۱۸۰/۵ ح ۲۱۸۹۴) اور ابوداود (۴۷۵۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

اس روایت کی سند خالد بن وہبان کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ خالد مذکور کو حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات (۲۰۷/۴) میں ذکر کر کے کہا: ''وہ ابوذر الغفاری کا خالہ زاد تھا، اس سے لوگوں نے روایت کی ہے۔''
حاکم نے اسے ''تابعی معروف'' یعنی مشہور تابعی قرار دیا۔
سیدنا الحارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((فإنه من فارق الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه إلا أن يرجع))**
بے شک جو شخص بالشت برابر جماعت سے دُور ہوا تو اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا، اِلا یہ کہ وہ رجوع کر لے یعنی واپس آجائے۔ (سنن الترمذی: ۲۸۶۳ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح غریب'' وسندہ صحیح، الشریعۃ للآجری ۲۸۷/۱ ح ۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ص ۸)
اس شاہد کے ساتھ درج بالا حدیث بھی حسن ہے۔
فائدہ: خالد بن وہبان کی بیان کردہ حدیث کتاب السنۃ لابن ابی عاصم (۱۰۵۳) میں ''**من فارق الجماعة والإسلام فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه**''
[جس نے اسلام اور جماعت سے جدائی اختیار کی تو اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکا۔] کے متن سے موجود ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: اجماع شرعی حجت ہے۔
۲: خلیفہ اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہے اِلا یہ کہ فریقین یا ایک فریق کسی اجتہادی خطاء میں مبتلا ہو تو وہ معذور ہے۔
۳: سلف صالحین کے متفقہ فہم کے خلاف ہر قسم کی تشریح، تاویل اور استدلال مردود ہے۔
۴: باجماعت نماز قائم کرنے کا ہمیشہ اہتمام کرنا چاہئے۔
۵: اُمتِ اجابت میں گمراہی کی اصل وجوہات چار ہیں:
اول: قرآن وحدیث اور اجماع کا انکار (مثلاً تکفیری خوارج، معتزلہ اور منکرینِ حدیث وغیرہ)
دوم: سلف صالحین کے متفقہ فہم سے فرار (مثلاً جہمیہ، مرجیہ، روافض اور قدریہ وغیرہ)
سوم: تاویلات باطلہ اور مردود روایات سے پیار (مثلاً اہلِ بدعت اور اہلِ شرک کے تمام گروہوں کا طرزِ عمل)
چہارم: علمائے حق اور اہلِ حق سے برسرِ پیکار (مثلاً تکفیری اور تنفیری خوارج وغیرہ)
۶: نصوصِ شرعیہ کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ مسلمانوں میں ہمیشہ اتفاق ہو۔
۷: سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۹ سے ثابت ہے کہ باغی بغاوت کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا بلکہ اہلِ ایمان میں شامل رہتا ہے، لہٰذا دوسری نصوصِ شرعیہ کو چھوڑ کر صرف وعید وتشدید والے دلائل کی وجہ سے تکفیر کرنا باطل ہے۔
فائدہ: تکفیری ان لوگوں کو کہتے ہیں جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں اور تنفیری اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو صحیح العقیدہ مسلم

علماء کی توہین وتنقیص کرتے ہیں۔

[۱۸٦] وعن مالك بن أنس مرسلاً قال قال رسول الله ﷺ :((تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما : كتاب الله و سنة رسوله .)) رواه في الموطأ .

اور (امام) مالک بن انس (المدنی رحمہ اللہ) سے مرسل (یعنی ضعیف) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم انھیں مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔
اسے انھوں (امام مالک) نے موطأ (۸۹۹/۲ ح ۱۷۲۷) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے، لیکن حدیث حسن ہے۔

یہ روایت امام مالک نے معضل (منقطع اور بغیر سند کے) بیان کی ہے لیکن اس کے بہت سے شواہد ہیں:

① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((ألا و إني تارك فيكم الثقلين :أحدهما كتاب الله ...)) سن لو! میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں: اُن میں ایک کتاب اللہ ہے... (صحیح مسلم:۲۴۰۸، دارالسلام:۶۲۲۸)
پھر آپ نے اپنے اہلِ بیت کا ذکر کیا۔

② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((فمن رغب عن سنتي فليس مني .)) پس جس نے میری سنت سے منہ موڑا تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (صحیح بخاری:۵۰۶۳، صحیح مسلم:۱۴۰۱)

③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم '' اگر تم نبی (ﷺ) کی سنت ترک کر دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (صحیح مسلم:۶۵۴، دارالسلام:۱۴۸۸)

④ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((إني قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدًا : كتاب الله و سنة نبيه ﷺ .)) میں تمھارے درمیان وہ چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر تم مضبوطی سے تھام لو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: کتاب اللہ اور اُس کے نبی ﷺ کی سنت۔ الخ (المستدرک للحاکم ۹۳/۱ ح ۳۱۸ وسندہ حسن)

دیگر شواہد کے لئے دیکھئے سرفراز صفدر دیوبندی کی کتاب: راہِ سنت (ص ۲۵) اور ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۵۷ ص ۱۶)

ان صحیح شواہد کے ساتھ درج بالا حدیث حسن ہے۔ والحمدللہ

مہر محمد میانوالوی دیوبندی نے اس حدیث کے بارے میں اہلِ سنت سے نقل کیا ہے کہ ''صحیح ہے۔''

(شیعہ کے ہزار سوال کا جواب ص ۴۹۳ جواب سوال نمبر ۸۳۱)

تنبیہ: روایتِ مذکورہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن وحدیث کے علاوہ اور کچھ بھی حجت نہیں۔ قرآن سے عموماً اور حدیث صحیح سے خصوصاً یہ ثابت ہے کہ اجماع شرعی حجت ہے اور اسی طرح دلائلِ شرعیہ سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے۔

[**۱۸۷**] **وعن غضيف بن الحارث الثمالي قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ((ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنةٍ خير من إحداث بدعة .)) رواه أحمد.**

اور غضیف بن الحارث الثمالی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس قوم نے کوئی بدعت نکالی تو اُن سے اُس جیسی سنت اٹھا لی گئی، لہٰذا سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

اسے احمد (۱۰۵/۴ ح ۱۷۰۹۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کا بنیادی راوی ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم الغسانی ضعیف ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۷۹۷۴) اور سنن ابی داود (۴۲۹۵ بتحقیقی)

[**۱۸۸**] **وعن حسان قال : ما ابتدع قوم بدعة في دينهم إلا نزع اللّٰه من سنتهم مثلها ثم لا يعيدها إليهم إلى يوم القيامة. رواه الدارمي .**

حسان (بن عطیہ تابعی رحمہ اللہ) نے فرمایا: جو قوم بھی اپنے دین میں کوئی بدعت نکالتی ہے تو اللہ اُن سے اُس جیسی سنت کھینچ لیتا ہے پھر اسے قیامت تک ان کی طرف واپس نہیں بھیجتا۔ اسے دارمی (۴۵/۱ ح ۹۹) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند صحیح ہے۔

یہ تابعی کا قول ہے جسے اصولِ حدیث میں مقطوع کہتے ہیں۔ امام دارمی سے لے کر حسان بن عطیہ تک سند صحیح ہے۔

[**۱۸۹**] **وعن إبراهيم بن ميسرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ((مَنْ وَقّر صاحب بدعةٍ فقد أعان على هدم الإسلام .)) رواه البيهقي في شعب الإيمان مرسلاً .**

ابراہیم بن میسرہ (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام کے گرانے میں تعاون کیا۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان (۹۴۶۴، دوسرا نسخہ: ۹۰۱۸) میں مرسلاً (یعنی منقطع) روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے لیکن حدیث صحیح ہے۔

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

① مرسل ہے۔

② ابو ہمام (راوی) کا تعین نامعلوم ہے۔ شعب الایمان (طبع جدید) کے محقق مختار احمد ندوی نے ابو ہمام کو ابو ہشام (محمد بن نصر بن سعید الکرمانی) قرار دے کر کہا: مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔ (ج ۱۲ ص ۵۷ ح ۹۰۱۸)

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری (متوفی ۳۶۰ھ) نے کہا: ''**حدثنا أبو الفضل العباس ابن يوسف الشكلي قال: حدثنا أحمد بن سفيان المصري قال: حدثنا يحي ابن عبدالله بن بكير المخزومي قال: حدثنا الليث بن سعد قال: حدثني هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ :**

((من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام .)) ''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی بدعتی کی عزت کی تو اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔ (کتاب الشریعۃ طبع جدید ص ۹۶۲ ح ۲۰۴۰)

اس حدیث کے راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

① ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما

② عروہ بن الزبیر: **ثقة فقيه مشهور .** (تقریب التہذیب: ۴۵۶۱)

③ ہشام بن عروہ: **ثقة إمام في الحديث .** (کتاب الجرح والتعدیل ۹/ ۶۴)
وهو بريئ من التدليس .

④ لیث بن سعد: **ثقة ثبت فقيه إمام مشهور.** (تقریب التہذیب: ۵۶۸۴)

⑤ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر: **ثقة في الليث إلخ .** (تقریب التہذیب: ۷۵۸۰)

⑥ احمد بن سفیان النسائی: **صدوق مصنف .** (تقریب التہذیب: ۴۲)

⑦ عباس بن یوسف الشکلی: **مقبول الرواية .** [اس کی روایت مقبول ہے]

(تاریخ الاسلام للذہبی ۲۳/ ۴۷۹، الوافی بالوفیات ۱۶/ ۳۷۳)

ذہبی اور صفدی کی توثیق کے بعد عرض ہے کہ عباس بن یوسف مذکور (متوفی ۳۱۴ھ) کے بارے میں خطیب بغدادی اور ابن الجوزی نے کہا: ''**وكان صالحًا متنسكًا** '' اور وہ نیک، دیندار تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۲/ ۱۵۳، ۱۵۴ ت ۶۶۲۳، المنتظم ۱۳/ ۲۵۷)

ان سے شاگردوں کی ایک جماعت نے حدیثیں بیان کی ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے بعد مشہور عالم پر اگر جرح نہ ہو تو اُس کی توثیق کی صراحت ضروری نہیں ہے بلکہ علم، فقاہت، نیکی اور دینداری کے ساتھ مشہور ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ایسے شخص کی حدیث حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتی اور اس کا مقام کم از کم صدوق ضرور ہوتا ہے۔

حافظ ذہبی اور علامہ صفدی کی واضح توثیق کے بعد شیخ البانی کا عباس بن یوسف کی وجہ سے اپنے سلسلہ ضعیفہ (ح ۱۸۶۲) میں

اس روایت کوضعیف قرار دینا بہت ہی عجیب وغریب ہے۔

مٹھیاں بند کر کے نماز میں اٹھنے والی روایت کے راوی ہیثم بن عمران الدمشقی (متوفی ۱۹۹ھ) جن کی کوئی معتبر توثیق ثابت نہیں اور نہ نیک اور دیندار ہونا معلوم ہے، لیکن البانی صاحب نے اس کی روایت کوحسن کہا۔ (دیکھئے السلسلۃ الضعیفۃ ۳۹۲/۲ ح ۹۶۷) اور نیک اور دیندار مقبول الروایت عباس بن یوسف کی روایت کوضعیف قرار دیا، کیا انصاف ہے۔!!

خلاصۃ التحقیق: امام ابوبکر الآجری والی روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہلِ بدعت سے بغض رکھنا ایمان میں سے ہے اور دین کا بنیادی مسئلہ ہے۔

[**۱۹۰**] وعن ابن عباس قال :من تعلم كتاب الله ثم اتبع ما فيـه، هداه اللّٰه من الضلالة فى الدنيا ووقاه يوم القيامة سوء الحساب .و في رواية قال : من اقتدى بكتاب الله لا يضل فى الدنيا ولا يشقى فى الآخرة - ثم تلا هذه الآية : ﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾ رواه رزين.

اور (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: جس نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا، پھر جو اس میں ہے اُس کی اتباع کی، اللہ اسے دنیا کی گمراہی سے (نکال کر) ہدایت دے گا اور قیامت کے دن بُرے عذاب سے بچائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: جس نے کتاب اللہ کی اقتدا کی، وہ دنیا میں گمراہ نہیں ہوگا اور آخرت میں بدنصیب نہیں ہوگا، پھر انھوں نے اس (مذکورہ) آیت کی تلاوت کی: جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدنصیب ہوگا۔ اسے رزین (؟) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے بے اصل ہے۔

مستدرک الحاکم (۳۸۱/۲ ح ۳۴۳۸) کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جوشخص قرآن پڑھے اور اس میں جو ہے اُس کی اتباع کرے تو اللہ اسے گمراہی سے ہدایت دے گا اور قیامت کے دن بُرے حساب سے بچائے گا اور یہ اس طرح ہے کہ اللہ نے فرمایا: پس جس نے میری ہدایت کی اتباع کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدنصیب ہوگا۔ (طٰہٰ:۱۲۳)

اس کی سند عطاء بن السائب کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مصنف عبدالرزاق (۳۸۲/۳ ح ۶۰۳۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۴۶۷/۱۰، ۴۶۸ ح ۲۹۹۴۶، ۳۷۱/۱۳، ۳۷۲ ح ۳۴۷۷۰) اور تفسیر طبری (۱۶۳/۱۶) میں اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی ہے۔ اس باب میں ایک مرفوع روایت بھی ہے جو کہ سخت ضعیف ہے۔

دیکھئے السلسلۃ الضعیفۃ (۳۳/۱۰ ح ۴۵۳۱)

اس سلسلے کی ایک دوسری مرفوع روایت بھی ہے۔ (دیکھئے المعجم الکبیر للطبرانی ۴۸/۱۲ ح ۱۲۴۳۷)

اس کی سند عمران بن ابی عمران کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز دیکھئے مجمع الزوائد (٧/٦٧)

[**١٩١**] وعن ابن مسعود أن رسول الله ﷺ قال: ((ضرب الله مثلاً صراطًا مستقيمًا وعن جنبتي الصراط سوران، فيهما أبواب مفتحة وعلى الأبواب ستور مرخاة وعند رأس الصراط داعٍ يقول: استقيموا على الصراط ولا تعوجوا وفوق ذلك داعٍ يدعو، كلما همّ عبد أن يفتح شيئًا من تلك الأبواب قال: ويحك! لا تفتحه فإنك إن تفتحه تلجه.)) ثم فسره فأخبر: ((أن الصراط هو الإسلام و أن الأبواب المفتحة محارم الله و أن الستور المرخاة حدود الله و أن الداعي على رأس الصراط هو القرآن و أن الداعي من فوقه واعظ الله في قلب كل مؤمن .)) رواه رزين .

اور (سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) کی مثال بیان کی ہے، راستے کے دونوں طرف دو فصیلیں ہیں جن میں دروازے کھلے ہوئے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ راستے کے سر پر ایک دعوت دینے والا کہہ رہا ہے: راستے پر سیدھے چلو اور ٹیڑھے راستے اختیار نہ کرو، اس دعوت دینے والے کے اوپر ایک پکارنے والا ہے، جب بندہ ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو کہتا ہے: تیری خرابی، اسے نہ کھول کیونکہ اگر تو اسے کھولے گا تو اس میں گھس جائے گا۔ پھر انھوں نے اس کی تفسیر بیان کی: صراطِ مستقیم اسلام ہے اور کھلے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور لٹکے ہوئے پردے اللہ کی حدود ہیں۔ راستے کے سر پر دعوت دینے والا قرآن ہے اور اس سے اوپر پکارنے والا اللہ کا واعظ (نفسِ امارہ) ہے جو ہر مومن کے دل میں جا گزین ہے۔ اسے رزین (؟) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند نامعلوم ہے۔

رزین العبدی رحمہ اللہ کی کتاب نہ تو مطبوعہ ہے اور نہ اس کے کسی مخطوطے کا کوئی علم ہے، لہٰذا یہ روایت سند نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

[**١٩٢**] ورواه أحمد والبيهقي في شعب الإيمان عن النواس بن سمعان و كذا الترمذي عنه إلا أنه ذكر أخصر منه .

اور احمد (٤/١٨٢۔١٨٣ ح ١٧٧٨٤) اور بیہقی نے شعب الایمان (٧٢١٦) میں نواس بن سمعان (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ترمذی (٢٨٥٩ وقال: غریب) نے ان سے مختصر طور پر روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: مسند احمد (الموسوعۃ الحدیثیہ ۲۹/۱۸۱، ۱۸۲ ح ۱۷۶۳۴) وغیرہ میں سیدنا نواس بن سمعان الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**ضرب الله مثلاً صراطًا مستقيمًا و علٰى جنبتي صراط سوران فيهما أبواب مفتحة و على الأبواب ستور مرخاة و علٰى باب الصراط داعٍ يقول: أيها الناس! ادخلوا الصراط جميعًا ولا تتعرجوا و داعٍ يدعو من فوق الصراط فإذا أراد أن يفتح شيئاً من تلك الأبواب قال: ويحك ! لا تفتحه فإنك إن تفتحه تلجه ، والصراط : الإسلام والسّوران :حدود الله والأبواب المفتحة محارم الله و ذلك الداعي علٰى رأس الصراط : كتاب الله والداعي من فوق الصراط: واعظ الله في قلب كل مسلم .**))

اللہ نے صراطِ مستقیم کی مثال بیان فرمائی، راستے کے دونوں طرف دو فصیلیں ہیں جن میں دروازے کھلے ہوئے ہیں اور ہر دروازے پر پردہ لٹکا ہوا ہے۔ ہر دروازے پر ایک پکارنے والا کہہ رہا ہے: اے لوگو! تم سارے کے سارے راستے پر داخل ہو جاؤ اور ٹیڑھے راستوں پر نہ مڑو، جب بھی کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی دروازے کا پردہ کھولنا چاہتا ہے تو راستے کے اوپر سے بلانے والا کہتا ہے: تیری خرابی ہو! اسے نہ کھول، اگر تو نے اسے کھول دیا تو اندر داخل ہو جائے گا۔ راستہ اسلام ہے فصیلیں اللہ کی حدیں ہیں اور کھلے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ راستے پر آواز دینے والا قرآن ہے اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا اللہ کا واعظ ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور شواہد کے ساتھ یہ صحیح ہے۔ اسے حاکم (۱/۷۳) نے صحیح علیٰ شرط مسلم قرار دیا ہے۔

[**۱۹۳**] **وعن ابن مسعود قال : من كان مستنًّا فليستنّ بمن قد مات فإن الحي لا تُؤمن عليه الفتنة. أولئك أصحاب محمّد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة، أبرّها قلوبًا و أعمقها علمًا وأقلها تكلفًا، اختارهم الله لصحبة نبيه و لإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتّبعوهم علٰى آثارهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم و سيرهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم .رواه رزين.**

اور (سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: جو شخص کسی کے طریقے پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اُس کے طریقے پر عمل کرے جو فوت ہو گیا ہے کیونکہ زندہ شخص کے بارے میں فتنے سے بے خوف نہیں ہو سکتے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس اُمت میں سب سے افضل، نیک ترین دلوں والے، گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف والے تھے، اللہ نے انھیں اپنے نبی کا ساتھی بنانے اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا، لہٰذا اُن کی فضیلت کا اعتراف کرو اور ان کے آثار کی اتباع کرو اور اپنی استطاعت کے مطابق، اُن کے اخلاق اور سیرتوں کو مضبوطی سے پکڑ لو، کیونکہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔

اسے رزین (؟) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: ضعیف ہے۔رزین والا حوالہ تو بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے، لیکن اس جیسی ایک روایت کو ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۹۷/۲) میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔اس میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قتادہ راوی بیان کئے گئے ہیں اور قتادہ کی ابن مسعود سے روایت منقطع (یعنی مردود) ہے۔قتادہ تک سند میں بھی نظر ہے۔اس روایت کا دوسرے صحابی سے ایک شاہد حلیۃ الاولیاء (۳۰۵/۱) میں ہے، لیکن اُس کی سند بھی ضعیف ہے۔

[**١٩٤**] وعن جابر أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنهما أتى رسول اللّٰه ﷺ بنسخةٍ من التوراة فقال: يا رسول اللّٰه !هذه نسخة من التوراة فسكت، فجعل يقرأ و وجه رسول اللّٰه ﷺ يتغير. فقال أبو بكر : ثكلتك الثواكل ! ما ترى ما بوجه رسول اللّٰه ﷺ ؟! فنظر عمرُ إلى وجه رسول اللّٰه ﷺ فقال : أعوذ باللّٰه من غضب اللّٰه و غضب رسوله، رضينا باللّٰه ربًّا وبالإسلام دينًا و بمحمّدٍ نبيًّا . فقال رسول اللّٰه ﷺ :((والذي نفس محمدٍ بيده! لو بدا لكم موسى فاتبعتموه و تركتموني لضللتم عن سواء السّبيل ولو كان حيًّا و أدرك نبوّتي لا تّبعني .)) رواه الدارمي .

اور جابر (بن عبداللہ الانصاری) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما تورات کا ایک نسخہ لے کر آئے تو کہا: یا رسول اللہ! یہ تورات کا ایک نسخہ ہے تو آپ خاموش ہوگئے، پھر وہ (عمر رضی اللہ عنہ اسے) پڑھنے لگے اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو رہا تھا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: تجھے گم کرنے والیاں گم پائیں! کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھتے؟ پھر عمر (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھا تو کہا: میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (ﷺ) کے نبی ہونے پر راضی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر تمھارے سامنے موسیٰ (علیہ السلام) ظاہر ہو جائیں، پھر تم مجھے چھوڑ کر اُن کی اتباع کرو تو سیدھے راستے سے بھٹک کر گمراہ ہو جاؤ گے اور اگر وہ (موسیٰ علیہ السلام) زندہ ہوتے اور میرا دورِ نبوت پاتے تو میری اتباع کرتے۔

اسے دارمی (۱۱۵/۱، ۱۱۶ ح ۴۴۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کی سند میں مجالد بن سعید ضعیف عندالجمہور راوی ہے۔اور یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہی ہے، حسن کے درجے تک نہیں پہنچتی۔(دیکھئے حدیث سابق: ۱۷۷)

[۱۹۵] وعنه قال قال رسول الله ﷺ:
((كلامي لا ينسخ كلامَ اللّٰه و كلامُ اللّٰه ينسخ كلامي و كلامُ اللّٰه ينسخ بعضُه بعضًا .))

اور انھی (سیدنا جابر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور اللہ کے کلام کا بعض دوسرے بعض کو منسوخ کرتا ہے۔
[(اسے دارقطنی ۱۴۵/۴ ح ۴۲۳۳) نے روایت کیا ہے۔]

تحقیق الحدیث: اس کی سند موضوع ہے۔

اس میں جبرون بن واقد متہم راوی ہے۔ حافظ ذہبی نے فرمایا: اُس نے یہ روایت حیا کی کمی کی وجہ سے بیان کی... اور یہ روایت موضوع ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۸۸ ملخصاً، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۱۱)

حافظ ابن عدی الجرجانی (متوفی ۳۶۵ھ) نے اس روایت کو ''منکر'' یعنی مردود قرار دیا ہے۔

(دیکھئے الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۶۰۲، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۴۴۳)

جبرون ثقہ نہیں تھا۔ دیکھئے دیوان الضعفاء والمتروکین للذہبی (۱۴۴/۱ ت ۷۲۲)

حافظ ابن الجوزی نے اس روایت کو واہیات (بہت کمزور روایتوں) میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے العلل المتناہیہ (۱۲۵/۱ ح ۱۹۰)

کسی ایک محدث نے بھی جبرون بن واقد کی توثیق یا تعریف نہیں کی، لہٰذا وہ متروک متہم راوی تھا۔

[۱۹۶] وعن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ:
((إن أحاديثنا ينسخ بعضها بعضًا كنسخ القرآن .))

اور (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس طرح قرآن ایک دوسرے کو منسوخ کرتا ہے، اسی طرح ہماری حدیثیں ایک دوسرے کو منسوخ کرتی ہیں۔
[(اسے دارقطنی ۱۴۵/۴ ح ۴۲۳۴) نے روایت کیا ہے۔]

تحقیق الحدیث: اس کی سند سخت ضعیف اور منکر ہے۔

اس کا ایک راوی محمد بن الحارث بن زیاد بن الربیع الحارثی البصری جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح تھا۔ امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۹ھ) نے فرمایا: ''**روى أحاديث منكرة وهو متروك الحديث**''

اُس نے منکر حدیثیں بیان کیں اور وہ متروک الحدیث تھا۔ (الجرح والتعدیل ۲۳۱/۷ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے سنن ابن ماجہ بتحقیقی (تسہیل الحاجہ: ۲۵۰۰)

روایتِ مذکورہ میں محمد بن الحارث کا استاد محمد بن عبدالرحمٰن بن البیلمانی الکوفی بہت زیادہ ضعیف اور متروک: منکر الحدیث تھا۔اس راوی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: **منکر الحدیث** (کتاب الضعفاء بتحقیقی: ۳۳۸)

امام بخاری جنھیں منکر الحدیث کہتے تو وہ اُن سے روایت لینے کے قائل نہیں تھے۔

دیکھئے التاریخ الاوسط للبخاری (۱۰۷/۲) اور لسان المیزان (۲۰/۱، دوسرا نسخہ ۳۰/۱)

حافظ ابن حبان نے ابن البیلمانی کے بارے میں فرمایا: اُس نے اپنے باپ سے دوسو احادیث کے قریب ایک نسخہ بیان کیا ہے، جس کی ساری حدیثیں موضوع ہیں، اس شخص کے ساتھ حجت پکڑنا جائز نہیں ہے... الخ (کتاب المجروحین ج۲ص۲۶۴)

عبدالرحمٰن بن البیلمانی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی تھا۔

نیز دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸۱۹) اور سنن ابی داود بتحقیقی (نیل المقصود: ۴۲۶۴)

[**۱۹۷**] وعن أبي ثعلبة الخشني قال قال رسول الله ﷺ: ((إن اللّٰـه فرض فرائض فلا تضيّعوها و حرّم حُرُماتٍ فلا تنتهِكوها وحدّ حُدودًا فلا تعتدوها و سكت عن أشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها .))

روى الأحاديث الثلاثة الدارقطني.

اور (سیدنا) ابو ثعلبہ الخشنی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک بعض چیزیں اللہ نے فرض کی ہیں، لہٰذا تم انھیں ضائع نہ کرنا اور بعض چیزیں حرام قرار دی ہیں، لہٰذا تم ان کی حرمت کو نہ توڑنا، اللہ نے کچھ حدیں مقرر کی ہیں، لہٰذا تم ان سے تجاوز نہ کرنا اور اللہ نے کچھ چیزوں سے (جان بوجھ کر) بھولے بغیر سکوت اختیار فرمایا ہے، لہٰذا تم اُن کی بحث وتحقیق میں نہ لگنا۔[اسے دارقطنی ۱۸۳/۴۔۱۸۴ ح۴۳۵۰ نے روایت کیا ہے۔]

ان تین احادیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے حاکم (المستدرک ۱۱۵/۴ ح۷۱۱۴) اور بیہقی (السنن الکبریٰ ۱۲/۱۰، ۱۳) نے بھی مکحول عن ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

امام مکحول رحمہ اللہ کی سیدنا ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت (متابعات میں) صحیح مسلم (۱۹۳۱، دارالسلام: ۴۹۸۷) میں موجود ہے لیکن صراحتاً سیدنا ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے اُن کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں۔امام مکحول کا مدلس ہونا ثابت نہیں۔دیکھئے الفتح المبین (ص ۶۵)

حافظ العلائی نے فرمایا: مکحول عمر اور شہر کے لحاظ سے (سیدنا) ابو ثعلبہ الخشنی (رضی اللہ عنہ) کے معاصر تھے، لہٰذا اس کا احتمال ہے کہ انھوں نے ابو ثعلبہ سے ملاقات کی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے اپنی عادت کے طور پر یہ روایت مرسل بیان کردی ہو۔

(جامع التحصیل ص ۲۸۵، ۲۸٦، تحفۃ التحصیل ص ۳۱۵)

امام ابومسہر کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مکحول نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کے سوا کسی صحابی سے کچھ نہیں سنا۔
دیکھئے المراسیل لابن ابی حاتم (ص ۲۱۱ وسندہ صحیح)

حافظ مزی نے کہا: اور (مکحول نے) اُن (ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ) سے کچھ بھی نہیں سنا۔ (تحفۃ الاشراف ۳۳۳/۹ قبل ح ۱۱۸۷۳)

حافظ ابن حجر نے اس روایت کے بارے میں کہا: اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ منقطع ہے۔ (المطالب العالیہ ۴۲۷/۷ ح ۲۹۵۱)

حافظ ابن عساکر نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور مکحول نے ابوثعلبہ سے نہیں سنا۔ (معجم الشیوخ ج ۲ ص ۸۵ ح ۱۲۳۲)

معلوم ہوا کہ اتصالِ سند میں شک ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

نیز دیکھئے انیس الساری (۱۶۲۱/۲ ح ۱۱۸۱)

فائدہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عہدِ جاہلیت والے لوگ بعض چیزیں کھاتے تھے اور بعض چیزوں کو گھن کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے، پھر اللہ نے اپنا نبی بھیجا اور اپنی کتاب نازل فرمائی۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیا، لہٰذا جسے اُس نے حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دیا ہے، وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں سکوت کیا ہے تو اس میں معافی (اجازت) ہے۔ الخ (سنن ابی داود: ۳۸۰۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ۱۱۵/۴، ووافقہ الذہبی)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے بارے میں شریعت میں سکوت کیا گیا ہو تو وہ مباح ہے۔

لطیفہ: ہمارے ایک دوست معصم خان غورغشتوی سے ایک شخص نے کہا: ''اگر تم بھینس کا حلال ہونا ثابت کر دو تو میں ایک لاکھ روپے انعام دوں گا۔''، معصم خان نے کہا: ''اگر تم بھینس کا حرام ہونا ثابت کر دو تو میں دو لاکھ روپے انعام دوں گا۔''
وہ شخص مبہوت ولاجواب ہو کر چُپ ہو گیا۔



كتاب العلم

الفصل الأول

[۱۹۸] عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ: ((بلّغوا عني ولو آية و حدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج ومن كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار .)) رواه البخاري .

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے (لے کر) آگے تبلیغ کرو اگر چہ ایک آیت ہی ہو اور بنی اسرائیل سے حدیثیں بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔
اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۳۴۶۱)

فقہ الحدیث:

۱: اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی انسان کے پاس قرآن مجید کی صرف ایک آیت کا ہی علم ہو تو وہ اسے دوسرے بھائیوں تک پہنچادے۔ مبلغ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دلیل سے بات کرے لیکن اس کے لئے تمام دلائل کا احاطہ ضروری نہیں ہے۔

۲: لفظ آیت کے چار معنی ہیں: قرآن مجید کی آیت، دو چیزوں کے درمیان جدائی والی خاص نشانی، بہت عجیب بات اور بڑی مصیبت۔ حدیثِ مذکور میں اول الذکر مراد ہے۔

۳: ہر انسان حسبِ استطاعت تبلیغ دین پر مامور ہے۔

۴: بنی اسرائیل کی روایات بیان کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ روایتیں اپنے قائل تک باسند صحیح ثابت ہوں اور شریعتِ محمدیہ (علی صاحبها الصلوٰة والسلام عدد النجوم فی السماء) کے خلاف نہ ہوں۔

۵: رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک کفر ہے۔

۶: ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ حسبِ ضرورت دین کا علم سیکھے، جو اس کے عقائد اور اعمال صحیح کرنے میں مؤید ہو اور اگر وہ تفصیلی علم حاصل نہ کر سکے تو اُس پر یہ لازم ہے کہ صحیح العقیدہ علمائے حق کی طرف رجوع کرے اور اُن سے کتاب وسنت اور اجماع (و آثارِ سلف صالحین) کا علم حاصل کرے۔

یاد رہے کہ عام آدمی کا علماء کے پاس جا کر مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے، ورنہ عصرِ حاضر میں ہی صرف حنفی و تقلیدی حضرات میں ہزاروں امام بن جائیں گے جن کی تقلید کی جاتی ہے (!) اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

۷: حدیث حجت ہے۔

[۱۹۹] وعن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة قالا: قال رسول الله ﷺ: ((مَن حدّث عني بحديثٍ يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين .)) رواه مسلم .

اور (سیدنا) سمرہ بن جندب اور (سیدنا) مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم(۱)

فقہ الحدیث:

۱: جھوٹ بولنا مطلقاً حرام ہے لیکن اللہ اور رسول پر جھوٹ بولنا تو کبیرہ گناہ، حرام بلکہ بعض علماء کے نزدیک کفر ہے۔

۲: بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس شدید وعید اور دلائل کے باوجود اللہ اور رسول پر جھوٹ بولتے ہیں، موضوع اور بے اصل روایات لکھتے اور بیان کرتے ہیں۔ کیا انھیں اللہ کی پکڑ کا کوئی ڈر نہیں ہے؟!

۳: جھوٹ بولنے والے راویوں کے ساتھ وہ شخص بھی برابر کا شریک ہے جو جھوٹی روایات کو لوگوں کے سامنے بغیر تنبیہ کے بیان کرتا رہتا ہے۔

اگر حدیثِ مذکور میں کاذبین سے مراد تثنیہ (دو) لیا جائے تو پھر دو شخص اس حدیث کے مخاطب ہیں: وہ جس نے جھوٹی حدیث بنائی ہے، اور وہ شخص جو یہ جھوٹی حدیث لوگوں کے سامنے بغیر تنبیہ کے بیان کرتا ہے۔

۴: اس شدید وعید سے اشارتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث وحی اور حجت ہے، جس کی حفاظت کے لئے یہ بتا دیا گیا ہے کہ جھوٹی حدیث بیان کرنے والا شخص جھوٹا ہے اور یہ شخص جہنم میں جائے گا جیسا کہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

۵: علماء پر یہ ضروری ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت اس کی تحقیق کر لیں، بلکہ علمِ اسماء الرجال اور اصولِ حدیث کو ہمیشہ مدِنظر رکھیں۔

[۲۰۰] وعن معاوية قال قال رسول الله ﷺ: ((مَن يُرِد الله به خيرًا يفقهه في الدين و إنما أنا قاسم والله يعطي .)) متفق عليه .

اور (سیدنا) معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جس کے ساتھ خیر (بھلائی) کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے دین میں تفقہ عطا فرماتا ہے اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۷۱) صحیح مسلم (۹۸/ ۱۰۳۷)

فقہ الحدیث:

۱: فقہ اصل میں فہم اور سوجھ بوجھ کو کہتے ہیں۔ اس حدیث میں تفقہ فی الدین کی بڑی فضیلت ہے۔ اس تفقہ والے یعنی فقہاء سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے:

''**وقد جزم البخاري بأن المراد بهم أهل العلم بالآثار ، وقال أحمد بن حنبل :إن لم يكونوا أهل الحديث فلا أدري من هم ...** '' (امام) بخاری نے بطورِ جزم بتایا ہے کہ ان سے مراد آثار (احادیث) جاننے والے علماء ہیں اور احمد بن حنبل نے فرمایا: اگر یہ لوگ اہلِ حدیث (محدثین) نہیں ہیں تو پھر مجھے نہیں پتا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۶۴ تحت ح ۷۱)

نیز دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۵۲)

امام بخاری کے قول کے لئے دیکھئے مسألۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب (ص ۴۷ وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل کے قول کے بارے میں دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (ص ۲ وسندہ حسن)

یہ کہنا کہ محدثین کرام فقہاء نہیں تھے، بہت بڑا جھوٹ ہے۔

امام بخاری کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: '' **و إمام الدنيا في فقه الحديث** ''

اور آپ فقۂ حدیث میں دنیا کے امام تھے۔ (تقریب التہذیب: ۵۷۲۵)

امام مسلم کے بارے میں فرمایا: ''...**عالم بالفقه**'' فقہ کے عالم (تقریب التہذیب: ۶۶۲۳)

۲: **وإنما أنا قاسم** (اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں) کی تشریح میں قسطلانی نے لکھا ہے: '' **أي أقسم بينكم تبليغ الوحي من غير تخصيص** ''، یعنی میں بغیر کسی تخصیص کے تمھارے درمیان وحی کو تقسیم کر رہا ہوں۔ (ارشاد الساری ج ۱ ص ۱۷۰)

معلوم ہوا کہ قاسم سے مراد قرآن وحدیث کا علم لوگوں میں تقسیم کرنا اور پھیلانا ہے۔

بعض لوگوں نے اس سے تقسیمِ مال (یعنی مالِ غنیمت کی لوگوں میں تقسیم) مراد لیا ہے اور یہ مفہوم بھی صحیح ہے۔

۳: یہ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبے میں بیان فرمائی، جو اس کی دلیل ہے کہ خلفائے اسلام حدیث کو حجت سمجھتے تھے اور عوام میں اُس کی علانیہ تبلیغ بھی کرتے تھے، لہٰذا منکرینِ حدیث کا صحیح حدیث سے انکار خوارج ومعتزلہ کی تقلید اور عجمی سازش ہے۔

۴: یہ تقسیم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا اور آپ کی وفات کے بعد اب تمام تفقہ آپ کی احادیثِ صحیحہ کی اتباع میں ہی ہے۔

[۲۰۱] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((الناس معادن كمعادن الذهب والفضة، خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا.)) رواه مسلم.

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ معدنیات کی طرح ہیں جس طرح سونے چاندی کی معدنیات (کانیں) ہوتی ہیں، جو لوگ جاہلیت میں بہترین تھے وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں بشرطیکہ وہ تفقہ (دین میں سوجھ بوجھ) حاصل کریں۔
اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۹۹/۲۵۲۶)

فقہ الحدیث:

۱: انسانوں میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

۲: جو شخص ناسمجھی میں اخلاص سے اسلام کی مخالفت کرتا تھا تو جب خلوصِ دل سے مسلمان ہو جاتا ہے، پھر دینِ اسلام کا دفاع بھی انتہائی خلوص اور عظیم قربانیوں کے ساتھ سرانجام دیتا ہے۔ جو لوگ جاہلیت میں اسلام کے کٹر مخالف تھے مثلاً سیدنا عکرمہ بن ابی جہل (رضی اللہ عنہ) وغیرہ، جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو اپنا مال وجان اور سب کچھ اسلام پر نچھاور کر دیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

۳: جو شخص دینِ اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت میں دل وجان سے ہر وقت مصروف رہے، یہی شخص فقیہ اور صاحبِ فضل وخیر ہے۔

۴: بہترین اور افضل کو دوسری بہترین چیزوں کے ساتھ تشبیہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ توہین وتحقیر مراد نہ ہو لیکن یاد رہے کہ تشبیہ میں ہر لحاظ سے مماثلت ضروری نہیں ہے۔

۵: افضل کو افضل کے ساتھ ہی تشبیہ دینا جائز ہے۔

۶: تمام لوگ اعمال میں برابر نہیں بلکہ مختلف ہوتے ہیں۔

۷: دین میں سوجھ بوجھ (تفقہ) حاصل کرنے کے لئے ہمہ وقت مصروف اور سرگرم رہنا چاہئے۔

۸: جس طرح سونے چاندی کو آگ کی بھٹی میں مختلف عوامل اور حالتوں سے گزارا جاتا ہے، تب کہیں جا کر خالص سونا چاندی تیار ہوتے ہیں، اسی طرح اہلِ ایمان بھی مختلف تکالیف اور مشقتوں میں صبر سے نکلنے کے بعد کندن (اعلیٰ درجے کے مومنین) بن جاتے ہیں۔

۹: اگر ایمان واسلام کی نعمت نصیب نہ ہو تو پھر موروثی برتری اور قومی وخاندانی غلبے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

[**۲۰۲**] **وعن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ((لا حسد إلا في اثنتين :رجلٌ آتاه اللّٰه مالاً فسلطه علٰى هلكته في الحق ورجل آتاه اللّٰه الحكمة فهو يقضي بها و يعلمها .)) متفق عليه .**

اور (سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد (رشک) صرف دو (آدمیوں) کے ساتھ (جائز) ہے: ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال دیا تو اس نے اُسے حق (صحیح مصرف) میں لگا دیا اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے حکمت عطا فرمائی تو وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۷۳) صحیح مسلم (۸۱۶/۲۶۸)

فقہ الحدیث:

۱: کسی شخص کی خوشحالی یا نیکی سے متاثر ہو کر اپنے لئے ویسی خواہش و تمنا کرنا غبطہ (رشک) کہلاتا ہے اور حدیثِ مذکور میں حسد سے مراد غبطہ ہے۔

۲: وہ انسان افضل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کا علم عطا فرمایا ہے اور وہ اسے تحریر، تدریس اور تقریر وغیرہ کے ذریعے سے لوگوں میں پھیلا رہا ہے۔

۳: خوش قسمت ہے وہ امیر آدمی جو خلوصِ نیت اور اتباعِ سنت سے اپنے مال و دولت کو کتاب و سنت کی دعوت پھیلانے اور غرباء و مساکین کی مدد کرنے میں صَرف کر رہا ہے۔

۴: حسد حرام اور رشک جائز ہے بشرطیکہ دوسرے شخص کی نعمت کے زوال اور خاتمے کی خواہش نہ ہو۔

۵: ہر وقت کتاب و سنت کا علم سیکھنے، اس پر عمل کرنے اور اسے لوگوں میں حسبِ استطاعت پھیلانے میں مصروف رہنا چاہئے۔

۶: اگر شرعی عذر مانع نہ ہو تو سارے مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دینا جائز ہے۔

فائدہ: سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا تو اُس وقت میرے پاس مال تھا، میں نے کہا: اگر میں ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) سے کبھی آگے بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا۔ میں اپنا آدھا مال لے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے کہا: آدھا مال گھر چھوڑ آیا ہوں۔

اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اپنا سارا مال لے آئے پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے ابوبکر! آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں اُن کے لئے اللہ اور رسول (کی محبت) کو چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پر سبقت نہیں لے سکوں گا۔ (سنن الترمذی: ۳۶۷۵، وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح" وسندہ حسن وصححہ الحاکم علیٰ شرط مسلم ۱/۴۱۴ ووافقہ الذہبی)

نیز دیکھئے سنن ابی داود (۱۶۷۸) اور اضواء المصابیح (۶۰۲۱)

اس حدیث کے جملے: ((**أبقيت لهم الله و رسوله**)) کی تشریح میں ملا علی قاری (حنفی) نے کہا: "**أي رضاهما**" یعنی اللہ اور

رسول کی رضامندی چھوڑ کر آیا ہوں۔ دیکھئے مرقاۃ المفاتیح (ج ۱۰ ص ۳۷۹ ح ۶۰۳۰)

معلوم ہوا کہ عندالضرورت اور شرعی عذر کے ساتھ سارا مال بھی اللہ کے راستے میں قربان کیا جاسکتا ہے۔

[**۲۰۳**] **وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة أشياء :صدقةٍ جارية أو علمٍ ينتفع به أو ولدٍ صالحٍ يدعو له .)) رواه مسلم .**

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان مرتا ہے تو اس کے سارے اعمال ختم ہوجاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ، علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعائیں کرے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۴/۱۶۳۱، ابوعوانہ ۳/۱۹۱ ح ۴۷۰۰ واللفظ لہ بزیادۃ ''من'' قبل ''صدقۃٍ'')

فقہ الحدیث:

۱: مرنے والے کے سارے اعمال ختم ہوجاتے ہیں لیکن اگر وہ مومن مسلمان تھا تو مذکورہ تین اعمال کا اسے مرنے کے بعد بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

۲: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مُردہ دُنیا والوں کی باتیں نہیں سنتا اور نہ کچھ دنیا میں سے دیکھتا ہے۔ یاد رہے کہ جس بات کا استثناء ثابت ہے اُس پر ایمان لانا واجب ہے، مثلاً یہ ثابت ہے کہ دفن کے بعد واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز مُردہ سُنتا ہے۔ دیکھئے اضواء المصابیح (۱۲۶)

۳: عالم اور طالب علم کو عام لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔

۴: وفات کے بعد، مرنے والے کے لئے قرآن خوانی کا اہتمام یا قُل، ساتواں اور چالیسواں وغیرہ اُسے ذرہ بھر مفید نہیں ہیں، ماسوائے درج بالا تین اعمال کے، لہٰذا اس قسم کی بدعات سے اجتناب کرنا چاہئے۔

[**۲۰٤**] **وعنه قال قال رسول الله ﷺ :((من نفّس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا، نفّس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة . ومن يسّر على معسرٍ يسّر الله عليه في الدنيا والآخرة . ومن ستر مسلمًا ستره الله في الدنيا والآخرة . والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه . ومن سلك**

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا کی مصیبتوں میں سے کسی مومن کی مصیبت دور کرے گا تو اللہ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور فرمائے گا، جو شخص کسی تنگ دست آدمی پر آسانی کرے گا تو اللہ دنیا و آخرت میں اس کے لئے آسانی فرمائے گا، اور جو کسی مسلمان (کے عیب) پر پردہ ڈالے گا تو

طريقًا يلتمس فيه علمًا سهل الله له به طريقًا إلى الجنة . وما اجتمع قوم في بيتٍ من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة و غشيتهم الرحمة و حفتهم الملائكة و ذكرهم الله فيمن عنده ومن بطأ به عمله لم يسرع به نسبه .)) رواه مسلم .

اللہ دنیا وآخرت میں اس (کے عیوب) پر پردہ ڈالے گا، اللہ (اس) بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے، اور جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے اس کے راستے پر چلے گا تو اللہ اس کا جنت کی طرف راستہ آسان کر دے گا، جو لوگ بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں اس کا درس وتدریس جاری کرتے ہیں تو اُن پر سکون نازل ہوتا ہے اور رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے اُن پر سایہ کرتے ہیں اور اللہ اپنے پاس والوں (مقرب فرشتوں) کے سامنے اُن کا ذکر کرتا ہے، اور جس کا عمل پیچھے رہ جائے تو اُس کا نسب اُسے آگے نہیں لے جائے گا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۲۶۹۹/۳۸)

فقہ الحدیث:

۱: یہ حدیث اس قدر جامع ہے کہ اگر صرف اسی پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہوا جائے تو دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

۲: اسلام ہمدردی وایثار کا درس دیتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔

۳: کسی کے عیوب کی پردہ پوشی درحقیقت اپنے ہی گناہوں کو چھپانا ہے۔

۴: طلبِ علم حصولِ جنت کا بہترین ذریعہ ہے، نیز اہلِ علم دوسروں سے افضل ہیں۔

۵: روزِ قیامت حسب ونسب نہیں بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے ہی کامیابی ملے گی۔

[**۲۰۵**] وعنه قال قال رسول الله ﷺ :((إن أوّل الناس يقضى عليه يوم القيامة رجل استشهد فأتي به فعرّفه نعمته فعرفها فقال :ما عملت فيها ؟ قال :قاتلت فيك حتى استشهدت قال :كذبتَ ولكنك قاتلتَ لأن يقال :جريء، فقد قيل ثم أمر به فسحب على وجهه حتى ألقي في النار. و رجل

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے جس آدمی کا فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا، اسے لایا جائے گا، پھر (اللہ) اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا تو وہ انھیں پہچان لے گا، پھر اللہ فرمائے گا؛ تو نے ان میں کیا عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے لئے جنگ کی حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ اللہ فرمائے

تعلّم العلم وعلّمه وقرأ القرآن فأتي به فعرّفه نعمه فعرفها قال :فما عملت فيها ؟ قال :تعلّمت العلم و علّمته و قرأت فيك القرآن . قال: كذبت و لكنّك تعلّمت العلم ليقال: إنك عالم، و قرأت القرآن ليقال :هو قارئ، فقد قيل ثم أمر به فسحب علٰى وجهه حتى ألقي في النار. ورجل وسع اللّٰه عليه وأعطاه من أصناف المال كله فأتي به فعرّفه نعمه فعرفها قال :فما عملت فيها ؟ قال : ما تركت من سبيلٍ تحب أن ينفق فيها إلا أنفقت فيها لك، قال :كذبتَ ولكنك فعلت ليقال :هو جواد فقد قيل، ثم أمر به فسحب علٰى وجهه ثم ألقي في النار .)) رواه مسلم .

گا: تو نے جھوٹ کہا، لیکن تم تو اس لئے لڑے تھے کہ لوگ تجھے بہادر کہیں پس ایسا کہہ دیا گیا۔ پھر حکم ہوگا تو اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

اور (دوسرا) آدمی جس نے علم سیکھا اور سکھایا تھا اور قرآن پڑھا تھا، اسے لایا جائے گا، پھر وہ (اللہ تعالیٰ) اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا تو وہ انھیں پہچان لے گا، پھر وہ (اللہ) فرمائے گا: تو نے ان کے بدلے میں کیا عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا: میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیرے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، تو نے تو اس لئے علم سیکھا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور اس لئے قرآن پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے اور یہ کہہ دیا گیا ہے۔ پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینکا جائے گا۔

اور (تیسرا) آدمی جسے اللہ نے وسیع مال و دولت عطا کیا تھا لایا جائے گا پھر اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا تو وہ انھیں پہچان (اور تسلیم کر) لے گا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے ان میں کیا عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا: میں نے ایسا کوئی راستہ نہیں چھوڑا جسے تو پسند کرتا ہے مگر اس میں مال خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، لیکن تو نے یہ کام اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں اور یہ کہہ دیا گیا۔ پھر حکم ہوگا تو اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر (جہنم) کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۹۰۵/۱۵۲)

فقہ الحدیث:

۱: ریا (دکھاوا) ایسا بڑا گناہ ہے جو تمام نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے، لہٰذا ہر شخص کو اس سے بچنا چاہئے، چاہے عالم ہو یا مجاہد و سخی، ورنہ ہر عبادت اور ہر عمل رائیگاں و باطل ہو جائے گا۔

مولانا محمد سلیمان کیلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''عمل خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو جب تک اس میں نیت کا اخلاص نہ ہو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ مقبول نہیں ہوتا، نمود و نمائش سے عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک آدمی اگر زید کے گھر جا کر اس کا کوئی کام کرے تو اجرت بھی اس سے اسے لینی چاہئے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کام تو زید کا کرے اور اجرت عمرو سے مانگے۔ اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کام کیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مزدوری کا حقدار ہے اور جس نے کام تو کیا ہو دنیا کو خوش کرنے کے لئے اور آفرین حاصل کرنے کے لیے لیکن ثواب کی توقع اللہ تعالیٰ سے رکھے تو یہ بالکل باطل ہے...'' (حواشی مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۵، ۲۴۶ ح ۱۹۶)

۲: اعمالِ صالحہ کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ضروری ہیں:

اول: صرف اللہ کی رضا مندی کے لئے پورے خلوص کے ساتھ عمل کیا جائے۔

دوم: کتاب وسنت کے مطابق عمل ہو اور ہر قسم کی بدعات سے بچا جائے۔

۳: بعض روایتوں میں آیا ہے کہ لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (یعنی قتل) کے مقدمات کا فیصلہ ہوگا۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۶۵۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۸)

ان روایات کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ ریا اور دکھاوے والوں میں سب سے پہلے مقتول، عالم اور سخی مالدار کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، مظالم میں سب سے پہلے قتل کے فیصلے ہوں گے اور عبادات میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ واللہ اعلم

[**۲۰۶**] وعن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ : ((إن الله لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يُبقِ عالمًا اتخذ الناس رؤوسًا جهالاً ، فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلّوا و أضلّوا .)) متفق عليه .

اور سیدنا عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ علم کو لوگوں سے کلیتًا (سارے کا سارا) اٹھا نہیں لے گا بلکہ وہ علم کو علماء کی ارواح قبض کرنے کے ساتھ اٹھائے گا حتی کہ وہ جب کسی عالم کو نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا بڑا بنا لیں گے پھر اُن (جاہلوں) سے مسئلے پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے (اپنی رائے سے) فتویٰ دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۳۴) صحیح مسلم (۲۶۷۳/۱۳)

فقہ الحدیث:

۱: قرآن وحدیث کے مقابلے میں رائے سے فتویٰ دینا حرام ہے۔

۲: کتاب وسنت کا وجود قیامت تک رہے گا لیکن علمائے حق میں عام طور پر کمی آتی رہے گی۔
۳: صحیح بخاری کی ایک روایت میں '' فیفتون برأیھم '' [پس وہ اپنی رائے سے فتوے دیں گے] کے الفاظ آتے ہیں۔
(کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ح ۷۳۰۷)

یعنی وہ لوگ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں رائے سے فتویٰ دینا حرام ہے اور قیامت سے پہلے ایسے لوگ ہوں گے جو اپنی رائے سے قرآن وحدیث کے خلاف فتوے دیتے رہیں گے۔
۴: تقلید شخصی بدعت ہے اور کتاب وسنت کے مقابلے میں تقلید کرنا حرام ہے۔
۵: گمراہوں سے بچنا ضروری ہے ورنہ آخرت برباد ہو جائے گی۔

[**۲۰۷**] وعن شقيق :كان عبدالله بن مسعود يذكّر الناس في كل خميس. فقال له رجل :يا أبا عبدالرحمٰن ! لوددتُ أنك ذكرتنا في كل يوم . قال : أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملّكم وأني أتخولكم بالموعظة كما كان رسول الله ﷺ يتخولنا بها مخافة السآمة علينا . متفق عليه.

اور شقیق (بن سلمہ، ابو وائل رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) لوگوں کو جمعرات کے دن وعظ ونصیحت کرتے تھے، پھر انھیں ایک آدمی نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن ! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ و نصیحت کرتے، انھوں نے فرمایا: مجھے اس سے یہ بات روکتی ہے کہ میں تمھیں اکتاہٹ میں مبتلا کرنا ناپسند کرتا ہوں اور میں تمھیں کبھی کبھار وعظ ونصیحت اسی طرح کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمیں کبھی کبھار وعظ ونصیحت کرتے تھے، اس خوف کی وجہ سے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔ متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۷۰) صحیح مسلم (۲۸۲۱/۸۲)

فقہ الحدیث:

۱: وعظ ونصیحت کی طوالت اور اختصار میں موقع محل اور عام سامعین کا خیال رکھنا مسنون ہے۔
۲: دعوتی تقاریر اور تبلیغ کے لئے کوئی دن مخصوص کر لینا جائز ہے۔
۳: رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔
۴: جو لوگ ساری ساری رات یا رات کے بہت زیادہ حصے میں دھواں دھار تقریریں کرتے رہتے ہیں اور پھر صبح کی نماز سے غافل ہو کر سو جاتے ہیں، اُن کا یہ عمل غلط اور قابلِ مذمت ہے۔
۵: سائل کے سوال کا جواب دلیل سے دینا چاہئے۔

۶: اگر کوئی پوچھے کہ حدیثِ مذکور میں سائل سے مراد کون ہیں؟ تو عرض ہے کہ ان سے مراد مشہور زاہد و عابد یزید بن معاویہ النخعی رحمہ اللہ ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری (۱/۱۶۴ ح ۷۰)

یاد رہے کہ یہ مشہور یزید بن معاویہ الاموی کے علاوہ دوسرے شخص تھے، ان کی روایتیں کتاب الزہد للامام احمد وغیرہ (اور ان کا ذکر صحیح بخاری میں جیسا کہ تقریب التہذیب: ۷۷۶ میں ہے) میں موجود ہیں اور قاضی ابوبکر بن العربی المالکی کو اپنی کتاب ''العواصم من القواصم'' (ص ۲۳۲۔۲۳۳) میں عجیب غلطی لگی تھی۔

وہ یزید بن معاویہ النخعی کو یزید بن معاویہ الاموی سمجھ بیٹھے، حالانکہ ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے۔ (دیکھئے کتاب الزہد للامام احمد ص ۳۶۷ ح ۲۱۵۰)

قاضی ابوبکر نے کتاب الزہد کی طرف جو روایت منسوب کی ہے وہ اصل کتاب میں نہیں ملی اور نہ دنیا کی کسی کتاب میں امام احمد کی سند سے ملی ہے۔

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا درج ذیل قول علامہ ابن الجوزی نے نقل کیا ہے:

'' **فأنبأنا أبو بكر محمد بن عبدالباقي البزاز عن أبي إسحاق البرمكي عن أبي بكر عبدالعزيز بن جعفر قال : ثنا مهنا بن يحي قال: سألت أحمد عن يزيد بن معاوية فقال: هو الذي فعل بالمدينة ما فعل . قلت: و ما فعل؟ قال: نهبها ، قلت: فنذكر عنه الحديث؟ قال: لا يذكر عنه الحديث ولا ينبغي لأحد أن يكتب عنه حديثًا . قلت : ومن كان معه حين فعل ما فعل ؟ قال: أهل الشام** '' مہنا بن یحییٰ سے روایت ہے کہ میں نے احمد (بن حنبل) سے یزید بن معاویہ (الاموی) کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: وہ وہی ہے جس نے مدینے والوں کے ساتھ وہ کرتُوت کئے جو اس نے کئے، میں نے کہا: اس نے کیا کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: اُس نے مدینے کو لُوٹا تھا۔ میں نے کہا: کیا ہم اُس سے حدیث بیان کر سکتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، اس سے حدیث بیان نہیں کرنی چاہئے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اُس سے ایک حدیث بھی لکھے۔ میں نے کہا: جب اس نے وہ حرکتیں کی تھیں تو لوگوں میں سے کون اُس کے ساتھ تھا؟ انھوں نے فرمایا: اہلِ شام اس کے ساتھ تھے۔ (الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید لابن الجوزی ص ۴۰ وسندہ حسن)

اس روایت کی سند حسن ہے۔ محمد بن عبدالباقی بن محمد بن عبداللہ الانصاری قاضی مرستان جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے۔ نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۲۰/۲۳۔۲۸)

انھیں ابن الجوزی نے (ثقہ) ثبت حجۃ قرار دیا۔ دیکھئے المنتظم (۱۸/۱۴، وفیات ۵۳۵ھ) اور سیر اعلام النبلاء (۲۰/۲۶)

ابواسحاق البرمکی صدوق تھے۔ (تاریخ بغداد ۶/۱۳۹)

محمد بن عبدالباقی کی اُن سے روایت بطریقۂ سماع نہیں بلکہ بطریقۂ اجازت ہے جو کہ جمہور محدثین کے اصول سے مقبول ہے۔

عبدالعزیز بن جعفر روایت میں ثقہ تھے۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۴۴)

مھنا بن یحییٰ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے۔

تنبیہ: امام احمد کا یہ قول السنۃ للخلال (فقرہ: ۸۴۵ وسندہ صحیح) میں بھی صحیح سند سے موجود ہے۔

[**۲۰۸**] وعن أنسٍ قال : كان النبي ﷺ إذا تكلم بكلمةٍ أعادها ثلاثًا حتى تفهم عنه و إذا أتى على قومٍ فسلّم عليهم سلّم عليهم ثلاثًا . رواه البخاري.

اور (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کوئی (اہم) بات کرتے تو تین دفعہ دہراتے تاکہ لوگ سمجھ لیں، اور جب آپ کسی قوم کے پاس جاتے تو (اجازت لینے کے لئے) انھیں تین دفعہ سلام کہتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۹۵)

فقہ الحدیث:

۱: تقریر، تبلیغ اور نصیحت وغیرہ کے دوران میں اہم بات دو تین دفعہ دہرانی چاہئے تاکہ مخاطب اسے سمجھ کر یاد کر لے۔

۲: تین دفعہ سلام کہنے سے مراد کسی گھر یا جگہ میں داخل ہونے کے لئے سلام کہنا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری کی کتاب الاستئذان میں تبویب سے ظاہر ہے اور علمائے کرام نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

۳: منصب کے لحاظ سے کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو، دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔

[**۲۰۹**] وعن أبي مسعود الأنصاري قال جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال : إنه أبدع بي فاحملني. فقال : ((ما عندي .)) فقال رجل : يا رسول الله! أنا أدله على من يحمله . فقال رسول الله ﷺ : ((من دل على خيرٍ فله مثله أجر فاعله .)) رواه مسلم .

اور (سیدنا) ابومسعود الانصاری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آ کر کہا: میری سواری ضائع ہو گئی ہے آپ مجھے سواری عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس سواری نہیں ہے۔ پھر ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں اسے اُس کی طرف راہنمائی کرتا ہوں جو اسے سوار کر لے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص خیر (کسی اچھی بات) کی طرف راہنمائی کرتا ہے تو اسے اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا اس خیر پر کام کرنے والے کو ملتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۱۸۹۳/۱۳۳)

فقہ الحدیث:

۱: نیکی کی طرف دعوت دینے والے کی بات پر جو لوگ عمل کریں گے تو اُن کے ساتھ ساتھ دعوت دینے والے کو بھی ثواب ملے گا۔

۲: خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا بہت اچھا اور اجر وثواب والا کام ہے۔
۳: ایک دوسرے سے ماتحت الاسباب تعاون مانگنا جائز ہے۔
۴: مشکل کشا صرف ایک اللہ ہے، جس کے پاس بے حد وانتہا خزانے ہی خزانے ہیں۔

[۲۱۰] وعن جرير قال :كنا في صدر النهار عند رسول الله ﷺ فجاء ه قوم عراة مجتابي النمار أو العباء متقلدي السيوف عامتهم من مضر بل كلهم من مضر فتمعر وجه رسول الله ﷺ لما رأى بهم من الفاقة فدخل ثم خرج فأمر بلالاً فأذن وأقام فصلى ثم خطب فقال : ﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ واحِدَةٍ ﴾ إلى آخر الآية: ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ والآية التي في الحشر :﴿ اتَّقُوْا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ تصدق رجل من ديناره، من درهمه، من ثوبه، من صاع بره، من صاع تمره حتى قال : ((ولو بشق تمرة .)) قال :فجاء رجل من الأنصار بصرةٍ كادت كفه تعجز عنها بل قد عجزت ثم تتابع الناس حتى رأيت كومين من طعام و ثياب .حتى رأيت وجه رسول الله ﷺ يتهلل كأنه مذهبة فقال رسول الله ﷺ : ((من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجورهم شئ ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء .))
رواه مسلم .

اور (سیدنا) جریر (بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم پہلے پہر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، اتنے میں ایک قوم آئی جو ننگے بدنوں پر سفید و سیاہ دھاری دار کمبل نما چادریں یا عبائیں پہنے ہوئے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ اُن میں سے عام بلکہ سارے مضر (قبیلے) میں سے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے اُن کی فاقے والی حالت دیکھی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ گھر میں داخل ہوئے، پھر باہر تشریف لائے تو بلال کو حکم دیا کہ اذان واقامت کہیں، پھر آپ نے نماز پڑھائی تو خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اُس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں کے ذریعے سے بہت سے مرد و عورتیں پیدا کر کے (زمین میں) پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو! جس کے ذریعے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داروں کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (النساء:۱)
آپ نے آخر تک آیت تلاوت فرمائی۔ اور (پھر) سورۃ الحشر کی آیت پڑھی۔
(اے ایمان والو!) اللہ سے ڈرو اور ہر آدمی کو کل کی فکر کرنی چاہئے اور اللہ سے ڈرو! بے شک تم جو کرتے ہو اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔ (الحشر:۱۸)
لوگوں میں سے کوئی آدمی اپنے دینار میں سے صدقہ کرنے لگا اور کوئی درہم، کپڑے، گندم اور کھجور کے صاع (تقریباً ڈھائی

کلو کا ایک برتن) میں سے،حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو! پھر ایک انصاری ایک (بھاری) تھیلی کے ساتھ آئے کہ اُن کا ہاتھ اُسے اٹھانے سے عاجز تھا، پھر لوگ (مال و اسباب لے کر) آنے لگے یہاں تک کہ میں نے کھانے (غلے) اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ (خوشی سے)سونے کی طرح چمک رہا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص اسلام میں اچھی سنت کو جاری کرے گا تو اُسے اس کا اجر ملے گا اور جو لوگ اس کے بعد اس پرعمل کریں گے اُن کا اجر بھی اُسے ملے گا، لیکن اُن کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔اور جو شخص اسلام میں غلط طریقہ رائج کرے گا تو اُسے اس کا گناہ ملے گا اور جو لوگ بعد میں اس طریقے پرعمل کریں گے، اُن کے گناہوں کا بوجھ بھی اُسی پر ہو گا، لیکن ان لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم(۶۹/ ۱۰۱۷)

فقہ الحدیث:

ا: اس حدیث میں سنت جاری کرنے سے مراد وہ طریقہ ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو، لیکن یاد رہے کہ اس سے مراد بدعت کا ایجاد کرنا نہیں ہے۔

۲: جو کام سنت سے ثابت ہے اُس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا بڑے ثواب کا کام ہے۔

۳: رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

۴: اگر شدید ضرورت ہوتو لوگوں کے سامنے تعاون کی اپیل کرنا جائز ہے۔

۵: اگر اسلحہ موجود ہوتو ہر وقت مسلح رہنا مسنون ہے۔۶: مشکل کشا صرف ایک اللہ ہے۔

۷: خطبے میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے آیات کی تلاوت کرنا سنت ہے۔

۸: کسی پریشان حال مسلمان کو دیکھ کر مضطرب ہونا اور اس کی راحت میں خوشی محسوس کرنا عین ایمان ہے۔

[۲۱۱] وعن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((لا تقتل نفس ظلمًا إلا كان على ابن آدم الأول كفل من دمها لأنه أول من سن القتل .)) متفق عليه .

وسنذكر حديث معاوية :((لا يزال من أمتي)) في باب ثواب هذه الأمة إن شاء اللّٰه تعالى .

اور (سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی مظلوم انسان مارا جاتا ہے تو آدم (علیہ السلام) کے پہلے بیٹے کو اس (قتل) کا گناہ ملتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ جاری کیا۔ متفق علیہ

ہم (سیدنا) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی (بیان کردہ) حدیث: ((لا تزال من أمتي)) ثواب هذه الامة (٦٢٧٦) کے باب میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تخریج: صحیح بخاری (۳۳۳۵) صحیح مسلم (۲۷/ ۱۶۷۷)

فقہ الحدیث:

۱: جس شخص نے بُرائی اور گناہ کا طریقہ ایجاد کر کے لوگوں میں رائج کیا تو اس پر عمل کرنے والوں کے گناہوں کا وبال بھی اُسی پر ہوگا۔

۲: کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔
نام کی تصریح کے بغیر ان دو بھائیوں کا قصہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ دیکھئے المائدہ: ۲۷۔۳۱



الفصل الثاني

[۲۱۲] عن كثير بن قيس قال : كنتُ جالسًا مع أبي الدرداء في مسجد دمشق فجاء رجل فقال : يا أبا الدرداء ! إني جئتك من مدينة الرسول ﷺ، ما جئتُ لحاجة . قال : فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((من سلك طريقًا يطلب فيه علمًا سلك الله به طريقًا من طرق الجنة و إنّ الملائكة لتضع أجنحتها رضًى لطالب العلم و إنّ العالم يستغفر له من في السموات و من في الأرض والحيتان في جوف الماء و إن فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب و إنّ العلماء ورثة الأنبياء و إنّ الأنبياء لم يورّثوا دينارًا ولا درهمًا و إنما ورثوا العلم فمن أخذه أخذ بحظ وافر .)) رواه أحمد والترمذي وأبو داود و ابن ماجه والدارمي وسماه الترمذي قيس بن كثير .

کثیر بن قیس (یا قیس بن کثیر/ایک ضعیف راوی) سے روایت ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) کے پاس بیٹھا ہوا تھا پھر ایک آدمی نے آکر کہا: اے ابودرداء! میں آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے شہر (مدینے) سے آیا ہوں اور کسی (دُنیاوی) ضرورت کے لئے نہیں آیا، انھوں (سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا: جو شخص علم کی طلب کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اُسے جنت والے راستے پر چلا دیتا ہے، اور فرشتے اپنے پر طالب علم کی رضامندی کے لئے بچھا دیتے ہیں، عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اور پانی میں مچھلیاں دعائے استغفار کرتی ہیں، عابد پر عالم کی فضیلت اس طرح ہے، جیسے تمام ستاروں پر چودھویں کے چاند کو فضیلت حاصل ہے۔ بے شک انبیاء کے وارث علماء ہیں، انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں بلکہ اُن کی وراثت تو علم ہے، جس نے اسے حاصل کرلیا تو اسے بہت بڑا حصہ مل گیا۔

اسے احمد (۱۹۶/۵ ح۲۲۰۵۸) ترمذی (۲۶۸۲ وقال: ''وليس إسناده عندي بمتصل'' أي سند الترمذي لأنه سقط منه داود بن جميل) ابوداود (۳۶۴۱) ابن ماجہ (۲۲۳) اور دارمی (۹۹/۱ ح۳۴۹) نے روایت کیا اور ترمذی نے (کثیر بن قیس کے بجائے) قیس بن کثیر کہا۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

روایتِ مذکورہ میں دوراوی ضعیف ہیں:

۱: کثیر بن قیس یا قیس بن کثیر ۔ (تقریب التھذیب:۵۶۲۴ وقال:ضعیف)

۲: داود بن جمیل ۔ (تقریب التھذیب:۱۷۷۸، وقال:ضعیف)

سنن ابی داود (۳۶۴۲) میں اس کی دوسری سند بھی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ اس میں شبیب بن شیبہ مجہول ہے۔ دیکھئے تقریب التھذیب (۲۷۴۱)

یا اُس سے مراد شعیب بن رزیق ہیں، جو کہ قولِ راجح میں حسن الحدیث راوی تھے۔ دیکھئے تحریر تقریب التھذیب (۲/۱۱۷ ت ۲۸۰۱)

اگر شبیب بن شیبہ سے شعیب بن رزیق ابوشیبہ مراد لیا جائے تو پھر دو باتیں اہم ہیں:

۱: ولید بن مسلم رحمہ اللہ مدلس تھے۔

امام ابومسہر (عبدالاعلیٰ بن مسہر الغسانی/متوفی ۲۱۸ھ) رحمہ اللہ نے کہا:

''**كان الوليد يأخذ من ابن أبي السفر حديث الأوزاعي و كان ابن أبي السفر كذّاب[!] وهو يقول فيها: قال الأوزاعي**'' ولید (بن مسلم) ابن ابی السفر سے اوزاعی کی حدیث لیتے اور ابن ابی السفر (لعلہ یوسف بن السفر: کاتب الاوزاعی) کذاب تھا، اور وہ (ولید بن مسلم) کہتے: اوزاعی نے کہا۔ (تاریخ دمشق ۲۱۲/۶۶ وسندہ صحیح)

اس قول کی سند صحیح ہے اور راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

① ابوالقاسم بن السمر قندی شیخ ابن عساکر ثقہ تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۲۰/۲۸۔۳۱)

② ابوالفضل بن البقال ثقہ تھے۔ دیکھئے المنتظم (۲۰۳/۱۶۔۲۰۴ ت ۳۴۹۵ وفیات ۴۷۱ھ)

③ ابوالحسین بن بشران صدوق تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۳۱۲/۱۷)

④ عثمان بن احمد عرف ابن السماک ابوعمر والدقاق ثقہ وصدوق تھے۔

دیکھئے لسان المیزان (۱۳۱/۴۔۱۳۲، دوسرا نسخہ ۵۸۸/۴۔۵۹۰)

⑤ حنبل بن اسحاق ثقہ تھے۔

ہمارے عربی دوست اور الشیخ الصالح ابو جابر عبداللہ بن محمد بن عثمان الانصاری المدنی حفظہ اللہ نے تین جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے: ''**القول النفيس في براءة الوليد بن مسلم من التدليس**''

اس کتاب میں حنبل بن اسحاق کے بارے میں ابوجابر الانصاری المدنی حفظہ اللہ نے سیوطی سے نقل کیا: ''....**له تاريخ حسن وغيره و له عن أحمد سؤالات يأتي فيها بغرائب ويخالف رفاقه ...**'' اس کی تاریخ اچھی ہے، وغیرہ، اور اس نے احمد بن حنبل سے سوالات کئے جن میں وہ غرائب لاتا تھا اور اپنے رفقاء کی مخالفت کرتا تھا.... (بحوالہ طبقات الحفاظ ص ۲۷۲ ت ۶۱۱)

اور حافظ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء (۵۲/۱۳) سے نقل کیا: ''..... **له مسائل كثيرة عن أحمد و يتفرد و يغرب ....**''

اس نے احمد سے بہت سے مسائل بیان کئے، وہ (بعض میں) منفرد رہتا ہے اور غرائب بیان کرتا ہے۔ (القول النفیس ج ۳ ص ۱۲۴)

عرض ہے کہ یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔
حنبل بن اسحاق کے بارے میں خطیب بغدادی نے کہا: '' **و كان ثقة ثبتاً** ''
دارقطنی نے کہا: '' **و كان صدوقاً** '' وہ سچا تھا۔ (تاریخ بغداد ۲۸۷/۸ ت ۴۳۸۶ وسندہ صحیح)
ابن الجوزی نے کہا: '' **و كان ثقة ثبتاً صدوقاً** '' (المنتظم ۲۵۶/۱۲ ت ۱۷۹۰، وفیات ۲۷۳ھ)
خود حافظ ذہبی نے کہا: '' **الحافظ الثقة** '' (تذکرۃ الحفاظ ۶۰۰/۲ ت ۶۲۴)
اور کہا: '' **الإمام الحافظ المحدّث الصدوق المصنف** '' (سیر اعلام النبلاء ۵۱/۱۳)
خود سیوطی نے کہا: '' **الحافظ الثقة** '' (طبقات الحفاظ ص ۲۷۲ ت ۶۱۱)

جمہور کی اس زبردست توثیق کے مقابلے میں غرائب اور افراد بیان کرنے والی جرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۶ حنبل بن اسحاق کے استاذ امام یحییٰ بن معین بہت بڑے ثقہ امام بلکہ فوق الثقہ تھے۔

خلاصہ یہ کہ ابومسہر کے قول کی سند صحیح ہے اور اس سے ولید بن مسلم کا مدلس ہونا ثابت ہے۔

امام دارقطنی نے ولید بن مسلم کے بارے میں کہا: '' **الوليد بن مسلم يرسل، يروي عن الأوزاعي أحاديث الأوزاعي عن شيوخ ضعفاء عن شيوخ قد أدركهم الأوزاعي مثل :نافع و عطاء و الزهري فيسقط أسماء الضعفاء ويجعلها عن الأوزاعي عن عطاء يعنى مثل عبد الله ابن عامر الأسلمي و إسماعيل بن مسلم** ''
ولید بن مسلم مرسل روایتیں بیان کرتے تھے، وہ اوزاعی سے اُن کی حدیثیں بیان کرتے جو انھوں نے ضعیف استادوں سے بیان کی تھیں، انھوں نے اُن استادوں سے بیان کی تھیں جنھیں اوزاعی نے پایا یعنی دیکھا تھا۔ مثلاً نافع، عطاء اور زہری پھر وہ ضعیف راویوں کے نام گرا دیتے اور ان روایتوں کو عن اوزاعی عن عطاء بیان کر دیتے، یعنی عبداللہ بن عامر الاسلمی اور اسماعیل بن مسلم جیسے (ضعیف راویوں کو وہ سند سے گراتے تھے۔) (کتاب: الضعفاء والمتروکون: ۶۳۱)

امام دارقطنی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ولید بن مسلم تدلیسِ تسویہ کرتے تھے۔

ولید بن مسلم کو حافظ ابن حجر، العلائی، ابوزرعہ ابن العراقی، ذہبی، حلبی، مقدسی، اور سیوطی وغیرہم نے مدلس قرار دیا ہے۔
دیکھئے الفتح المبین (ص ۷۳)
اور ان کا کوئی مخالف مجھے معلوم نہیں ہے لہٰذا تدلیسِ ولید پر اجماع ہے۔

شعیب بن رزیق والی روایت (تحفۃ الاشراف ۲۲۷/۸) میں اُن (ولید بن مسلم) کے سماع کی تصریح موجود نہیں۔

۲: شعیب بن رزیق سے ولید بن مسلم والی روایت کی مکمل سند اور مکمل متن نامعلوم ہے۔

سنن ابن ماجہ (۲۳۹) وغیرہ میں اس حدیث کے ضعیف شواہد بھی ہیں، جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی رہتی ہے، اگرچہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: '' **لكن له شواهد يتقوى بها** '' لیکن اس کے شواہد ہیں جس سے یہ قوی ہو جاتی ہے۔
(فتح الباری ۱۶۰/۱، قبل ح ۶۸) !

فائدہ: صحیح مسلم میں آیا ہے: ''اور جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے اس کے راستے پر چلے گا تو اللہ اس کا جنت کی طرف راستہ آسان کر دے گا...'' (ح ۲۶۹۹، اضواء المصابیح: ۲۰۴، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۳)

اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ انبیاء کی (مال و دولت والی) وراثت نہیں ہوتی، بلکہ وہ جو بھی چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۳۰۹۴) و صحیح مسلم (۱۷۵۷)

امام جعفر الصادق رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بے شک انبیاء کے وارث علماء ہیں، بے شک نبیوں کی وراثت درہم و دینار نہیں ہوتی لیکن وہ علم کی وراثت چھوڑتے ہیں، جس نے اسے لیا تو اس نے بڑا حصہ لے لیا۔

(الاصول من الکافی للکلینی ج ۱ ص ۳۴، باب ثواب العالم والمتعلم ح ۱، وسندہ صحیح عند الشیعۃ، موطأ امام مالک روایۃ ابن القاسم بتحقیقی ص ۱۱۵ ح ۴۴)

سیدنا صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (مجھے پتا چلا ہے کہ) بے شک طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پَر بچھاتے ہیں، اس کے طلبِ علم کی رضامندی کے لئے۔ (سنن الترمذی: ۳۵۳۵، ۳۵۳۶ وقال: ''حسن صحیح'' وھو حدیث حسن)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت ہے، جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ (رحمت برساتا ہے اور) اُس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سُوراخ (بل) میں اور مچھلی (سمندر، پانی میں) بھی لوگوں کو خیر سکھانے والے استاد کے لئے دعائیں کرتی ہے۔

دیکھئے آنے والی حدیث: ۲۱۳

[**۲۱۳**] وعن أبي أمامة الباهلي قال: ذكر لرسول الله ﷺ رجلان: أحدهما عابد والآخر عالم فقال رسول الله ﷺ: ((فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم.)) ثم قال رسول الله ﷺ: ((إنّ الله وملائكته و أهل السماوات والأرض حتى النملة في جحرها و حتى الحوت ليصلّون على معلّم الناس الخير.))
رواه الترمذي.

(سیدنا) ابوامامہ الباہلی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا: ایک عابد اور دوسرا عالم، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت ہے، جس طرح میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ (رحمت برساتا ہے اور) اُس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سُوراخ (بل) میں اور مچھلی (سمندر، پانی میں) بھی لوگوں کو خیر سکھانے والے استاد کے لئے دعائیں کرتی ہے۔ اسے ترمذی (۲۶۸۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا: ''حسن غریب صحیح''

ولید بن جمیل جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث راوی تھے۔ دیکھئے میری کتاب: تسہیل الحاجہ (۳۷۲۵)

فقه الحديث:

۱: بچوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دینا اور مدارس کے انتظام وانصرام میں حصہ لینا کارِخیر ہے۔

۲: صحیح العقیدہ باعمل عالم کو عابد پر ہمیشہ فضیلت حاصل ہے۔

۳: مخلوقاتِ غیر ناطقہ کا استغفار کرنا اُمورِ غیب میں سے ہے، جس پر ثبوت کے بعد ایمان لانا ضروری ہے اور اس کی کیفیت سے ہم بے خبر ہیں۔

۴: قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**عالم عامل معلّم يدعى كبيرًا في ملكوت السموات**'' عالم عامل معلّم آسمانوں کی بادشاہی میں بڑا کہلاتا ہے۔ (سنن الترمذی: ۲۶۸۵ وسندہ صحیح)

[**٢١٤**] **ورواه الدارمي عن مكحول مرسلاً ولم يذكر: رجلان وقال: ((فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم. ثم تلا هذه الآية: ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾))**
و سرد الحديث إلى آخره.

اور اسے دارمی (۱/۸۸ ح ۲۹۵) نے مکحول (تابعی رحمہ اللہ) سے مرسلاً (یعنی منقطع) روایت کیا اور دو آدمیوں کا ذکر نہیں کیا اور فرمایا: عالم کی عابد پر اس طرح فضیلت ہے، جس طرح مجھے تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔ پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ اللہ سے اُس کے بندوں میں سے صرف علماء ڈرتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸) اور آخر تک حدیث بیان کی۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز دیکھئے حدیث سابق: ۲۱۳

[**٢١٥**] **وعن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله ﷺ: ((إن الناس لكم تبع و إن رجالاً يأتونكم من أقطار الأرض يتفقهون في الدين فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيرًا.)) رواه الترمذي.**

اور (سیدنا) ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ تمھارے تابع (یعنی پیچھے چلنے والے) ہیں اور دین میں تفقہ کے لئے لوگ تمھارے پاس زمین کے اطراف سے آئیں گے، پس وہ جب تمھارے پاس آئیں تو انھیں خیر کی وصیت کرنا۔

اسے ترمذی (۲۶۵۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند سخت ضعیف (بلکہ موضوع) ہے۔

اس روایت کا راوی ابو ہارون عمارہ بن جوین العبدی سخت ضعیف و مجروح تھا۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اُس کے بارے میں فرمایا: ''**كانت عنده صحيفة ، يقول : هذه (صحيفة) الوصي . و كان عندهم لا يصدق في حديثه .** ''اس کے پاس ایک صحیفہ تھا، وہ کہتا تھا: یہ وصی کا صحیفہ ہے۔ اور وہ اُن (محدثین) کے نزدیک اپنی حدیث میں سچا نہیں تھا۔ (تاریخ ابن معین، روایت عباس الدوری: ۳۶۲۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳۶۴/۶ وسندہ صحیح، والزیادۃ منہ)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی گواہی سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱: ابو ہارون العبدی کذاب (جھوٹا) تھا۔

۲: ابو ہارون العبدی کٹر شیعہ (رافضی) تھا۔ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصی سمجھتا تھا یعنی اُس کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کر دی تھی، حالانکہ یہ عقیدہ بالکل باطل اور مردود ہے۔

امام ابن معین نے مزید فرمایا: ''**أبو هارون العبدي غير ثقة ، يكذب واسمه عمارة بن جوين** '' ابو ہارون العبدی غیر ثقہ (تھا) جھوٹ بولتا تھا اور اس کا نام عمارہ بن جوین تھا۔ (سوالات ابن الجنید: ۱)

امام حماد بن زید رحمہ اللہ نے فرمایا: ابو ہارون العبدی کذاب تھا، وہ صبح کو ایک چیز روایت کرتا اور شام کو دوسری چیز روایت کرتا تھا۔
(کتاب الجرح والتعدیل ۳۶۴/۶ وسندہ حسن)

یعنی وہ متناقض اور متعارض روایتیں بیان کرتا تھا جو کہ اُس کے کذاب ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔ حافظ ابن حبان نے کہا:

''**كان رافضيًّا ، يروي عن أبي سعيد ما ليس من حديثه، لا يحل كتابة حديثه إلا على جهة التعجب .** ''

وہ رافضی تھا، ابوسعید (الخدری رضی اللہ عنہ) سے ایسی حدیثیں بیان کرتا جو اُن کی (بیان کردہ) حدیثیں نہیں تھیں، اُس کی حدیث لکھنا حلال نہیں، اِلا یہ کہ بطورِ تعجب ہو۔ (کتاب المجروحین ۱۷۷/۲، دوسرا نسخہ ۱۶۸/۲)

تفصیلی جرح کے لئے اہلِ سنت کی مشہور کتب المجروحین کی طرف رجوع کریں۔ مختصراً عرض ہے کہ ابو ہارون مذکور سخت مجروح، متروک اور کذاب تھا۔

[**۲۱۶**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((الكلمة الحكمة ضالة الحكيم فحيث وجدها فهو أحق بها .)) رواه الترمذي وابن ماجه وقال الترمذي :هذا حديث غريب وإبراهيم بن الفضل

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکمت والا کلام حکیم کی گمشدہ چیز ہے، اسے جہاں ملتا ہے لے لیتا ہے اور وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ اسے ترمذی (۲۶۸۷) اور ابن ماجہ (۴۱۶۹) نے روایت کیا

الراوي يضعف في الحديث .

اور ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور ابراہیم بن الفضل راوی حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا تھا۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس روایت کے راوی ابراہیم بن الفضل المخز ومی، ابواسحاق المدنی کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا: ''**منكر الحديث**'' وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (کتاب الضعفاء مع تحفۃ الاقویاء ص۱۰ ت۶)

یہ جرح امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک شدید جرح تھی۔ دوسرے محدثین نے بھی اس راوی پر اسی طرح اور اسی مفہوم کی جرحیں کی ہیں اور حافظ ابن حجر نے بطورِ خلاصہ فرمایا:

''**متروك**'' وہ متروک ہے۔ (تقریب التہذیب:۲۲۸)

جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راوی کا منکر الحدیث یا متروک ہونا ثابت ہو جائے تو وہ سخت ضعیف ہوتا ہے۔

[**۲۱۷**] وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: ((فقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد .)) رواه الترمذي وابن ماجه .

اور (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان پر ایک فقیہ ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ سخت ہے۔ اسے ترمذی (۲۶۸۱) اور ابن ماجہ (۲۲۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند سخت ضعیف (موضوع) ہے۔

اس کے راوی رَوح بن جَناح الدمشقی کو جمہور محدثین نے ضعیف و مجروح قرار دیا۔

حافظ ابن حبان نے کہا: ''**منكر الحديث جدًا، يروي عن الثقات ما إذا سمعها الإنسان الذي ليس بالمتبحر في صناعة الحديث شهد لها بالوضع**''

وہ سخت منکر الحدیث تھا، ثقہ راویوں سے ایسی روایتیں بیان کرتا، جنھیں حدیث میں زیادہ مہارت نہ رکھنے والا انسان بھی سن کر گواہی دیتا کہ یہ موضوع ہیں۔ (المجروحین ۱/۳۰۰، دوسرا نسخہ ۱/۳۴۷)

ابونعیم اصبہانی نے کہا: وہ مجاہد (ثقہ تابعی) سے منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ (کتاب الضعفاء لابی نعیم ص۸۱ ت۶۷)

حاکم نیشاپوری نے کہا: ''**روى عن مجاهد أحاديث موضوعة .**''

اس نے مجاہد سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص۱۳۷ ت۵۹)

اس شدید جرح اور جمہور کی تجریح سے ثابت ہوا کہ روح بن جناح سخت ضعیف اور مجاہد سے موضوع روایات بیان کرنے والا تھا۔

یادر ہے کہ ضعیف راوی کی روایت بھی موضوع ہوسکتی ہے، بشرطیکہ محدثینِ کرام اسے موضوع قرار دیں یا وضع کا واضح ثبوت ہو۔ موضوع روایت کے لئے یہ ضروری شرط نہیں کہ اس کا راوی لامحالہ کذاب ہی ہو۔

نیز دیکھئے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (ج۱ص ۲۴۸) علل الحدیث لابن ابی حاتم (۱/۴۷۰ ح۱۹۶) سنن ابن ماجہ (۱۳۳۳) اور الضعیفۃ الالبانی (ج۱۰ص۱۶۹ح۴۶۴۴) وغير ذلك.

[**۲۱۸**] وعن أنس قال قال رسول الله ﷺ : ((طلب العلم فريضة على كل مسلم وواضع العلم عند غير أهله كمقلد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب .)) رواه ابن ماجه وروى البيهقي في شعب الإيمان إلى قوله "مسلم" . وقال :هذا حديث متنه مشهور و إسناده ضعيف وقدروي من أوجه كلها ضعيفة .

اور (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور نااہل آدمی کو علم سکھانا ایسے ہے جیسے خنزیر کی گردن میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار پہنا دیا جائے۔ اسے ابن ماجہ (۲۲۴) نے روایت کیا۔ بیہقی نے شعب الایمان (۱۶۶۳، دوسرا نسخہ: ۱۵۴۳) میں اسے ہر مسلمان (پر فرض ہے) تک روایت کیا اور فرمایا: اس حدیث کا متن مشہور ہے اور سند ضعیف ہے، یہ کئی سندوں سے مروی ہے جو کہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس کا راوی قاری ابو عمر حفص بن سلیمان الاسدی البزاز الکوفی: حفص بن ابی داود صاحب عاصم روایتِ حدیث میں سخت ضعیف و مجروح تھا۔

ابو حاتم الرازی نے کہا: وہ ضعیف الحدیث ہے، سچ نہیں بولتا، متروک الحدیث ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۱۷۴)

امام مسلم نے کہا: **متروك الحديث** . (کتاب الکنیٰ قلمی ص ۱/۱۴۷)

امام بخاری نے فرمایا: "**تركوه**" یعنی محدثین نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ (کتاب الضعفاء: ۷۳)

قاری حفص بن ابی داود پر جمہور محدثین نے جرح کی اور اُن کے بارے میں اعدل الاقوال درج ذیل ہے:

"**متروك في الحديث ، ثقة في القرآن**"

وہ حدیث میں متروک اور قرآن (کی روایت) میں ثقہ تھے۔ دیکھئے تحفۃ الاقویاء (ص ۲۹)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: "**متروك الحديث مع إمامته في القراء ة**"

وہ قراءت میں امام ہونے کے باوجود حدیث میں متروک ہے۔ (تقریب التہذیب: ۱۴۰۵)

فائدہ: **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** والی روایات کی مفصل تخریج شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب: ''تخریج أحادیث مشکلة الفقر و کیف عالجها الإسلام ''(ص ۴۸۔۶۲ ح ۸۶) میں کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے لیکن اس کی تمام سندیں ضعیف و مردود ہی ہیں۔ مثلاً:

۱: تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۴۴/۵۸، دوسرا نسخہ ۱۵/۱۴۶۱/۱/۱) امالی ابن سمعون (۲۳) اور مشیخۃ الآبنوسی (۱۵۴) والی روایت میں ابوعلی محمد بن محمد بن ابی حذیفہ قاسم کی توثیق نامعلوم ہے، قتادہ مشہور مدلس تھے اور روایت (ان تک بشرطِ صحت) عن سے ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ کو اس سند کے ایک راوی احمد بن محمد بن ابی الخناجر کے حالات نہیں ملے، حالانکہ اُن کا تذکرہ کتاب الجرح والتعدیل (۷۳/۲) سیر اعلام النبلاء (۲۴۰/۱۳) اور المستدرک للحاکم (۳۹۹/۴ ح ۸۲۰۷ وقال ابن صاعد: و کان ثقة مأمونًا) میں موجود ہے اور وہ ثقہ وصدوق تھے۔

۲: المعجم الصغیر للطبرانی (۱۶/۱ ح ۲۲ بترقیمی، دوسرا نسخہ ص ۶) والی روایت میں حکم بن عطیہ جمہور کے نزدیک ضعیف (دیکھئے سنن الترمذی بتحقیقی: ۳۶۶۸) عباس بن اسماعیل الہاشمی مجہول الحال (وثقه ابن حبان و حده بتوثیق لین) اور احمد بن بشر بن حبیب البیروتی کی توثیق نامعلوم ہے۔

۳: الفوائد لتمام الرازی (مخطوط ص ۹ ب، مطبوع ۳۲/۱ ح ۵۶، دوسرا نسخہ ۲/۸) والی روایت میں ابوبکر بن ابی شیبہ محمد بن احمد البغدادی کی توثیق اور حالات نامعلوم ہیں۔

احمد بن محمد بن شبیب بن زیاد ابوبکر بن ابی شیبہ ثقہ تھے، لیکن الفوائد کی روایت میں احمد بن محمد نہیں بلکہ محمد بن احمد ہے اور معلوم نہیں کہ شیخ البانی نے کس دلیل سے محمد بن احمد کو احمد بن محمد بنا ڈالا؟

۴: عائذ بن ایوب طوسی مجہول اور اسماعیل بن ابی خالد مدلس والی روایت بھی ضعیف ہے۔

خلاصہ یہ کہ طلب العلم فریضہ والی روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و مردود ہے۔

بیہقی نے'' **اطلبو العلم و لو بالصین فإنّ طلب العلم فریضة علی کل مسلم** '' کے بارے میں کہا:

'' **هذا حدیث متنه مشهور و أسانیده ضعیفة . لاأعرف له إسنادًا یثبت بمثله الحدیث. واللّٰه أعلم** ''

اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اس کی سندیں ضعیف ہیں۔ مجھے اس کی کوئی ایسی سند معلوم نہیں جس سے یہ حدیث ثابت ہوتی ہو۔ واللہ اعلم (المدخل الی السنن الکبریٰ: ۳۲۵)

جبکہ ابوعلی الحسین بن علی الحافظ النیسابوری رحمہ اللہ اس حدیث کو صحیح سمجھتے تھے، لیکن راجح یہی ہے کہ یہ روایت غیر ثابت اور ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

[۲۱۹] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((خصلتان لا تجتمعان في منافق :حُسْنُ سَمْتٍ ولا فقه في الدين .)) رواه الترمذي .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق میں دو خصلتیں (عادتیں) جمع نہیں ہوتیں: بہترین سیرت و اخلاق اور نہ دین میں تفقہ (سُوجھ بوجھ) اسے ترمذی (۲۶۸۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کے ایک راوی خلف بن ایوب العامری کے بارے میں محدثینِ کرام کا اختلاف ہے لیکن جمہور کی توثیق کے بعد وہ صدوق اور حسن الحدیث کے درجے پر ہے۔

حافظ ابن حبان نے اُس کی توثیق کے باوجود اسے متعصب مرجی قرار دیا یعنی وہ اہلِ سنت میں سے نہیں بلکہ اہلِ بدعت میں سے تھا۔

امام ترمذی نے حدیثِ مذکور کو ''غریب'' قرار دے کر فرمایا: اور مجھے معلوم نہیں کہ یہ (خلف بن ایوب) کیسا ہے؟ (جامع ترمذی ص ۶۰۵)

امام ابو جعفر العقیلی نے فرمایا: ''و لكن حدّث خلف هذا عن قيس و عوف بمناكير لم يتابع عليها و كان مرجئًا ''
لیکن اس خلف نے قیس اور عوف سے منکر روایتیں بیان کیں جن میں اُس کی متابعت نہیں کی گئی اور وہ مرجی تھا۔

(کتاب الضعفاء الکبیر ۲/۲۴ ت ۴۴۳)

اس جرح سے معلوم ہوا کہ قیس بن الربیع اور عوف الاعرابی سے خلف بن ایوب کی بیان کردہ روایات منکر یعنی ضعیف و مردود ہیں۔

ظاہر ہے کہ عام پر خاص اور غیر مفسر پر مفسر مقدم ہوتا ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے خلف بن ایوب کی جرح و تعدیل میں فلسفیانہ بحث کرنے کے بعد اس روایت کے دو شاہد ذکر کئے:

۱: محمد بن حمزہ بن یوسف بن عبداللہ بن سلام (تبع تابعی) کی مرسل (بلکہ معضل) روایت بحوالہ ابن المبارک، جس کا ضعیف ہونا اس کے انقطاع سے ظاہر ہے۔

۲: ابن المبارک کی سند کے ساتھ یہی روایت محمد بن حمزہ عن عبداللہ بن سلام کی سند کے ساتھ (مسند الشہاب للقضاعی ۱/۲۱۰ ح ۳۱۸)

یہ روایت بھی منقطع ہے اور ''عبداللہ بن سلام'' کے الفاظ میں بھی نظر ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ دونوں سندیں ضعیف ہیں، لہٰذا خلف بن ایوب کی بیان کردہ روایت ضعیف ہی ہے۔ واللہ اعلم

[۲۲۰] وعن أنس قال قال رسول الله ﷺ: ((من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع .)) رواه الترمذي والدارمي .

اور (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص طلبِ علم کے لئے نکلے تو وہ واپس آنے تک اللہ کے راستے میں (فی سبیل اللہ) رہتا ہے۔ اسے ترمذی (۲۶۴۷ وقال: حسن غریب) اور دارمی (؟) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کے راوی خالد بن یزید العتکی، ابوجعفر الرازی اور ربیع بن انس تینوں جمہور محدثین کی توثیق کی وجہ سے حسن الحدیث تھے، لیکن حافظ ابن حبان نے ربیع بن انس کے بارے میں فرمایا: ''**والناس يتقون حديثه ما كان من رواية أبي جعفر عنه لأن فيها اضطراب كثير**'' اور اس (ربیع بن انس) سے ابوجعفر (الرازی) کی روایت سے لوگ بچتے ہیں، کیونکہ اس میں بہت اضطراب ہے۔ (کتاب الثقات ج۴ ص۲۲۸)

یہ خاص جرح ہے، لہٰذا عام تعدیل پر مقدم ہے، یعنی ربیع بن انس سے ابوجعفر الرازی کی بیان کردہ روایات ضعیف ہیں اور دوسرے ثقہ وصدوق راویوں کی بیان کردہ روایات حسن یا صحیح ہیں۔

تنبیہ: دارمی والا حوالہ نہیں ملا۔ واللہ اعلم

[۲۲۱] وعن سخبرة الأزدي قال قال رسول الله ﷺ: ((من طلب العلم كان كفارة لما مضى .)) رواه الترمذي والدارمي. وقال الترمذي: هذا حديث ضعيف الإسناد و أبو داود الراوي يضعف.

اور (سیدنا) سخبرہ الازدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم حاصل کرتا ہے تو یہ اُس کے ماضی کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اسے ترمذی (۲۶۴۸) اور دارمی (۱۳۹/۱ ح ۵۶۷) نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور (اس کا) راوی ابو داود (نفیع الاعمی) ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند سخت ضعیف بلکہ موضوع ہے۔

اسے امام ترمذی اور امام دارمی دونوں نے **أبو عبدالله محمد بن حميد بن حيان الرازي التميمي** سے روایت کیا ہے۔ بعض نے اُس کی توثیق کی ہے لیکن جمہور محدثین نے اُس پر جرح کی ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''**حافظ ضعيف و كان ابن معين حسن الرأي فيه**'' وہ حافظ ضعیف ہے اور ابن معین اُس

کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ (تقریب التہذیب: ۵۸۳۴)
امام بخاری اُس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے، بلکہ انھوں نے فرمایا: ''فيه نظر'' (التاریخ الکبیر ۱/۶۹)
حافظ ابن کثیر الدمشقی نے فرمایا: ''**من ذلك أن البخاري إذا قال في الرجل :سكتوا عنه أو : فيه نظر ، فإنه يكون في أدنى المنازل و أردئها عنده ولكنه لطيف العبارة في التجريح فليعلم ذلك .**''
اس میں سے (امام) بخاری کا یہ قول ہے کہ جب وہ کسی آدمی کے بارے میں ''سكتوا عنه'' یا ''فيه نظر'' کہیں تو یہ اُن کے نزدیک ادنیٰ ترین اور ردی (بہت شدید) جرح ہوتی ہے، لیکن وہ جرح میں الفاظ بہت لطیف (نرم) استعمال کرتے ہیں، اسے خوب سمجھ لیں۔ (اختصار علوم الحدیث ج ۱ ص ۳۲، اردو ترجمہ لراقم الحروف ص ۶۹)
محمد بن حمید الرازی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''**الرازي الحافظ :ليس بثقة**'' رازی حافظ، ثقہ نہیں ہے۔
(المجرد فی اسماء رجال سنن ابن ماجہ: ۱۷۴۷)

فائدہ: جو حافظ بھی ہو اور ضعیف بھی ہو تو وہ سخت ضعیف بلکہ متروک ہوتا ہے۔
اس روایت کا بنیادی راوی ابوداود نفیع بن الحارث الاعمی سخت مجروح، متروک بلکہ کذاب راوی تھا۔ اُس کے بارے میں اُس کے ہم عصر امام قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**كذاب**'' وہ جھوٹا ہے۔
(کتاب الجرح والتعدیل ۸/۴۹۰ وسندہ صحیح، الکامل لابن عدی ۷/۲۵۲۳-۲۵۲۴ وسندہ صحیح)
حافظ ابن حجر نے کہا: ''**متروك ...** ''إلخ وہ متروک ہے... الخ (تقریب التہذیب: ۷۱۸۱)

[**۲۲۲**] **وعن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله ﷺ :((لن يشبع المؤمن من خيرٍ يسمعه حتى يكون منتهاه الجنة .)) رواه الترمذي**

اور (سیدنا) ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن بھلائی سننے سے سیراب نہیں ہوتا یعنی اُکتاتا نہیں حتیٰ کہ اُس کا آخری ٹھکانا جنت ہے۔ اسے ترمذی (۲۶۸۶ وقال: حسن غریب) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس روایت کی سند حسن ہے۔
اسے ابن حبان (الموارد: ۲۳۸۵، الاحسان: ۷/۳۳۶۲) حاکم (۴/۱۳۰ ح ۷۷۵۷) اور ذہبی (!) نے صحیح قرار دیا ہے۔
اس روایت کے راوی ابوالسمح دراج بن سمعان القرشی السہمی المصری جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں۔
ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود، الضیاء المقدسی، حاکم اور ذہبی نے اُن کی بیان کردہ احادیث کو صحیح، ترمذی اور ہیثمی نے حسن

قرار دیا ہے۔بعض علماء نے دراج کی ابوالہیثم سے بیان کردہ روایات پر جرح کی ،جس کا مختصر تحقیقی جائزہ درج ذیل ہے:

☆ ابن عدی نے اپنے استاذ ابن ابی عصمہ کی سند کے ساتھ امام احمد بن حنبل سے نقل کیا کہ دراج کی ابوالہیثم عن ابی سعید والی احادیث میں ضعف ہے۔ (الکامل ۹۷۹/۳، دوسرا نسخہ ۱۰/۴)

اس قول کی سند عبدالوہاب بن ابی عصمہ عصام بن الحکم الشیبانی العکبری (متوفی ۳۰۸ھ) کی توثیق نامعلوم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

☆ ابوعبید الآجری نے امام ابوداود سے نقل کیا کہ دراج کی ابوالہیثم عن ابی سعید کے علاوہ احادیث مستقیم (یعنی صحیح وحسن) ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۲۰۸/۳)

اس قول کا راوی ابوعبید الآجری بذاتِ خود نامعلوم اور مجہول التوثیق ہے، لہٰذا یہ قول ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۱: پانچویں صدی کے محدث حافظ خلیلی (متوفی ۴۴۶ھ) نے فرمایا:

عمرو بن الحارث کی حدیث اگر دراج عن ابی الہیثم عن ابی سعید کی سند سے ہو تو لکھی جاتی ہے اور اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۴۰۵/۱)

۲: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''**صدوق ، في حديثه عن أبی الهيثم ضعف** ''

وہ سچے ہیں، ابوالہیثم سے اُن کی حدیث میں ضعف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۱۸۲۴)

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام احمد اور امام ابوداود کی طرف منسوب اقوال ذکر کر کے اُن پر کوئی جرح نہیں کی، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ تقریب التہذیب کے اس قول کی بنیاد یہی دو غیر ثابت اقوال ہیں۔ واللہ اعلم

اب ابوالہیثم سے دراج کی روایت کی توثیق، تصحیح اور تحسین پیشِ خدمت ہے:

۱: اسماء الرجال کے جلیل القدر امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے **دراج عن أبی الهيثم عن أبي سعيد** والی سند کے بارے میں فرمایا: ''**ما كان هكذا الإسناد فليس به بأس** '' جو اس طرح کی سند سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۵۰۳۹)

امام عباس بن محمد الدوری رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **سألت يحيى بن معين عن أحاديث دراج عن أبی الهيثم عن أبي سعيد فقال : هذا إسناد صحيح** '' میں نے یحییٰ بن معین (رحمہ اللہ) سے دراج کی ابوالہیثم عن ابی سعید والی احادیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ سند صحیح ہے۔ (المستدرک للحاکم ۲۴۶/۲۔۲۴۷ ح ۲۹۷۱ وسندہ صحیح)

۲۔۶: ابن خزیمہ، ترمذی، ابن حبان، حاکم اور ضیاء المقدسی وغیرہم جمہور محدثین نے دراج کی ابوالہیثم سے بیان کردہ احادیث کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے، لہٰذا جمہور کے مقابلے میں خلیلی اور عسقلانی وغیرہما کی جرح مرجوح ہے۔

فقه الحديث:

۱: ہر وقت خیر کے حصول اور تحصیلِ علم میں مصروف رہنا چاہیے۔

۲: علم میں خیر ہے بشرطیکہ اُسے صحیح استعمال کیا جائے۔
۳: علم کے ساتھ عمل ضروری ہے۔
۴: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان علماء وعاملین کے لئے اعلیٰ ترین تحفہ جنت ہے۔

[**۲۲۳۔ ۲۲۴**] **وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :((من سئل عن علم علمه ثم كتمه، ألجم يوم القيامة بلجامٍ من نار .))**

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے کسی علم کے بارے میں پوچھا جائے، جسے وہ جانتا تھا، پھر وہ اُسے چُھپا لے تو قیامت کے دن اُسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

رواه أحمد و أبو داود والترمذي .ورواه ابن ماجه عن أنس .

اسے احمد (۲/۲۶۳ ح ۷۵۶۱، ۲/۳۰۵ ح ۸۰۳۵) ابوداود (۳۶۵۸) اور ترمذی (۲۶۴۹) نے روایت کیا ہے۔ اور اسے ابن ماجہ (۲۶۴) نے (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: یہ حدیث حسن ہے۔

اسے ترمذی نے حسن، ابن حبان (الاحسان: ۹۵) حاکم (۱/۱۰۱ ح ۳۴۴) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

عطاء بن ابی رباح کی اس روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے سماع میں کلام ہے، اگرچہ مستدرک الحاکم میں قاسم بن محمد بن حماد کی روایت میں اُن کے سماع کی تصریح موجود ہے۔

قاسم بن محمد الدلال پر تین محدثین نے جرح اور تین نے توثیق کی ہے۔!

صحیح ابن حبان (الاحسان: ۹۶) اور المستدرک للحاکم (۱/۱۰۲ ح ۳۴۶ وصححہ) وغیرہما میں اس کا حسن لذاتہ شاہد: ((**من كتم علمًا ألجمه الله يوم القيامة بلجام من نار .**)) موجود ہے، جس کے ساتھ یہ حسن ہے۔ والحمدللہ

فقه الحديث:

۱: حق چھپانا حرام ہے۔
۲: دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو علم کی بعض باتیں عام لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً:
① نبی ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک بات بتائی پھر اُسے لوگوں کو بتانے سے منع کر دیا تھا تاکہ کہیں لوگ اسی پر بھروسا نہ کر بیٹھیں۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۲۸۔۱۲۹) اور صحیح مسلم (۳۲)
② سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو ایک خواب کی تعبیر میں کچھ غلطی لگی تھی، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أصبتَ بعضًا و أخطأتَ بعضًا .)) تمھاری بعض باتیں صحیح ہیں اور بعض میں غلطی لگی ہے۔
ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ مجھے ضرور بتائیں کہ مجھے کیا غلطی لگی ہے؟
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم نہ کھاؤ۔ (صحیح بخاری:۷۰۴۶، صحیح مسلم:۲۲۶۹)

یعنی آپ نے وہ غلطی اُنھیں نہیں بتائی تھی، لہٰذا اگر کوئی عذر ہو یا فساد وغیرہ کا ڈر ہو تو بعض باتیں نہ بتانا بھی جائز ہے لیکن اہم موقع اور ضروری بیان کے وقت علم کی بات چھپانا جائز نہیں بلکہ کتمانِ حق ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک علم (جس کا تعلق سیاسی اُمور سے تھا) بتایا تھا، جسے انھوں نے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۱۲۰)

۳: سنن ابن ماجہ (۲۶۴) والی روایت کی سند یوسف بن ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن صحیح ابن حبان (۹۶) والے مذکورہ حسن شاہد کی وجہ سے یہ روایت بھی حسن ہے۔

[**۲۲۵۔ ۲۲۶**] وعن كعب بن مالك قال قال رسول الله ﷺ : ((من طلب العلم ليجاري به العلماء أو ليماري به السفهاء أو يصرف به و جوه الناس إليه أدخله الله النار .))
رواه الترمذي . ورواه ابن ماجه عن ابن عمر .

اور (سیدنا) کعب بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علماء پر فخر کرنے، یا بیوقوفوں سے جھگڑا کرنے، یا لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیرنے کے لئے علم حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے آگ میں داخل کرے گا۔ اسے ترمذی (۲۶۵۴) نے روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ (۲۵۳) نے (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

سنن ترمذی والی روایت میں اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ بن عبیداللہ القرشی التیمی ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۳۹۰)
امام ترمذی نے اسی مقام پر فرمایا: یہ حدیث غریب ہے... اور اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ اُن (محدثین) کے نزدیک القوی نہیں ہے، اُس کے حافظے کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۸ بتحقیق الالبانی)
اُس پر امام احمد بن حنبل وغیرہ نے شدید جرح کی ہے۔
سنن ابن ماجہ (۲۵۳) والی روایت میں حماد بن عبدالرحمٰن ضعیف (تقریب التہذیب:۱۵۰۲) اور ابو کرب الازدی مجہول ہے۔
(تقریب التہذیب:۸۳۲۶)
سنن ابن ماجہ (۲۵۴) وغیرہ میں ابن جریج عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سند سے آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لا تعلموا العلم لتبا هوا به العلماء ولا لتماروا به السفهاء ولا تخيّروا به المجالس فمن فعل ذلك فالنار النار .''اس کی سند ابن جریج اور ابوالزبیر دو مدلسوں کے عن عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' لا تعلّموا العلم لتباهوا به العلماء أو لتماروا به السفهاء أو لتصرفوا وجوه الناس إليكم فمن فعل ذلك فهو فى النار .'' (ح۲۵۹)

اس روایت کی سند میں بشیر بن میمون: متروك متهم (تقریب التہذیب:۲۵۹)

اور اشعث بن سوار ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۵۲۴)

سنن ابن ماجہ کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''من تعلّم العلم ليباهي به العلماء و يجاري به السفهاء و يصرف به وجوه الناس إليه أدخله الله جهنم .'' (ح۲۶۰)

اس کی سند میں عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری: متروک ہے۔(تقریب التہذیب:۳۳۵۶)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف روایات کو جمع کر کے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، حالانکہ یہ حسن نہیں بنتی بلکہ ضعیف ہی ہے۔

فائدہ: آنے والی حدیث (۲۲۷) اس ضعیف روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ والحمدللہ

[**۲۲۷**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((من تعلم علمًا مما يبتغي به وجه الله لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضًا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة .)) يعني ريحها .
رواه أحمد و أبوداود و ابن ماجه .

اور (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وہ علم حاصل کرے جو صرف اللہ کی رضامندی کے لئے ہی حاصل کیا جاتا ہے، وہ اسے دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لئے سیکھے تو قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ اسے احمد (۲/ ۳۳۸ ح ۸۴۳۸) ابوداود (۳۶۶۴) اور ابن ماجہ (۲۵۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔

اسے ابن حبان (الاحسان:۷۸، الموارد:۸۹) اور حاکم (۱/۸۵ ح ۲۸۸) نے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: نیکی کا ہر کام بالخصوص دینی علم حاصل کرنے کے لئے خلوصِ نیت ضروری ہے۔

۲: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

۳: دنیاوی علوم دنیاوی مقاصد کے لئے حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اُن کی ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو، مثلاً نجومیوں کا علم سیکھنا جائز نہیں، اِلا یہ کہ کوئی عالم اور صحیح العقیدہ شخص اُن کا رد کرنے کے لئے اُن کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔

۴: اس حدیث میں ممانعت سے اس طرف اشارہ ہے کہ اُمت میں بعض ایسے بدنصیب لوگ ہوں گے جو دنیا حاصل کرنے کے لئے دینی علوم پڑھیں گے۔

[۲۲۸۔ ۲۲۹] وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ : ((نضر الله عبدًا سمع مقالتي فحفظها ووعاها و أدّاها فرُبّ حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه . ثلاث لا يغلّ عليهن قلب مسلم :إخلاص العمل لله والنصيحة للمسلمين و لزوم جماعتهم فإن دعوتهم تحيط من ورائهم .))

رواه الشافعي والبيهقي فى المدخل . ورواه أحمد والترمذي و أبو داود وابن ماجه والدارمي عن زيد بن ثابت . إلا أن الترمذي و أبا داود لم يذكرا : ((ثلاث لا يغلّ عليهن)) إلى آخره .

اور (سیدنا عبداللہ) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اُس بندے کے چہرے کو تروتازہ رکھے، جس نے ہماری بات (حدیث) سُن کر اُسے یاد رکھا اور محفوظ کیا اور (پھر) اُسے ادا کر (کے دوسروں تک پہنچا) دیا، بعض اوقات حاملِ فقہ فقیہ (سمجھدار) نہیں ہوتا اور بعض اوقات حاملِ فقہ اُسے اُس تک پہنچا دیتا ہے جو اُس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔ تین چیزوں سے مسلمان کا دل کبھی خیانت اور بخل نہیں کرتا:

(۱) اللہ کے لئے خالص عمل/یعنی خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ کے لئے اعمال صالحہ بجالانا، (۲) مسلمانوں کے لئے خیر خواہی (۳) اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا، کیونکہ اُن کی دعوت (دعا) دُور والوں کو بھی گھیر لیتی ہے۔

اسے شافعی (مختصر المزنی ص ۴۲۳، الرسالہ ص ۴۰۱ فقرہ: ۱۱۰۲، مسند الشافعی ص ۲۴۰ ح ۱۱۸۴ بترقیمی ، مسند الشافعی بترتیب السندھی ۱/ ۱۶، وترتیب سنجر بن عبداللہ الناصری: ۱۸۰۶) اور بیہقی نے مدخل (؟، شعب الایمان: ۱۷۳۸) میں روایت کیا ہے۔

اور احمد (۱۸۳/۵ ح ۲۱۹۲۴) ترمذی (۲۶۵۶ وقال: حسن) ابوداود (۳۶۶۰) ابن ماجہ (۲۳۰) اور دارمی (۲۳۵) نے (سیدنا) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا، لیکن ترمذی اور ابوداود دونوں نے ''تین چیزوں سے (مسلمان کا دل) کبھی خیانت نہیں کرتا'' سے آخر تک کے الفاظ بیان نہیں کئے۔

تحقیق الحدیث: یہ حدیث صحیح ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی ایک حدیث کو امام ترمذی نے ''حسن صحیح'' اور ابن حبان (الاحسان: ٦٦، ٦٨، ٦٩) نے صحیح قرار دیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ کے سماع میں کلام ہے اور خاص اس حدیث میں سماع معلوم نہیں لیکن اس کے دو صحیح شواہد ہیں:

اول: نضر اللّٰہ سے لے کر لیس بفقیہ تک والی روایت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ اسے ترمذی نے حسن (٢٦٥٦) اور ابن حبان (٦٧) نے صحیح قرار دیا۔

اس کی سند صحیح ہے۔

دوم: ((**ثلاث خصال لا یغل علیهن قلب مسلم أبدًا : إخلاص العمل للّٰه و مناصحة ولاة الأمر و لزوم الجماعة فإن دعوتهم تحیط من ورائهم .**)) تین خصلتوں پر مسلم کا دل کبھی خیانت نہیں کرتا: خالص اللہ کے لئے عمل، حکمرانوں کے لئے خیر خواہی اور جماعت کو لازم پکڑنا کیونکہ اُن کی دعوت دُور والوں کو بھی گھیر لیتی ہے۔

(مسند احمد ۵/۱۸۳ ح ۲۱۵۹۰ عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وسندہ صحیح)

ان شواہد کے ساتھ روایت مذکورہ بھی صحیح ہے۔ والحمدللہ

فقہ الحدیث:

١: اس حدیث میں اہل حدیث (صحیح العقیدہ محدثین کرام) کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**نضر اللّٰه امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظه حتی یبلّغه فرُبّ حامل فقه إلی من هو أفقه منه و رب حامل فقه لیس بفقیه** '' اُس شخص کے چہرے کو اللہ تر و تازہ رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سُنے پھر اُسے یاد کرے حتیٰ کہ وہ اسے آگے پہنچائے کیونکہ بعض اوقات فقہ اُٹھانے والا اُس تک پہنچا دیتا ہے جو اُس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور بعض اوقات فقہ اُٹھانے والا فقیہ نہیں ہوتا۔

(سنن ابی داود: ٣٦٦٠، عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وسندہ صحیح)

٢: بعض لوگ فتاویٰ شامی، فتاویٰ عالمگیری اور ملا مرغینانی کی کتاب الہدایہ وغیرہا کو فقہ سمجھے بیٹھے ہیں، حالانکہ اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ حدیث فقہ ہے۔

٣: حدیث کو بار بار پڑھنا پڑھانا اور اس کی تکرار کرنا صحیح ہے تاکہ حدیث یاد ہو جائے۔

٤: بغیر عذر کے الفاظِ حدیث میں اختصار کرنا ناپسندیدہ ہے۔

٥: حدیث سے استنباط کر کے مسائل نکالنا تفقہ کہلاتا ہے اور یہ مسنون اور قابلِ تعریف عمل ہے۔

٦: ہمیشہ روایت باللفظ کا التزام اور روایت بالمعنیٰ سے اجتناب کرنا چاہئے، تاہم زمانۂ تدوینِ حدیث میں ثقہ وصدوق راویوں

نے جوروایات بالمعنیٰ بیان کیں، وہ بھی صحیح یا حسن ہیں اور اُن سے استدلال جائز ہے، بشرطیکہ شاذ یا معلول نہ ہوں۔

۷: خلوص نیت اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مومن کو خیانت اور نفاق وغیرہ سے بچاتا ہے۔

۸: ہر وقت حسبِ استطاعت قرآن وحدیث کی دعوت دوسروں تک پہنچانے میں مصروف رہنا چاہئے۔

۹: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

۱۰: لزومِ جماعت سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح میں مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''**أي موافقة المسلمين في الاعتقاد و العمل الصالح و صلٰوة الجماعة و الجمعة و العيدين و طاعة الأمراء المسلمين وغير ذلك .** ''

یعنی اعتقاد، عمل صالح، نماز باجماعت، جمعہ اور عیدین میں مسلمانوں کی موافقت کرنا اور مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کرنا وغیرہ۔

(مرعاۃ المفاتیح ج۱ص ۳۲۷-۳۲۸)

یعنی روایت مذکورہ میں جماعت (اور جماعت المسلمین) سے مراد تین باتیں ہیں:

(۱) تمام مسلمانوں کا اجماع (نیز دیکھئے الرسالہ للشافعی: ۱۱۰۵)

(۲) صحیح العقیدہ مسلمانوں کی نماز باجماعت

(۳) مسلمان حکمرانوں اور خلیفہ کی اطاعت پر مجتمع مسلمین (نیز دیکھئے التمہید ۲۱/۲۷۷-۲۷۸)

اس حدیث سے مروّجہ کاغذی پارٹیاں اور بے حد وشمار جماعتیں مراد نہیں ہیں، جو کہ باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار اور دست بگریباں ہیں۔

یاد رہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ صحیح العقیدہ مسلمان مختلف پارٹیوں اور جماعتوں میں تقسیم ہوجائیں اور ایک دوسرے کے سر پھاڑتے، فتوے لگاتے یا ایک دوسرے سے بغض رکھتے پھریں بلکہ دینِ اسلام میں مسلمانوں کا اتفاق اور باہمی محبت واتحاد مطلوب ہے۔

فائدہ: **تلزم جماعة المسلمين و إمامهم** اور **الجماعة** والی احادیث کا معنی تو آپ نے پڑھ لیا، اب **و إمامهم** کا معنی پیشِ خدمت ہے: امام اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے **ميتة جاهلية** والی حدیث کے بارے میں فرمایا:

کیا تجھے پتا ہے کہ (اس حدیث میں) امام کسے کہتے ہیں؟ جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو جائے، ہر آدمی یہی کہے کہ یہ امام (خلیفہ) ہے، پس اس حدیث کا یہی معنی ہے۔ (سوالات ابن ہانی: ۲۰۱۱، علمی مقالات ج۱ص ۴۰۳ بتصرف یسیر)

[۲۳۰۔۲۳۱] وعن ابن مسعود قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((نضر الله امرأً سمع منا شيئاً فبلّغه كما سمعه فرب مبلغٍ أوعى له من سامع .)) رواه الترمذي و ابن ماجه . ورواه الدارمي عن أبي الدرداء .

اور (سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا: اللہ اُس آدمی کے چہرے کو تروتازہ رکھے جو ہم سے کوئی چیز سُنے پھر اسے جس طرح سُنا تھا آگے پہنچا دے، بعض اوقات جس تک بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔
اسے ترمذی (۲۶۵۷) اور ابن ماجہ (۲۳۲) نے روایت کیا ہے۔اور دارمی (۱/۵۷ ح۲۳۶) نے اسے (سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔دیکھئے حدیث سابق: ۲۲۸۔۲۲۹

سنن دارمی والی روایت میں یحییٰ بن موسیٰ البلخی ، ابوسعید عمرو بن محمد العنقزی القرشی الکوفی اور اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی تینوں ثقہ تھے۔عبدالرحمٰن بن زبید بن الحارث الیامی کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا اور اُس پر امام بخاری کی طرف منسوب جرح ''منکر الحدیث'' جو امام بخاری سے ثابت نہیں، لہٰذا عبدالرحمٰن مذکور مجہول الحال ہے۔ابوالعجلان کو بقولِ حافظ ابن حجر عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے، لیکن ہمیں یہ حوالہ کتاب الثقات (التاریخ) للعجلی میں نہیں ملا۔واللہ اعلم

مختصر یہ کہ دارمی والی سند عبدالرحمٰن بن زبید کی جہالتِ حال وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن اس کے صحیح شواہد ہیں، لہٰذا یہ حدیث شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔والحمدللہ

فائدہ: دارمی والی روایت مذکورہ کو طبرانی نے اسرائیل عن عبدالرحمٰن بن زبید کی سند سے بیان کیا ہے۔

(دیکھئے جامع المسانید لابن کثیر ۱۳/۶۵۲۔۶۵۳ ح ۱۱۱۸۷، وفی المطبوع تصحیف)

فقہ الحدیث کے لئے دیکھئے حدیث سابق: ۲۲۸۔۲۲۹

[تنبیہ: نضر اللّٰہ امرءًا اور نضر اللّٰہ امرأً دونوں طرح لکھنا صحیح ہے، جبکہ اول الذکر زیادہ فصیح ہے۔]

[۲۳۲] وعن ابن عباس رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ :((اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم فمن كذب عليَّ متعمّدًا فليتبوأ مقعده من النار .)) رواه الترمذي .

اور (سیدنا) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے حدیث بیان کرنے کے بارے میں بچو، سوائے اس کے جسے تم جانتے ہو، پس جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے۔
اسے ترمذی (۲۹۵۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے ترمذی، احمد (۲۹۳/۱ ح ۲۶۷۵، ۲۲۳/۱ ح ۲۹۷۴، ۳۲۷/۱ ح ۳۰۲۴) ابن ابی شیبہ (المصنف ۳/۸ ۵۷ ح ۲۶۲۴۴، المسند بحوالہ بیان الوہم والایہام لابن القطان ۲۵۳/۵ ح ۲۴۵۹) دارمی (۷۶/۱ ح ۲۳۸) طحاوی (شرح مشکل الآثار ۳۵۸/۱ ح ۳۹۲) طبرانی (المعجم الکبیر ۳۵/۱۲۔۳۶ ح ۱۲۳۹۳) ابویعلیٰ الموصلی (المسند ۲۲۸/۴ ح ۲۳۳۸، ۱۱۰/۵ ح ۲۷۲۱) بغوی (شرح السنہ ۲۵۷/۱ ح ۱۱۷، وقال: هذا حديث حسن) اور قاضی محمد بن سلامہ القضاعی (مسند الشہاب ۳۲۷/۱ ح ۵۵۴) نے ابوعوانہ الوضاح بن عبداللہ الیشکری عن عبدالاعلیٰ بن عامر الثعلبی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

اسے امام ترمذی اور بغوی نے حسن کہا، لیکن یہ سند عبدالاعلیٰ بن عامر کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس (عبدالاعلیٰ) کے بارے میں ہیثمی نے کہا: ''**والأكثر على تضعيفه** '' اور اکثر اس کی تضعیف پر ہیں۔ (مجمع الزوائد ۱۴۷/۱)

یعنی اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے اور جسے جمہور محدثین ضعیف قرار دیں وہ ضعیف ہی ہوتا ہے۔ عبدالاعلیٰ الثعلبی کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**لين ضعفه أحمد** '' وہ کمزور ہے، اسے احمد (بن حنبل) نے ضعیف قرار دیا۔ (الکاشف ۱۳۰/۲)

امام احمد نے فرمایا: ''**عبد الأعلى الثعلبي ضعيف الحديث** '' عبدالاعلیٰ الثعلبی ضعیف الحدیث ہے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۳۹۴/۱ فقرہ: ۸۷۷)

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ عبدالوہاب بن ابی عصمہ العکبری (توثیق نامعلوم): ثنا احمد بن حمید عن احمد بن حنبل کی سند سے عبدالاعلیٰ مذکور کے بارے میں مروی ہے کہ '' **منكر الحديث عن سعيد بن جبير** '' یعنی سعید بن جبیر سے وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔

(الکامل لابن عدی ۱۹۵۳/۵)

اس کی سند ابن ابی عصمہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: حافظ ابن القطان الفاسی نے روایت مذکورہ کو مسند ابن ابی شیبہ سے عبدالاعلیٰ کی سند کے ساتھ نقل کر کے کہا:

''**فالحديث صحيح من هذا الطريق** '' پس اس سند سے حدیث صحیح ہے۔ (بیان الوہم والایہام ۲۵۳/۵)

یہ عجیب وہم ہے، کیونکہ خود ابن القطان نے ایک روایت کو عبدالاعلیٰ الثعلبی کی وجہ سے ''**لا يصح** '' یعنی غیر صحیح قرار دیا اور محدثین کرام سے عبدالاعلیٰ مذکور پر جرح نقل کر رکھی ہے۔ دیکھئے بیان الوہم والایہام (۲۱۱/۴ ح ۱۷۰۲)

تنبیہ نمبر ۲: ابن جریر طبری نے کہا: '' **حدثنا ابن حميد قال: حدثنا جرير عن ليث عن بكر عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: من تكلم في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار** '' ہمیں (محمد) بن حمید (الرازی) نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں جریر (بن عبدالحمید) نے حدیث بیان کی، انھوں نے لیث (بن ابی سلیم) سے، اُس نے بکر (؟) سے، اُس نے سعید بن جبیر سے، انھوں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے (موقوفاً) بیان کیا: جس نے قرآن میں اپنی رائے کے ساتھ کلام کیا تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے۔ (تفسیر طبری ج ۱ ص ۲۷)

اس روایت کی سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

۱: محمد بن حمید الرازی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف اور مجروح ہے۔
۲: لیث بن ابی سلیم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھئے البدر المنیر لابن الملقن (۲۲۷/۷) خلاصۃ البدر المنیر (۷۸) اور زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۰۸)
۳: بکر کے تعین میں نظر ہے۔

حسین سلیم اسد (ایک عربی محقق) نے (محمد) ابن حمید (الرازی) کو عبد بن حمید (!) لیث کو لیث بن سعد (!) اور بکر کو بکر بن سوادہ (!) قرار دے کر لکھا ہے: ''**وهذا إسناد صحيح**'' اور یہ سند صحیح ہے۔ (مسند ابی یعلیٰ کا حاشیہ ۲۲۸/۹۔۲۲۹ ح ۲۳۳۸)

یہ عجیب وہم ہے اور ضعیف راویوں کی اس سند کو صحیح کہنا تو بالکل غلط ہے۔

فائدہ: ((**من كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار**)) والی حدیث صحیح بخاری (۱۱۰) اور صحیح مسلم (۳) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ثابت ہے اور نبی کریم ﷺ سے متواتر ہے۔ نیز دیکھئے حدیث ۲۳۳

[**۲۳۳**] **ورواه ابن ماجه عن ابن مسعود و جابرٍ ولم يذكر : ((اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم .))**

اور ابن ماجہ نے اسے (سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ، ح ۳۰) اور (سیدنا) جابر (رضی اللہ عنہ، ح ۳۳) سے (**من كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار .** کے الفاظ سے) روایت کیا ہے، لیکن انھوں نے: ''**اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم**'' [مجھ سے حدیث بیان کرنے کے بارے میں بچو! سوائے اس کے جسے تم جانتے ہو] کے الفاظ بیان نہیں کئے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سنن ترمذی (۲۲۵۷) میں بھی موجود ہے، امام ترمذی نے فرمایا: ''**هذا حديث حسن صحيح**'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث مسند احمد (۴۰۳/۱) وغیرہ میں بھی موجود ہے اور شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

حدیثِ مذکور متواتر ہے۔ دیکھئے قطف الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ (ح۱) لقط اللآلی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ (۱۷) اور نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ح۱)

[٢٣٤] وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ : ((من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار)) و في رواية :((من قال في القرآن بغير علم فليتبوأ مقعده من النار .)) رواه الترمذي .

اور (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کلام کرے گا تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے۔ اور ایک روایت میں ہے: جس نے قرآن میں علم کے بغیر کلام کیا تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے۔ اسے ترمذی (۲۹۵۰ وقال: حسن) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس کا راوی عبدالاعلیٰ بن عامر الثعلبی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف تھا۔ (دیکھئے حدیث سابق: ۲۳۲)

لہٰذا اس راوی کی وجہ سے یہ سند بھی ضعیف ہے، نیز اس کے شواہد بھی ضعیف ہیں۔ مثلاً دیکھئے روایت: ۲۳۵

[٢٣٥] وعن جندب قال قال رسول الله ﷺ : ((من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ .)) رواه الترمذي و أبو داود.

اور (سیدنا) جندب (بن عبداللہ بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن میں رائے سے کلام کرے اور اس کا کلام صحیح ہو تو بھی اُس نے غلطی کی۔ اسے ترمذی (۲۹۵۲) اور ابو داود (۳۶۵۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا: "هذا حديث غريب ، وقد تكلّم بعض أهل الحديث في سهيل بن أبي حزم" یہ حدیث غریب ہے، بعض اہلِ حدیث (محدثین) نے سہیل بن ابی حزم پر جرح کی ہے۔ (سنن ترمذی ص ۶۶۰)

ابوبکر سہیل بن ابی حزم القطعی البصری ضعیف ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۲۶۷۲)

[٢٣٦] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((المراء في القرآن كفر .)) رواه أحمد و أبو داود .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ اسے احمد (۲۸۶/۲ ح ۷۸۳۵، ۵۰۳/۲ ح ۱۰۵۴۶) اور ابوداود (۴۶۰۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

اسے ابن حبان (۷۳) حاکم (۲۲۳/۲ ح ۲۸۸۲) اور ذہبی تینوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے راوی محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث تھے اور باقی سند صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: مراء (جھگڑے) سے مراد شک وشبہے کی بنیاد پر قرآن مجید کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرنا یا آیات کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر کتاب اللہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے۔

۲: قرآن مجید کے بارے میں شک کرنا کفر ہے۔

۳: آیاتِ قرآنیہ کو باہم ٹکرانا اور ساقط قرار دینا کفر اور حرام ہے، لہٰذا اہلِ اسلام کو ایسی حرکتوں سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے۔

۴: جو شخص قرآن مجید کے فہم کے لئے احادیثِ صحیحہ، آثارِ صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کی طرف رجوع کرتا ہے، وہ اللہ کے فضل و کرم سے ہر قسم کے کفر، گمراہی، بدعات اور غلطیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

۵: جس طرح قرآن کو قرآن سے ٹکرانا کفر اور حرام ہے، اسی طرح احادیثِ صحیحہ کو بھی قرآن سے ٹکرانا حرام اور باطل ہے۔

۶: دنیا کے تمام کفار اور گمراہوں (مبتدعین، ضالّین، مضلّین) کی دو قسمیں ہیں:

① قرآن مجید کے کلام ہونے کے بارے میں شک اور انکار کرتے ہیں۔

② قرآن کو قرآن سے یا احادیثِ صحیحہ کو قرآن سے ٹکرا کر دینِ اسلام کا انکار کر کے کفر اور گمراہیوں کے دروازے کھولتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

[**۲۳۷**] وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال :سمع النبي قومًا يتدارؤون في القرآن فقال : ((إنما هلك من كان قبلكم بهذا ، ضربوا كتاب اللّٰه بعضه ببعض و إنما نزل كتاب اللّٰه يصدق بعضه بعضًا فلا تكذبوا بعضه ببعض فما علمتم منه فقولوا وما جهلتم فكلوه إلى علمه .))

رواه أحمد وابن ماجه .

اور عمرو بن شعیب (بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص) سے روایت ہے، انھوں نے اپنے ابا (شعیب بن محمد) سے، انھوں نے اُن کے دادا (سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو قرآن کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے سُنا تو فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس کے ساتھ ہلاک ہوئے، انھوں نے کتاب اللہ کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا دیا اور کتاب اللہ تو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہوئے نازل ہوئی تھی، لہٰذا تم بعض کو بعض سے ٹکرا کر نہ جھٹلاؤ، پھر جو جانتے ہو تو وہ کہو اور جو نہیں جانتے تو اسے اس کے عالم کے سپرد کر دو۔

اسے احمد (۲/۱۸۵ ح ۶۷۴۱ واللفظ لہ) اور ابن ماجہ (۹۵)
نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: مسند احمد کی سند ضعیف ہے۔

مسند احمد کی روایت میں امام ابن شہاب الزہری مدلس ہیں۔

دیکھئے علل الحدیث لابن ابی حاتم (۲/۲۴۱ ح ۳۲۴) شرح معانی الآثار للطحاوی (۱/۵۵ باب مس الفرج) اور طبقات المدلسین لابن حجر (۳/۱۰۲ طبقہ ثالثہ)

اور یہ روایت عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

سنن ابن ماجہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور وہ تقدیر کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا یعنی اختلاف کر رہے تھے۔ غصے کی وجہ سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا گویا کہ انار نچوڑ دیا گیا تھا، پھر آپ نے فرمایا: ((**بهذا أمرتم أو لهذا خلقتم ؟ تضربون القرآن بعضه ببعضٍ! لهذا هلكت الأمم قبلكم .**)) کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے یا کیا تم اس کے لئے پیدا کئے گئے ہو؟ تم قرآن کو ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہو! تم سے پہلے والی اُمتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔ الخ (سنن ابن ماجہ بتحقیق الالبانی ص ۳۱)

اس کی سند حسن ہے اور بوصیری نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (تسہیل الحاجہ فی تحقیق سنن ابن ماجہ قلمی ص ۶ ح ۸۶)

فقه الحديث:

۱: تقدیر کے مسئلے میں اہلِ ایمان کا باہمی اختلاف جائز نہیں ہے۔

۲: کتاب اللہ کو ایک دوسرے سے ٹکرانا ہلاک شدہ اُمتوں (مثلاً یہود ونصاریٰ) کا وطیرہ ہے۔

۳: کتاب اللہ میں کوئی تعارض نہیں ہے اور اسی طرح قرآن وحدیث میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔

۴: اگر مناسب نتیجہ نکلنے کی اُمید ہو تو کتاب وسنت کے منافی اُمور کا سختی سے رد کرنا بھی جائز ہے۔

۵: رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی تربیت کا ہر وقت خیال رکھتے تھے۔

۶: کتاب وسنت کے خلاف اُمور میں مداہنت اور نرمی ناجائز ہے۔

۷: رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔

۸: کتاب وسنت کے خلاف اُمور پر غصہ آجانا فطری اور قابلِ تعریف ہے۔

۹: شریعتِ اسلامیہ میں اہل ایمان کا باہمی اتحاد ہر حال میں ضروری ہے۔

۱۰: بطورِ فائدہ عرض ہے کہ ''اختلاف أمتي رحمة '' [میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے] کے الفاظ سے جو روایت بیان کی جاتی ہے، اس کی کوئی سند کسی کتاب میں موجود نہیں، بلکہ یہ موضوع روایت ہے جس کا بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

[۲۳۸] وعن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :((أنزل القرآن علی سبعة أحرف لکل آیة منها ظهر و بطن ولکل حد مطلع .))
رواه في شرح السنة .

اور (سیدنا عبداللہ) بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن (یعنی ظاہری اور باطنی معنی) ہے اور ہر حد (انتہا) کے لئے ایک مقام ہے۔ اسے (بغوی نے) شرح السنہ (۲۶۳/۱ تحت ح ۱۲۲) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: ضعیف ہے۔

یہ روایت شرح السنۃ میں مکمل سند کے بغیر ہے (ص ۲۶۳ ج ۱) لیکن تفسیر ابن جریر الطبری (ج ۱ ص ۹) میں اس کی سند موجود ہے۔ یہ سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

۱: واصل بن حیان الاحدب کا استاد (عمن ذکره) مجہول ہے۔

۲: مغیرہ بن مقسم مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے۔

۳: محمد بن حمید الرازی سخت ضعیف اور جمہور کے نزدیک مجروح ہے۔

تفسیر ابن جریر میں اس کی دوسری سند بھی ہے جس میں محمد بن حمید الرازی سخت ضعیف، مہران بن ابی عمر کی سفیان ثوری والی روایات میں غلط کثیر، سفیان ثوری مدلس اور ابراہیم بن مسلم الہجری لین الحدیث (ضعیف) ہے۔

شرح السنہ (۲۶۲/۱ ح ۱۲۲) میں حسن بصری رحمہ اللہ سے اس مفہوم کی ایک مرسل روایت ہے، جس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

صحیح ابن حبان (الاحسان: ۷۵) میں اس مفہوم کی ایک مختصر روایت ہے جس کی سند محمد بن عجلان اور ابواسحاق السبیعی دو مدلسوں کی تدلیس (عن عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

تنبیہ: قرآن کا سات حرفوں میں نازل ہونا بالکل صحیح ہے۔ دیکھئے مسند احمد (۳۰۰/۲) صحیح ابن حبان (۷۴ وسندہ صحیح) اور میری کتاب: توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری (ص ۷۲۔۷۵)

[۲۳۹] وعن عبد اللّٰه بن عمرو قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((العلم ثلاثة : آية محكمة أوسنة قائمة أوفريضة عادلة وما كان سوى ذلك فهو فضل .)) رواه أبو داود و ابن ماجه .

اور (سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم تین ہیں: محکم آیت یا سنتِ قائمہ یا فریضۂ عادلہ اوران کے سوا جو کچھ ہے وہ زیادہ یا فضول ہے۔ اسے ابوداود (۲۸۸۵) اور ابن ماجہ (۵۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت میں عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی اور اس کا استاد عبدالرحمٰن بن رافع التنوخی دونوں ضعیف ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸۶۲، ۳۸۵۶) اور کتب اسماء الرجال

تنبیہ: محکم آیت سے مراد وہ آیت ہے جس کا مطلب صاف اور واضح ہو، تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ سنتِ قائمہ سے مراد قائم و دائم اور ثابت شدہ سنت ہے۔

فریضہ عادلہ سے مراد عدل وانصاف والا فرض ہے، جس میں لوگوں کے لئے خیر ہی خیر ہے۔

یہ مختصر لغوی تشریح بطورِ فائدہ و تفہیم کر دی ہے، ورنہ ضعیف روایت کے فقہ الحدیث کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

[۲۴۰] وعن عوف بن مالك الأشجعي قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ((لا يقصّ إلا أمير أو مأمور أو مختال .)) رواه أبو داود .

اور (سیدنا) عوف بن مالک الاشجعی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصے بیان نہیں کرتا مگر امیر (حاکم) یا مامور (جسے امیر نے حکم دیا ہو) یا متکبر۔ اسے ابوداود (۳۶۶۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

اس روایت کی اور بھی کئی سندیں اور شواہد ہیں، جن کے ساتھ یہ صحیح لغیرہ ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ کلام کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں:

مذکّر، واعظ اور قصہ گو۔

مذکّر وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائے اور مطالبہ کرے کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔

واعظ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے تاکہ وہ گناہوں سے بچ جائیں۔

قصہ گو وہ ہے جو لوگوں کے سامنے اسلاف کے قصے بیان کرے اور ان میں کمی بیشی کا خطرہ ہو۔ (معالم السنن للخطابی ج ۴ ص ۱۸۸، ملخصاً)

۲: روایتِ مذکورہ میں امیر سے مراد مسلمان حاکم اور صاحبِ اقتدار ہے۔

دیکھئے الکاشف عن حقائق السنن یعنی شرح الطیبی (۱/۴۳۷) اور مرقاۃ المفاتیح (۱/۵۰۲)

عون المعبود میں ہے: ''إلا أمير أي حاكم '' سوائے امیر کے یعنی حاکم کے۔ (۳/۳۶۲)

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں کاغذی جماعتوں کے کاغذی اور خود ساختہ امیر مراد نہیں ہیں بلکہ شرعی حاکم صاحبِ اقتدار اور خلیفہ مراد ہے۔

تکفیریوں اور خارجیوں کی ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ'' ہو یا دوسری جماعتیں، یہ سب ''ولا تفرّقوا '' کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل اور غلط ہیں، لہٰذا ((فاعتزل تلك الفرق كلها)) کی رُو سے ان سے اجتناب ضروری ہے۔

۳: یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حدیث خطبے کے بارے میں ہے۔ (دیکھئے شرح السنہ للبغوی ۱/۳۰۳ ح ۱۴۲)

۴: اس حدیث میں ''لا '' ممانعت نہیں بلکہ نفیِ وقوع اور خبر ہے یعنی عام طور پر یہ کام یہی تین لوگ کرتے ہیں۔

دیکھئے شرح الطیبی (۱/۴۳۷)

۵: اس حدیث کا ایک حسن لذاتہ شاہد مسند احمد (۲/۱۷۸ ح ۶۶۶۱) میں ہے۔

۶: اگر خلیفہ یا مسلمان حاکم موجود نہ ہو تو پھر ''بلّغوا عني و لو آية'' اور دیگر دلائل کی رُو سے صحیح العقیدہ اہلِ علم کے لئے وعظ و نصیحت اور خطبات بیان کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔

۷: سنن ابی داود کی حدیثِ مذکور کے راوی عباد بن عباد الخواص ثقہ تھے۔ دیکھئے میری کتاب: نور العینین (ص ۳۴۸)

۸: نیز دیکھئے حدیث: ۲۴۱

[**۲٤۱**] ورواه الدارمي عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده و في روايته بدل ((أو مختال .))

اور اسے دارمی (۲/۳۱۹ ح ۲۷۸۲) نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کیا اور ان کی روایت میں ''أو مختال '' کے بدلے میں [''أو مراء ''] ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح ہے۔

دارمی (۲۷۸۲) اور ابن ماجہ (۳۷۵۳) کی سند میں عبداللہ بن عامر الاسلمی ضعیف راوی ہے، لیکن عبدالرحمٰن بن حرملہ بن عمرو الاسلمی (صدوق حسن الحدیث، وثقہ الجمہور) نے اس کی متابعتِ تامہ کر رکھی ہے، یعنی یہی حدیث عمرو بن شعیب سے عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کی ہے۔ (دیکھئے مسند احمد ۲/۱۷۸، وسندہ حسن)

لہٰذا یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔ فقہ الحدیث کے لئے دیکھئے حدیث سابق: ۲۴۰

[**٢٤٢**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((من أفتي بغير علم كان إثمه علىٰ من أفتاه ومن أشار علىٰ أخيه بأمر يعلم أن الرشد في غيره فقد خانه .)) رواه أبو داود .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ اُس پر ہوگا جس نے فتویٰ دیا، اور جس نے اپنے بھائی کو ایسا مشورہ دیا، باوجودیکہ وہ جانتا تھا کہ خیر اور بھلائی دوسری طرف ہے تو اُس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی۔ اسے ابوداود (٣٦٥٧) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح کہا ہے۔!

فقہ الحدیث:

١: لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ جو مسئلہ بتاتے ہیں یعنی علماء

دوم: وہ جو مسئلہ پوچھتے ہیں یعنی عوام

٢: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دلیل (مثلاً قرآن، حدیث اور اجماع) یا دلیل نہ ہونے کی صورت میں ذاتی اجتہاد (مثلاً آثارِ سلف صالحین سے استدلال، عموم سے استدلال، صحیح قیاس اور دیگر اجتہادی دلائل) کے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں بلکہ غلط وممنوع ہے۔

٣: غلط فتویٰ دینے والا گناہ گار ہے اور اس فتوے کا وبال اُسی پر ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**من أفتی بفتیا یعمی فیها فإنما إثمها علیه**'' جس نے ایسا فتویٰ دیا جس میں دھوکا دیا جاتا ہے تو اس کا گناہ اُس فتویٰ دینے والے پر ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ٢/١٣٢ ح ٨٥٩ وسندہ حسن، سنن الدارمی: ١٦٢)

٤: بغیر علم کے فتویٰ دینا ممنوع ہے، جیسا کہ نمبر ١ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

٥: ہمیشہ کھلے دل سے بہترین مشورہ دینا چاہئے۔

٦: حق چھپانا حرام ہے۔

٧: مشہور امانت ہے، لہٰذا جب کوئی مشورہ طلب کرے تو مفید مشورہ دینا چاہئے۔ غلط اور خیر خواہی کے خلاف مشورہ دے کر خیانت کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے۔

[۲٤۳] وعن معاوية قال :إن النبي ﷺ نهى عن الأغلوطات . رواه أبو داود .

اور (سیدنا) معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غلط مسائل اور مغالطہ آمیز باتوں سے منع فرمایا ہے۔ اسے ابوداود (٣٦٥٦) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

عبداللہ بن سعد بن فروہ البجلی الدمشقی کو صرف ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور کہا: ''یخطئ'' وہ غلطی کرتا تھا۔ (۳۹/۷)

مغلطائی حنفی نے بتایا کہ ساجی نے کہا: ''ضعفه أهل الشام في الحديث'' اسے شامیوں نے حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے۔

(اکمال مغلطائی ۲۷۵/۲ بحوالہ حاشیہ تہذیب الکمال ۱۴۷/۴)

یہ راوی مجہول الحال ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

[۲٤٤] وعن أبي هريرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ((تعلّموا الفرائض والقرآن وعلّموا الناس فإني مقبوض .)) رواه الترمذي .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرائض (وراثت) اور قرآن کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ میں وفات پانے والا ہوں۔ اسے ترمذی (۲۰۹۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: ضعیف روایت ہے۔

سنن ترمذی والی سند سخت ضعیف بلکہ موضوع ہے:

۱: ابوابراہیم محمد بن القاسم الاسدی الکوفی الشامی عرف کاؤ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا: ''کذبوه'' محدثین نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۶۲۲۹)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''یکذب ، أحاديثه أحاديث موضوعة ، ليس بشئ'' وہ جھوٹ بولتا تھا، اس کی حدیثیں موضوع ہیں، وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ (کتاب العلل و معرفۃ الرجال ۳۰۰/۱ فقرہ ۱۸۱۳، دوسرا نسخہ ۱۷/۲ فقرہ ۱۸۹۹)

۲: فضل بن دلہم القصاب البصری الواسطی ''لین ورمي بالاعتزال'' تھا یعنی وہ ضعیف تھا، محدثین نے اسے معتزلی قرار دیا۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۴۰۲)

اس کی دوسری سند میں سلیمان بن جابر اور اس کا شاگرد (رجل) دونوں مجہول ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۵۴۱)

سنن ابن ماجہ (۲۷۱۹) وغیرہ میں اس روایت کے ضعیف شواہد بھی ہیں جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

[٢٤٥] وعن أبي الدرداء قال :كنا مع رسول الله ﷺ فشخص ببصره إلى السماء ثم قال :((هذا أوان يختلس فيه العلم من الناس حتى لا يقدروا منه على شئ .)) رواه الترمذي .

اور (سیدنا) ابو الدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر فرمایا: یہ وقت ہے کہ لوگوں سے علم چھین لیا جائے گا حتیٰ کہ وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھ سکیں گے۔ اسے ترمذی (٢٦٥٣) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم (١/٩٩ ح ٣٣٨) اور ذہبی دونوں نے صحیح قرار دیا اور اس کی دوسری سند مسند احمد (٦/٢٦-٢٧) میں ہے، جسے ابن حبان (١١٥) حاکم (١/٩٨-٩٩ ح ٣٣٧) اور ذہبی تینوں نے صحیح قرار دیا اور اس کی سند حسن ہے۔

فقہ الحدیث:

١: اس حدیث میں نبی ﷺ کی وفات اور وحی کے اختتام کی طرف اشارہ ہے۔

٢: اُمت کے بعض حصے میں بدعات اور گمراہیاں پیدا ہوں گی، جن کے پھیلنے کا اصل سبب عدمِ علم اور جہالت ہوگی۔

أعاذنا الله منها

٣: قیامت سے پہلے جہالت کا دور دورہ ہوگا۔

[٢٤٦] وعن أبي هريرة رواية : ((يوشك أن يضرب الناس أكباد الإبل يطلبون العلم فلا يجدون أحدًا أعلم من عالم المدينة .))

رواه الترمذي في جامعه . قال ابن عيينة :إنه مالك بن أنس و مثله عن عبدالرزاق . قال إسحاق بن موسى : و سمعت ابن عيينة أنه قال :هو العُمَريُّ الزاهد و اسمه عبدالعزيز بن عبدالله .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے (کہ نبی ﷺ نے فرمایا:) قریب ہے کہ لوگ طلبِ علم کے لئے اونٹوں پر لمبے لمبے سفر کریں گے تو مدینے کے عالم سے بڑا عالم کوئی نہیں پائیں گے۔ اسے ترمذی (٢٦٨٠) نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔ (سفیان) بن عیینہ نے (ایک قول میں) کہا: بے شک وہ مالک بن انس ہیں اور عبدالرزاق نے (بھی) اسی طرح کی بات کہی۔ اسحاق بن موسیٰ نے کہا: اور میں نے ابن عیینہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ عبدالعزیز بن عبداللہ العمری الزاہد ہیں۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں ابن جریج اور ابو الزبیر المکی دونوں مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ الانتقاء لابن عبدالبر (ص ۲۰) میں اس کا ایک منقطع (یعنی ضعیف) شاہد بھی ہے۔

فائدہ: جب یہ روایت ضعیف ہے تو پھر یہ کہنا کہ "اس سے مراد فلاں ہیں یا فلاں" اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ بالکل برحق ہے کہ امام مالک بہت بڑے ثقہ امام تھے اور عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر العمری بھی ثقہ تھے، لیکن پہلے حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے، اس کے بعد ہی فقہ الحدیث پر غور ہو سکتا ہے۔

[**۲۴۷**] **وعنه فيما أعلم عن رسول الله ﷺ قال : ((إن اللّٰه عزّ وجل يبعث لهذه الأمة علىٰ رأس كل مائة سنةٍ من يُجدّد لها دينها .)) رواه أبو داود .**

اور میرے علم کے مطابق (یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سر پر انھیں مبعوث فرمائے گا جو اس کے دین کی تجدید کریں گے۔

اسے ابوداود (۴۲۹۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند حسن ہے۔

۱: ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ پیدا کئے جائیں گے جو صحیح العقیدہ پکے مسلمان اور کتاب وسنت کے جلیل القدر علماء ہوں گے، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تجدید یعنی مسلکِ حق کا پرچار اور بدعات کا رد فرمائے گا۔ یہ ایک آدمی بھی ہو سکتا ہے اور ایک جماعت بھی بلکہ ایک جماعت والی بات زیادہ راجح ہے۔

۲: مجددین کون ہیں اور قرونِ سابقہ میں ان کے کیا نام تھے؟ اس بارے میں واضح کوئی دلیل نہیں، لہٰذا سکوت بہتر ہے۔

بہت سے لوگوں نے اپنے نمبر بڑھانے کے لئے اپنے اپنے پسندیدہ اشخاص کو مجددین میں شامل کر لیا ہے، حالانکہ ان میں سے کئی ایسے بھی ہیں جن کے عقائد کا صحیح ہونا ثابت نہیں اور نہ وہ حدیث کا علم جانتے تھے۔

اگر واقعی کوئی مجددین ہیں تو وہ صرف صحیح العقیدہ محدثین کرام ہیں، جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی احادیث کا دفاع کر کے اسلام کے علَم کو ہمیشہ سر بلند رکھا اور تقلید کے پرخچے اڑا دیئے۔

رہ گئے وہ لوگ جو "ما مقلداں را جائز نیست..." وغیرہ طریقوں سے اندھی تقلید کی طرف دعوت دیتے رہے انھیں مجددین کی فہرست میں شامل کرنا غلط ہے۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو حنفی باور کراتے رہے اور مجددیت کا تاج بھی اپنے سروں پر رکھنے کی کوشش کی۔ یہ تو مرنے کے بعد پتا چلے گا کہ کون مجدد تھا اور کون مخرّب تھا؟

سوف ترى إذا انكشف الغبار أفرس تحت رجلك أم حمار

[۲٤۸] وعن إبراهيم بن عبدالرحمٰن العذري قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين و تأويل الجاهلين . رواه البيهقي .
وسنذكر حديث جابر :((فإنما شفاء العي السؤال)) في باب التيمم إن شاء اللّٰه تعالى.

اور ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر اخلاف سے یہ علم ان کے ہم پایہ (عادل) لوگ حاصل کریں گے، جو غالیوں کی تحریفات، باطل پرستوں کی غلط باتیں اور جاہلوں کی تاویلیں مٹا کر ختم کر دیں گے۔ اسے بیہقی (۱۰/ ۲۰۹) نے روایت کیا ہے۔ اور جابر (رضی اللہ عنہ) والی حدیث ''پس اندھے کی شفا سوال کرنا ہے'' تیمم کے باب (ح ۵۳۱) میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

تحقیق الحدیث: العذری والی روایت ضعیف ہے۔

اس کی سند میں معان بن رفاعہ السلامی ضعیف ہے۔ (قال الحافظ : لین الحدیث کثیر الإرسال / تقریب التہذیب: ۶۷۴۷) وضعفه الجمهور

ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری تابعی تھے، لہٰذا یہ سند مرسل یعنی منقطع ہے۔

اس روایت کے تمام شواہد ضعیف ہیں، لہٰذا اسے صحیح قرار دینا غلط ہے۔



الفصل الثالث

[۲٤۹] عن الحسن مرسلاً قال قال رسول الله ﷺ :((مَن جاءه الموت وهو يطلب العلم ليحيي به الإسلام فبينه و بين النبيين درجةٌ واحدةٌ في الجنة .)) رواه الدارمي .

اور الحسن (البصری رحمہ اللہ) سے مرسل (یعنی منقطع) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص موت تک طلبِ علم کرتا رہے گا تاکہ اسلام زندہ رہے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔ اسے دارمی (۱/۱۰۰ ح ۳۶۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف بلکہ سخت ضعیف ہے۔

اس روایت میں نصر بن القاسم، محمد بن اسماعیل اور عمرو بن کثیر تینوں مجہول ہیں، لہٰذا یہ امام الحسن البصری رحمہ اللہ سے بھی ثابت نہیں ہے۔

اس کا ایک موضوع شاہد الاوسط للطبرانی (۹۴۵۰) اور تاریخ بغداد (۳/۷۸) میں موجود ہے جس کا راوی عباس بن بکار الضبی البصری: کذاب ہے، جیسا کہ امام دارقطنی نے فرمایا۔ دیکھئے الضعفاء والمتروکون للدارقطنی (۴۲۳) باقی سند بھی ضعیف و مردود ہے۔

[۲۵۰] وعنه مرسلاً قال :سئل رسول الله ﷺ عن رجلين كانا في بني إسرائيل :أحدهما كان عالمًا يصلّي المكتوبة ثم يجلس فيعلم الناس الخير والآخر يصوم النهار و يقوم الليل، أيّهما أفضل ؟ قال رسول الله ﷺ :((فضل هذا العالم الذي يصلي المكتوبة ثم يجلس فيعلم الناس الخير على العابد الذي يصوم النهار ويقوم الليل كفضلي على أدناكم . رواه الدارمي .

اور انھی (حسن بصری رحمہ اللہ) سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا گیا: ان میں سے ایک عالم تھا، فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا، پھر لوگوں کو خیر سکھاتا تھا، اور دوسرا (مسلسل) دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا تھا۔ ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ عالم جو فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا، پھر لوگوں کو خیر سکھاتا تھا، اس کو اس عابد پر جو دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتا تھا، اس طرح فضیلت ہے جس طرح مجھے تم سب پر فضیلت حاصل ہے۔

اُسے دارمی (۱/۹۸ ح ۳۴۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: امام اوزاعی کی حسن بصری سے ملاقات اور سماع میں نظر ہے۔

۲: مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے، جیسا کہ اصولِ حدیث میں مقرر ہے۔

بعض علماء حسن بصری کی مراسیل کو صحیح سمجھتے تھے، لیکن یہ قول مرجوح ہے اور صحیح یہ ہے کہ تابعین کی مراسیل حجت نہیں بلکہ ضعیف کی قسم سے ہیں، چاہے حسن بصری کی مراسیل ہوں یا سعید بن المسیب رحمہما اللہ کی۔

نیز دیکھئے الحدیث: ۶۹ ص ۱۴، اور معرفۃ السنن والآثار (۳/۸۷)

تنبیہ: حدیث سابق (۲۱۳) اس ضعیف روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ والحمد للہ

[**۲۵۱**] وعن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ((**نِعم الرجل الفقيه في الدين إن احتيج إليه نفع و إن استغني عنه أغنى نفسه .**)) رواه رزين

اور (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین میں فقیہ اچھا آدمی ہے، اگر اس کی ضرورت ہو تو نفع دیتا ہے اور اگر ضرورت نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو بے نیاز رکھتا ہے۔ اسے رزین (؟) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: موضوع ہے۔

رزین کی سند نہیں ملی اور نہ اُن کی کتاب کا کہیں نام ونشان ملا ہے، یعنی وہ ہمارے علم کے مطابق مفقود کتابوں میں سے ہے۔ تاریخ دمشق لابن عساکر (۴۸/۲۰۳) میں اس روایت کی سند موجود ہے، جس میں عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی راوی سخت مجروح اور متروک الحدیث ہے۔ حافظ ابن حبان نے فرمایا: وہ اپنے آباء واجداد سے موضوع چیزیں روایت کرتا تھا۔

(کتاب المجروحین ۲/۱۲۲، دوسرا نسخہ ۲/۱۰۳)

یہ روایت بھی اس نے اپنے آباء واجداد سے ہی بیان کی ہے۔

ابن عساکر سے عیسیٰ بن عبداللہ تک سند بھی ثابت نہیں بلکہ باطل ہے۔

[**٢٥٢**] وعن عكرمة أن ابن عباس قال :حدّث الناس كل جمعة مرة فإن أبيت فمرتين فإن أكثرت فثلاث مرات ولا تمل الناس هذا القرآن ولا ألفينك تأتي القوم وهم في حديثٍ من حديثهم فتقص عليهم فتقطع عليهم حديثهم فتملهم ولكن أنصت فإذا أمرك فحدّثهم وهم يشتهونه وانظر السجع من الدعاء فاجتنبه فإني عهدت رسول الله ﷺ و أصحابه لا يفعلون ذلك . رواه البخاري .

اور عکرمہ (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: لوگوں کو ہر جمعے (یعنی ہر ہفتے) میں ایک دفعہ حدیث بیان کیا کر اور اگر تو اسے نہیں مانتا تو دو دفعہ بیان کر اور اگر تو بہت زیادہ کرنا چاہتا ہے تو تین دفعہ بیان کر اور لوگوں کو اس قرآن سے اکتاہٹ میں مبتلا نہ کرنا، اور میں تجھے اس حال میں نہ پاؤں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ اپنی باتوں میں لگے ہوئے ہوں پھر تم انھیں وعظ سنانا شروع کردو، تاکہ ان کی باتیں ختم ہو جائیں، پھر وہ اُکتا جائیں لیکن خاموش رہ، پھر اگر وہ تجھے حکم دیں تو اس حال میں انھیں حدیثیں سناؤ کہ وہ اس کا شوق رکھتے ہوں۔ دعا میں مسجع مقفیٰ (یعنی شاعرانہ) الفاظ سے بچو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو پایا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ اسے بخاری (٦٣٣٧) نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (٦٣٣٧)

فقہ الحدیث:

١: اگر لوگ تنگ ہوتے ہوں تو روزانہ وعظ نہیں کرنا چاہئے۔

٢: موقع محل کا خاص خیال رکھنا چاہئے اور جب لوہا گرم ہو تو اس پر کاری ضرب لگانی چاہئے۔

٣: دیوبندی تبلیغی جماعت کے غلط عقائد کے ساتھ ساتھ اُن کے مروجہ عمل میں بھی نظر ہے۔

٤: اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے انتہائی عاجزی اور سادگی کا اظہار ہونا چاہئے اور ہر قسم کے تصنع اور تکلف سے اجتناب ضروری ہے۔

٥: اہلِ علم کو چاہئے کہ وہ لوگوں کی ضروریات کا بھی خیال رکھیں۔

٦: علماء کو چاہئے کہ اپنے شاگردوں کی تربیت کا ہمیشہ بہت خیال رکھیں تاکہ وہ اُن کے حلقۂ درس سے ہیرے اور علم و عمل کے مینار بن کر نکلیں۔

٧: اگر کوئی شخص ٹیپ ریکارڈر پر تلاوت سن رہا ہے اور اب کسی ضرورت کی وجہ سے ٹیپ بند کرنا چاہتا ہے تو جب آیتِ کریمہ مکمل ختم ہو جائے تب ٹیپ بند کرے یعنی درمیان میں سے اسے کاٹ نہ دے۔

۸: عوام کو بھی چاہیئے کہ جب انھیں کتاب وسنت کی دعوت دی جائے تو غور سے سنیں اور بغیر شرعی عذر کے بھاگنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ ان کے لئے اس دعوت میں دونوں جہانوں کی کامیابی اور خیر ہے۔

۹: مرجوح کے مقابلے میں راجح کو اختیار کرنا بہتر ہے۔

۱۰: جس طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی نصیحت میں حدیثِ رسول اور آثارِ سلف صالحین کا حوالہ دیا، اسی طرح اپنے بیان اور دعوت میں کتاب وسنت کے حوالوں اور آثارِ سلف صالحین پیش کرنے کا التزام کرنا چاہیئے تاکہ عوام کے دلوں پر گہرا اثر ہو۔

[**۲۵۳**] وعن واثلة بن الأسقع قال قال رسول الله ﷺ : ((مَن طلب العلم فأدركه كان له كفلان من الأجر، فإن لم يدركه كان له كفل من الأجر)) رواه الدارمي .

اور (سیدنا) واثلہ بن اَسقع (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم طلب کرے اور اسے پالے تو اُسے دوگنا اجر ملتا ہے اور اگر پا نہ سکے تو اسے ایک حصہ اجر ملتا ہے۔ اسے دارمی (۱/۹۷ ح ۳۴۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس میں یزید بن ربیعہ الصنعانی سخت ضعیف و مجروح راوی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں گواہی دی: ''حديثه مناكير'' اس کی حدیثیں منکر ہیں۔

(کتاب الضعفاء مع تحقیقی: تحفۃ الاقویاء ص ۱۱۹، رقم: ۴۱۴)

امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''متروك الحديث'' یعنی وہ حدیث میں متروک ہے۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۶۴۳)

اُس پر مزید جروح کے لئے دیکھئے لسان المیزان (۶/۲۸۶)

[**۲۵۴**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((إن مما يلحق المؤمن من عمله و حسناته بعد موته : علمًا علمه و نشره وولدًا صالحًا تركه أو مصحفًا ورّثه أو مسجدًا بناه أو بيتًا لابن السبيل بناه أو نهرًا أجراه أو صدقةً أخرجها من ماله في صحته و حياته، تلحقه من بعد موته .)) رواه ابن ماجه والبيهقي في شعب الإيمان .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کی موت کے بعد اس کی نیکیوں اور اعمال میں سے جو چیزیں اسے پہنچتی ہیں وہ اس کا علم ہے جو اس نے سکھایا اور پھیلایا، نیک اولاد جو وہ چھوڑ جائے، یا قرآن مجید جو اس نے بطورِ وراثت چھوڑا، مسجد جو اس نے بنائی یا مسافروں کے لئے گھر تعمیر کیا، نہر جو اس نے جاری کی یا اپنے مال سے حالتِ صحت اور اپنی زندگی میں صدقہ نکالا، یہ

اس کی موت کے بعد (بھی) اُسے پہنچتے ہیں یعنی ان کا ثواب اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔
اسے ابن ماجہ (۲۴۲) اور بیہقی نے شعب الایمان (۳۴۴۸، دوسرا نسخہ: ۳۱۷۴) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے امام ابن خزیمہ (۱۲۱/۴ ح ۲۴۹۰) نے روایت کیا، یعنی صحیح قرار دیا ہے لیکن مرزوق بن ابی الہذیل الثقفی الدمشقی کے بارے میں محدثینِ کرام کا اختلاف ہے۔

دحیم، ابوحاتم الرازی اور ابن خزیمہ نے اس کی توثیق کی ہے اور حافظ منذری نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، جبکہ بخاری، ابن حبان، عقیلی، ابن عدی، ابن الجوزی اور ابن حجر العسقلانی وغیرہم نے اُس پر جرح کی ہے لہٰذا جمہور کے نزدیک مضعّف ہونے کی وجہ سے وہ ضعیف الحدیث راوی ہے۔

حافظ ذہبی نے مرزوق مذکور کو اپنی کتاب دیوان الضعفاء والمتروکین (۳۵۲/۲ ت ۴۰۷۵) میں ذکر کیا اور ابن حبان سے نقل کیا کہ "**ينفرد عن الزهري بالمناكير**" وہ زہری سے منکر روایتوں کے ساتھ منفرد ہوتا ہے۔

روایتِ مذکورہ بھی مرزوق: حدثنا الزہری کی سند سے ہے، جبکہ دوسری طرف امام دحیم نے مرزوق کو زہری سے صحیح الحدیث قرار دیا، لیکن جمہور کو ترجیح کی وجہ سے جرح راجح ہے۔

[۲۵۵] **وعن عائشة أنها قالت :سمعت رسول الله ﷺ يقول :((إن الله عزّوجل أوحى إليّ :أنه من سلك مسلكًا في طلب العلم سهّلتُ له طريق الجنة ومن سلبتُ كريمتيه أثبتُه عليهما الجنة . وفضل في علم خير من فضلٍ في عبادة . وملاك الدين الورع .)) رواه البيهقي فى شعب الإيمان .**

اور (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ عزوجل نے میری طرف وحی کی ہے کہ جو شخص طلبِ علم میں کسی راستے پر چلا تو میں اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہوں، اور میں جس کی دونوں آنکھوں کی بینائی لے لوں تو اس کے لئے جنت واجب کر دیتا ہوں اور علم میں فضیلت عبادت میں فضیلت سے بہتر ہے اور دین میں اعلیٰ ترین (اہم ترین) بات پرہیزگاری ہے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان (۵۷۵۱، دوسرا نسخہ: ۵۳۶۷) میں روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند موضوع ہے۔

اس کی سند میں محمد بن عبدالملک الانصاری سخت مجروح بلکہ کذاب ہے۔

دیکھئے میری کتاب: تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء (ص ۱۰۰ ت ۳۴۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "**قد رأيت محمد بن عبدالملك و كان أعمى و كان يضع الحديث و يكذب**" میں نے محمد بن عبدالملک کو دیکھا ہے، وہ اندھا تھا، وہ حدیث گھڑتا تھا اور جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲۱۲/۳ ت ۴۹۱۸)

حافظ ابن حبان نے محمد بن عبدالملک کے حالات میں حدیثِ مذکور ذکر کی اور شروع میں فرمایا: "**كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات ، لا يحل ذكره في الكتب إلا على جهة القدح فيه ...**" وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا تھا، اس کا ذکر کتابوں میں بغیر اس پر جرح کے حلال نہیں ہے... (کتاب المجروحین ۲۷۰/۲-۲۶۹، دوسرا نسخہ ۲۸۰/۲)

محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی الحنفی: مجمش (متوفی ۲۵۹ھ) میں بھی نظر ہے۔

تنبیہ: ((**من سلك طريقًا**)) إلخ کے لئے دیکھئے حدیث سابق (۲۰۴، رواہ مسلم)

اور ((**من سلبت كريمتيه .**)) يعني عينيه کے لئے دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح (ح ۱۵۴۹، رواہ البخاری: ۵۶۵۳)

یہ دونوں حدیثیں محمد بن عبدالملک الانصاری کی موضوع روایت سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ والحمد للہ

[**۲۵٦**] **وعن ابن عباس قال : تدارس العلم ساعةً من الليل خير من إحيائها. رواه الدارمي .**

اور (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: رات کو ایک پہر علم کا پڑھنا پڑھانا اُس (ساری رات) کی بیداری سے بہتر ہے۔ اسے دارمی (۱۴۹/۱ ح ۶۲۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں دو وجۂ ضعف ہیں:

۱: ابن جریج نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا، لہٰذا سند منقطع ہے۔

۲: حفص بن غیاث مدلس تھے اور یہ سند معنعن (عن سے) ہے۔

[۲۵۷] وعن عبداللّٰه بن عمرو أن رسول اللّٰه ﷺ مرّ بمجلسين في مسجده فقال :((كلاهما علٰی خیر و أحدهما أفضل من صاحبه، أما هؤلاء فيدعون اللّٰه و يرغبون إليه فإن شاء أعطاهم و إن شاء منعهم . و أما هؤلاء فيتعلمون الفقه أو العلم يعلّمون الجاهل فهم أفضل و إنما بعثتُ معلّمًا .)) ثم جلس فيهم . رواه الدارمي .

اور (سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: دونوں خیر (بھلائی) پر ہیں اور اُن میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ یہ لوگ تو اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس کی رغبت رکھتے ہیں، لہٰذا وہ چاہے گا تو انھیں دے دے گا اور چاہے گا تو روک لے گا (یعنی نہ دے گا)

یہ دوسرے جو ہیں وہ فقہ یا علم سیکھ رہے ہیں اور جاہل کو سکھاتے ہیں، پس وہ افضل ہیں اور میں معلم (سکھانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ اُن کے پاس بیٹھ گئے۔ اسے دارمی (۹۹/۱۔۱۰۰ ح ۳۵۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں دو وجۂ ضعف ہیں:

۱: عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی حافظے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۸۶۲)

حافظ عراقی نے کہا: '' ضعفه الجمهور ''جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (تخریج الاحیاء ۱۹۹/۲)

ہیثمی نے کہا: '' و قد ضعفه الجمهور '' اور اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۵۶/۵، نیز دیکھئے ۶۵/۸، ۲۵۰/۱۰)

۲: اس کا دوسرا راوی عبدالرحمٰن بن رافع التنوخی المصری قاضی افریقیہ ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۸۵۶)

تنبیہ: سنن ابن ماجہ (۲۲۹) میں اس روایت کی دوسری سند موجود ہے، جس میں داود بن زبرقان متروک (تقریب التہذیب: ۱۷۸۵، ملخصاً) اور بکر بن خنیس جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے میری کتاب تسہیل الحاجۃ فی تحقیق سنن ابن ماجہ قلمی ص ۱۶ ح ۲۲۹)

بکر بن خنیس کا استاد عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی بھی اس سند میں موجود ہے، جو کہ ضعیف ہے جیسا کہ ابھی اوپر گزرا ہے۔

فائدہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ معلّم بلکہ سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل معلّم تھے، جیسا کہ سیدنا معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ما رأيت معلّمًا قبله ولا بعده أحسن تعليمًا منه . '' میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے زیادہ بہترین تعلیم دینے والا کوئی معلّم نہیں دیکھا۔ (صحیح مسلم: ۵۳۷، ترقیم دارالسلام: ۱۱۹۹)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾

اور آپ انھیں (صحابہ کو) کتاب اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں۔ (سورۃ الجمعہ: ۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ولكن بعثني معلّمًا ميسرًا .)) لیکن مجھے اللہ نے معلّم آسانی فرمانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۷۸، ترقیم دارالسلام: ۳۶۹۰)

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ نے اس موضوع پر ''نبی کریم ﷺ بحیثیتِ معلم'' کے نام سے ایک بہترین کتاب لکھی ہے جو ساڑھے چار سو صفحات سے زیادہ میں مطبوع ہے۔ جزاہ اللہ خیراً والحمد للہ

[**۲۵۸**] وعن أبي الدرداء قال: سئل رسول اللّٰه ﷺ: ما حدّ العلم الذي إذا بلغه الرجل كان فقيهًا؟ فقال رسول اللّٰه ﷺ: ((من حفظ على أمتي أربعين حديثًا في أمر دينها بعثه اللّٰه فقيهًا وكنتُ له يوم القيامة شافعًا و شهيدًا .))

اور (سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: علم کی وہ کون سی حد ہے جس پر پہنچ کر آدمی فقیہ بن جاتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری اُمت کے لئے دینی اُمور پر چالیس حدیثیں حفظ کرے، اللہ اُسے فقیہ مبعوث فرمائے گا (یعنی قیامت کے دن بطورِ فقیہ اُٹھائے گا) اور میں قیامت کے دن اس کے لئے شفاعت کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔ [اسے بیہقی نے شعب الایمان (۱۷۲۶، دوسرا نسخہ: ۱۵۹۷) میں روایت کیا ہے۔]

تحقیق الحدیث: اس کی سند موضوع ہے۔

اس کا راوی عبدالملک بن ہارون بن عنترہ کذاب (جھوٹا) تھا۔

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''كذاب'' عبدالملک بن ہارون بن عنترہ کذاب ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۵۱۶)

حافظ ابن حبان نے کہا: ''كان ممن يضع الحديث ...''

وہ حدیثیں گھڑنے والوں میں سے تھا۔ (کتاب المجروحین ۲/۱۳۳، دوسرا نسخہ ۲/۱۱۵)

حاکم نیشاپوری نے گواہی دی: ''روى عن أبيه أحاديث موضوعة .''

اس نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۷۰ ت ۱۲۹)

یہ روایت بھی (اس تک بشرطِ صحت) اُس نے اپنے باپ سے بیان کی لہٰذا یہ سند موضوع ہے۔

امام بیہقی سے لے کر عبدالملک بن ہارون تک سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں عبداللہ بن نعمان البصری اور عمرو بن محمد صاحبِ یعلی بن الاشدق وغیرہما مجہول راوی ہیں۔

امام بیہقی نے فرمایا: یہ متن لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔ (شعب الایمان: ۱۷۲۷، دوسرا نسخہ: ۱۵۹۸)

چالیس حدیثیں یاد کرنے والی روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی سند بھی صحیح یا حسن نہیں، لہٰذا یہ روایت حسن کے درجے تک نہیں پہنچتی۔

ابن الملقن نے کہا: ''و اتفق الحفاظ علٰى ضعفها و إن تعددت ''اگر چہ اس کی سندیں متعدد ہیں لیکن حفاظِ حدیث کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔(البدر المنیر ج ۷ ص ۲۷۸)
نیز دیکھئے التلخیص الحبیر (۳/۹۳۔۹۴ ح ۱۳۷۵)

حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا: ''و إسناد هذا الحديث كله ضعيف ''

اور اس حدیث کی ساری سندیں ضعیف ہیں۔(جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۹۵ تحت ح ۱۵۶)

تنبیہ: چونکہ بعض علمائے سابقین نے اربعین وغیرہ اعداد پر کتابیں لکھی ہیں، لہٰذا اقتدائے سلف کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے اور یہ جواز من باب الاجتہاد ہے۔ واللہ اعلم

[**۲۵۹**] وعن أنس بن مالك قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((هل تدرون من أجود جودًا ؟)) قالوا : اللّٰه و رسوله أعلم . قال :((اللّٰه تعالى أجود جودًا ثم أنا أجود بني آدم و أجودهم من بعدي رجل علم علمًا فنشره، يأتي يوم القيامة أميرًا وحده أو قال : أمة واحدة .))

اور (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ صحابہ کرام نے کہا: اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سخی ہے، پھر بنی آدم میں سے میں سب سے زیادہ سخی ہوں اور میرے بعد سب سے زیادہ سخی وہ آدمی ہے جس نے علم حاصل کیا پھر اسے پھیلایا، وہ قیامت کے دن ایک اُمت یا ایک امیر (سردار) کی حیثیت سے آئے گا۔
[اسے بیہقی نے شعب الایمان (۱۷۶۷، دوسرا نسخہ: ۱۶۳۲) میں روایت کیا ہے۔]

تحقیق الحدیث: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

اس میں وجۂ ضعف چار ہیں:

۱: سوید بن عبدالعزیز بن نمیر السلمی الدمشقی راوی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔
ہیثمی نے کہا: ''و ضعفه جمهور الأئمة '' اور جمہور اماموں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/۱۴۷)
حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''ضعیف '' (تقریب التہذیب: ۲۶۹۲)

۲: دوسرا راوی نوح بن ذکوان ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۲۰۶)

۳: تیسرا راوی ایوب بن ذکوان سخت مجروح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"منكر الحديث" وہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔ (التاریخ الکبیر ۱/۴۱۴)

جس راوی پر امام بخاری نے منکر الحدیث کی جرح فرمائی، ان کے نزدیک اُس سے روایت بیان کرنا حلال نہیں تھا۔

(دیکھئے التاریخ الاوسط للبخاری ۲/۱۰۷، اور میزان الاعتدال ۱/۶)

ایوب بن ذکوان پر مزید جروح کے لئے دیکھئے لسان المیزان (۱/۴۸۰)

۴: حسن بصری ثقہ امام ہیں لیکن مدلس تھے۔ دیکھئے میری کتاب: الفتح المبین (ص ۳۵)

کشف الاستار (۱/۴۳۰ ح ۹۰۸) التاریخ الاوسط للبخاری (۲/۱۸۰) فتح الباری (۱/۱۰۹) اور کتاب الثقات لابن حبان (۴/۱۲۳)

وغیرہ، اور یہ روایت (اُن تک بشرطِ صحت) عن سے ہے۔

[۲٦٠] وعنه أن النبي ﷺ قال :((منهومان لا يشبعان :منهومٌ في العلم لا يشبع منه ومنهوم في الدنيا لا يشبع منها .)) روى البيهقي الأحاديث الثلاثة في شعب الإيمان وقال :قال الإمام أحمد في حديث أبي الدرداء :هذا متن مشهور فيما بين الناس وليس له إسناد صحيح .

اور انھی (سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو لالچی اور حریص کبھی سیر نہیں ہوتے: علم کا حریص اس (علم) سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا حریص اس (دنیا) سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ بیہقی نے (یہ) تینوں حدیثیں شعب الایمان میں روایت کی ہیں۔ (سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کے لئے دیکھئے شعب الایمان : ۱۰۲۷۹، دوسرا نسخہ : ۹۷۹۸) اور انھوں (بیہقی) نے فرمایا: اور امام احمد نے (سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) والی حدیث کے بارے میں فرمایا: یہ متن لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں دو وجۂ ضعف ہیں:

۱: ابواسحاق ابراہیم بن یوسف بن خالد الہسنجانی الرازی (متوفی ۳۰۱ھ) کا شاگرد ابوالفضل العباس بن الحسین بن احمد الصفار بلحاظِ توثیق نامعلوم ہے۔

۲: حماد بن سلمہ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے درمیان حمید الطّویل راوی ہیں اور وہ مشہور مدلس تھے۔

[یہ اعتراض مرجوح اور غلط ہے، وجہ یہ ہے کہ حمید کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے عن والی روایت بھی صحیح ہوتی ہے کیونکہ وہ ثابت البنانی سے تدلیس کرتے تھے اور ثابت ثقہ تھے۔]

الکامل لابن عدی (۲۲۹۸/٦) میں اس کی دوسری سند ہے جو کہ محمد بن احمد بن یزید سارق الحدیث کی وجہ سے موضوع ہے۔
اس روایت کے چار ضعیف ومردود شواہد بھی ہیں:

۱: قتادہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ والی روایت (المستدرک للحاکم ۹۲/۱ ح ۳۱۲ وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی!)
یہ سند قتادہ ثقہ مدلس کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ (العلم لابی خیثمہ: ۱۴۱)
اس کی سند لیث بن ابی سلیم ضعیف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۳: عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲۳/۱۰ ح ۱۰۳۸۸)
اس کی سند ابوبکر الداھری کی وجہ سے سخت ضعیف ومردود ہے۔

۴: ضعیف موقوفات مثلاً سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب منقطع روایت جسے عون بن عبداللہ نے بیان کیا ہے۔
(دیکھئے آنے والی حدیث: ۲۶۱)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

فائدہ: مشہور ثقہ تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ (انظر ح ۲۵۹) نے فرمایا:

''منهومان لا يشبعان : منهوم في العلم لا يشبع منه و منهوم في الدنيا لا يشبع منها ، فمن تكن الآخرة همه و بثه و سدمه يكفي الله ضيعته و يجعل غناه في قلبه ، و من تكن الدنيا همه و بثه و سدمه يغشي الله عليه ضيعته و يجعل فقره بين عينيه ثم لا يصبح إلا فقيراً و لا يمسى إلا فقيراً .''

دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے: علم کا حریص اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا حریص اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا، جسے آخرت کی فکر، غم اور خیال رہتا ہے تو اللہ اس کے معاملات کے لئے کافی ہے اور وہ اس کے دل میں بے نیازی پیدا کر دیتا ہے۔ جسے دنیا کی فکر، غم اور خیال رہتا ہے تو اللہ اس کے معاملات کو تاریک اور پریشان کن کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں میں غربت ڈال دیتا ہے پھر وہ صبح وشام فقیر ہی رہتا ہے۔ (سنن الدارمی: ۳۳۸، دوسرا نسخہ: ۳۴۳ وسندہ صحیح، سیار ھو ابوالحکم العنزی ثقہ، نیز دیکھئے اتحاف المہرۃ لابن حجر ۴۸٦/۱۸ ح ۲۳۹۵۲)

ضعیف حدیث کے بجائے اس صحیح اثر کو بیان کرنا اور پھیلانا چاہئے۔

تنبیہ: ''یہ متن لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے'' کے الفاظ کے ساتھ امام احمد کا قول امام احمد بن حنبل سے نہیں ملا بلکہ یہ امام احمد البیہقی کا قول ہے جسے صاحبِ مشکوٰۃ نے مشہور امام احمد کا قول سمجھ لیا ہے۔ واللہ اعلم

[**٢٦١**] وعن عون قال قال عبدالله بن مسعود : منهومان لا يشبعان صاحب العلم و صاحب الدنيا ولا يستويان، أما صاحب العلم فيزداد رضى للرحمٰن وأما صاحب الدنيا فيتمادى في الطغيان. ثم قرأ عبدالله :﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ○ اَن رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴾ قال وقال الآخر : ﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ . رواه الدارمي .

اورعون (بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: دوحرص کرنے والے کبھی سیر نہیں ہوتے: صاحبِ علم اور صاحبِ دنیا اور یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ صاحبِ علم سے رحمان (اللہ تعالیٰ) کی رضامندی میں اضافہ ہی ہوتا ہے اور صاحب دنیا تو سرکشی میں مبتلا رہتا ہے، پھر عبداللہ (رحمہ اللہ) نے درج ذیل آیت تلاوت فرمائی: ہرگز نہیں، بے شک انسان سرکشی کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی (بے نیاز) سمجھتا ہے۔ (العلق:٦)
اور دوسرے آدمی کی مثال انھوں نے یہ بیان فرمائی: اللہ سے تو اس کے بندوں میں صرف علماء ڈرتے ہیں۔ (فاطر:٢٨)
اسے دارمی (٩٦/١ ح ٣٣٩، دوسرا نسخہ: ٣٤٤) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس اثر کی سند ضعیف ہے۔
اس میں وجہ ضعف یہ ہے کہ عون بن عبداللہ رحمہ اللہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا، لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔ نیز دیکھئے حدیث سابق: ٢٦٠

[**٢٦٢**] وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ : ((إن أناسًا من أمتي سيتفقهون في الدين ويقرؤون القرآن يقولون :نأتي الأمراء فنصيب من دنياهم ونعتزلهم بديننا . ولا يكون ذلك كما لا يجتنى من القتاد إلا الشوك، كذلك لا يجتنى من قربهم إلا - قال محمد بن الصباح :كأنه يعني الخطايا)) رواه ابن ماجه .

اور (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میں سے کچھ لوگ دین میں تفقہ سیکھیں گے اور قرآن پڑھیں گے۔ وہ کہیں گے: ہم امیروں کے پاس جاتے ہیں تاکہ اُن کی دنیا میں سے کچھ حاصل کریں اور اپنے دین میں ہم اُن سے دور رہیں گے، اور اس طرح نہیں ہوگا جس طرح کہ جھاڑی سے کانٹوں کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح ان (امراء) کے قرب سے بقول محمد بن الصباح (راوی الحدیث): صرف گناہ ہی

حاصل ہوں گے۔
اسے ابن ماجہ (۲۵۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔
اس کے راوی ولید بن مسلم الشامی رحمہ اللہ ثقہ صدوق مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔
عبیداللہ بن مغیرہ بن ابی بردہ مجہول الحال ہے۔ حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**غير معروف**'' (الکاشف ۲/۲۰۵ ت ۳۶۴۱)

[۲۶۳] **وعن عبد الله بن مسعود قال : لو أن أهل العلم صانوا العلم ووضعوه عند أهله لسادوا به أهل زمانهم ولكنهم بذلوه لأهل الدنيا لينالوا به من دنياهم فهانوا عليهم، سمعت نبيكم ﷺ يقول : ((من جعل الهموم همًّا واحدًا همّ آخرته كفاه الله همّ دنياه ومن تشعبت به الهموم [في] أحوال الدنيا لم يبال الله في أي أوديتها هلك .))**
رواه ابن ماجه.

اور (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اگر اہلِ علم علم کی حفاظت کرتے اور اسے اس کے اہل (مستحقین) تک پہنچاتے تو اپنے زمانے والوں کے سردار بن جاتے، لیکن انھوں نے اسے دنیا حاصل کرنے کے لئے دنیاداروں کے لئے خرچ کر دیا تو وہ اُن کی نظروں میں ذلیل ہو گئے۔ میں نے تمھارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص تمام غموں کو ایک غم یعنی آخرت کا غم بنا لے تو اللہ اس کے دنیا کے غموں کے لئے کافی ہے اور جس کے تفکرات دنیا کے حالات کے لئے بکھر جائیں تو اللہ کو کوئی پروا نہیں کہ یہ شخص دنیا کی کن وادیوں میں ہلاک ہوتا ہے۔ اسے ابن ماجہ (۲۵۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند سخت ضعیف و مردود ہے اور یہ روایت ضعیف ہے۔
اس میں وجہِ ضعف دو ہیں:
۱: نہشل بن سعید شدید مجروح اور ساقط العدالت راوی ہے۔ اس کے بارے میں امام ابوداود الطیالسی اور امام اسحاق بن راہویہ دونوں نے کہا: ''**كذاب**'' (کتاب الجرح والتعدیل ۸/۴۹۶ وسندہ صحیح)
حاکم نیشاپوری نے کہا: ''**روى عن الضحاك بن مزاحم الموضوعات ...**''
اس نے ضحاک بن مزاحم سے موضوعات (موضوع روایتیں) بیان کی ہیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۲۱۸ ت ۲۰۹)
یہ روایت بھی ضحاک سے ہے، لہٰذا موضوع ہے۔

۲: معاویہ بن سلمہ النصری مجہول الحال ہے اور بعض غیر موثق روایتوں میں اس کی توثیق بھی مروی ہے۔
اخلاق العلماء للآجری (ص۹۲) میں یہی روایت شعیب بن ایوب: **أخبرنا عبدالله بن نمير : أخبرنا معاوية النصري. إلخ** کی سند سے موجود ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ نہشل اس روایت کے ساتھ منفرد نہیں ہے، اس روایت کے سارے شواہد ضعیف ہیں۔
تنبیہ: سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((من كانت الدنيا همه فرّق الله عليه أمره وجعل فقره بين عينيه ولم يأته من الدنيا إلا ما كتب له، ومن كانت الآخرة نيته جمع الله له أمره و جعل غناه في قلبه و أتته الدنيا و هي راغمة .))
جسے (صرف) دنیا کا ہی غم ہو، اللہ اُس کے معاملات منتشر کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں پر غربت طاری کر دیتا ہے، اسے دنیا میں سے وہی ملتا ہے جو اس کی قسمت میں ہے۔ اور جسے آخرت کا غم ہو تو اللہ اس کے معاملات اکٹھے کر دیتا ہے اور اس کے دل میں بے نیازی پیدا کر دیتا ہے، دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔
(سنن ابن ماجہ: ۴۱۰۵ وسندہ صحیح وحسنہ الترمذی: ۲۶۵۶ وصححہ ابن حبان: ۷۲ والبوصیری فی زوائد ابن ماجہ)

یہ صحیح حدیث سابقہ روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔
فائدہ: احوال الدنیا سے پہلے فی کا لفظ مشکوٰۃ کے نسخوں سے گر گیا ہے، لہٰذا اس کا اضافہ اصل سنن ابن ماجہ سے کیا گیا ہے۔

[**٢٦٤**] **ورواه البيهقي في شعب الإيمان عن ابن عمر من قوله: ((من جعل الهموم)) إلى آخره.**

اور بیہقی نے شعب الایمان (۱۰۳۴۰، دوسرا نسخہ: ۹۸۵۷) میں آپ کا ارشاد: جس نے تمام غموں کو بنایا، الخ روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند ضعیف ہے۔
نیز دیکھئے المستدرک (۳۲۸/۴۔۳۲۹ ح ۷۹۳۴ وصححہ وقال الذہبی: یحییٰ ضعفوہ)
اس کا راوی ابوعقیل یحییٰ بن المتوکل المدنی صاحب بہیہ ضعیف ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۶۳۳)
نیز دیکھئے حدیث سابق: ۲۶۳

[**٢٦٥**] **وعن الأعمش قال قال رسول الله ﷺ : ((آفة العلم النسيان وإضاعته أن تحدّث به غير أهله .)) رواه الدارمي مرسلاً .**

اور (سلیمان بن مہران) الاعمش (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی مصیبت بھولنا ہے اور اسے غیر مستحقین کے سامنے بیان کرنا اسے ضائع کرنا ہے۔
اسے دارمی نے (۱۵۰/۱ ح ۶۳۰) روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔
اسے دارمی کے علاوہ ابن ابی شیبہ (۵۴۶/۸ ح ۲۶۱۳۰ ومن طریقہ ابن عبدالبر فی جامع بیان العلم وفضلہ ۲۱۴/۱ ح ۴۲۵) نے بھی اعمش سے روایت کیا ہے اور دونوں کی سندیں اعمش تک صحیح ہیں لیکن منقطع ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔
فائدہ: قاضی ابن خلاد الرامہرمزی نے کہا: ''**حدثني الحسين بن بهان :ثنا سهل بن عثمان :ثنا علي بن هاشم عن الأعمش قال : آفة الحديث النسيان و إضاعته أن تحدّث به غير أهله .**'' اعمش نے کہا: حدیث کی مصیبت بھولنا ہے اور نا اہل کے سامنے بیان کرنا اسے ضائع کر دینا ہے۔ (المحدث الفاصل بین الراوی والواعی ص ۵۷۲ ح ۷۹۳)
اس روایت کی سند حسن ہے۔ ابن بہان العسکری سے طبرانی وغیرہ ایک جماعت نے روایت بیان کی اور حافظ ابوعوانہ نے اپنی صحیح ابی عوانہ (ح ۱۵۸۳، الشاملہ) میں حدیث بیان کی ہے، لہٰذا وہ صدوق تھے اور باقی سند حسن ہے۔ والحمدللہ

[**۲٦٦**] **وعن سفيان أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال لكعبٍ :من أرباب العلم ؟ قال :الذين يعملون بما يعلمون . قال :فما أخرج العلم من قلوب العلماء ؟ قال :الطمع . رواه الدارمي .**

اور سفیان (بن سعید الثوری رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ (سیدنا) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کعب (الاحبار) سے فرمایا: اہلِ علم کون ہیں؟ کعب نے کہا: جو جانتے ہیں کہ وہ کیا اعمال کرتے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: علماء کے دلوں سے کون سی چیز علم نکال دیتی ہے؟ انھوں نے کہا: لالچ۔
اسے دارمی (۱۴۴/۱ ح ۵۹۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
امام سفیان ثوری کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے، لہٰذا یہ سند منقطع مردود ہے۔ سنن دارمی (ح ۵۸۱، دوسرا نسخہ: ۵۹۵) میں اس کا ایک ضعیف (بلحاظِ انقطاع) شاہد بھی ہے، جس کے باوجود یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

[**۲٦٧**] **وعن الأحوص بن حكيم عن أبيه قال : سأل رجلٌ النبي ﷺ عن الشر . فقال :((لا تسألوني عن الشر و سلوني عن الخير)) يقولها ثلاثًا ثم قال :((ألا إن شرّ الشر شرار العلماء و إن خير الخير خيار العلماء .)) رواه الدارمي .**

اور احوص بن حکیم (بن عمیر العنسی ایک ضعیف راوی) سے روایت ہے کہ، اس نے اپنے باپ (حکیم بن عمیر بن احوص الحمصی تابعی رحمہ اللہ) سے بیان کیا کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے شر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے شر کے بارے میں نہ پوچھو اور خیر کے بارے میں پوچھو۔ آپ نے یہ بات تین دفعہ دھرائی پھر فرمایا: سن لو! سب سے

بڑا شر بُرے علماء ہیں اور سب سے بہتر خیر اچھے علماء ہیں۔
اسے دارمی (۳۷۶، دوسرا نسخہ: ۳۸۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند ضعیف ہے۔
یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے:
۱: احوص بن حکیم جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ حافظ ہیثمی نے کہا:
''**و ضعفه الجمهور**'' اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۴۲/۳)
حافظ ابن حجر نے کہا: ''**ضعيف الحفظ ... و كان عابدًا**'' وہ حافظے کی وجہ سے ضعیف تھا... وہ عبادت گزار تھا۔
(تقریب التہذیب: ۲۹۰)
۲: بقیہ مشہور صدوق مدلس تھے اور یہ سند عن سے ہے۔
۳: یہ روایت مرسل (یعنی منقطع) ہے۔
تنبیہ: بقیہ کے شاگرد امام نعیم بن حماد المروزی ثقہ وصدوق حسن الحدیث تھے، جمہور نے اُن کی توثیق کی ہے اور اُن پر دولابی اور ازدی وغیرہما کی جرح مردود ہے۔ دیکھئے میری کتاب علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۴۹۔ ۴۶۷)

[**۲۶۸**] وعن أبي الدرداء قال: إن من أشر الناس عند الله منزلة يوم القيامة: عالمٌ لا ينتفع بعلمه.)) رواه الدارمي.

اور (سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بُرا مقام اس عالم کا ہوگا جو اپنے علم سے فائدہ نہیں اُٹھاتا تھا۔
اسے دارمی (۸۲/۱ ح ۲۶۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقيق الحديث: اس کی سند موضوع ہے۔
اس کا راوی عبدالغفار بن القاسم بن قیس بن قہد الانصاری ابومریم الغفاری الکوفی کذاب تھا۔ امام ابوداود طیالسی نے فرمایا:
میں گواہی دیتا ہوں کہ ابومریم کذاب (جھوٹا) ہے۔ الخ (الضعفاء للعقیلی ۱۰۰/۳۔ ۱۰۱، وسندہ حسن)
امام نسائی نے فرمایا: ''**متروك الحديث**'' (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۸۸)
نیز دیکھئے لسان المیزان (۴۲/۴۔ ۴۳)
کتاب الزہد لابن المبارک (۴۰) میں اس کا ایک ضعیف ومردود شاہد بھی ہے۔
السلسلۃ الضعیفۃ للالبانی (۱۶۱۷، ۱۶۳۴) میں اس کے دو باطل ومردود شواہد بھی ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

[۲٦٩] وعن زياد بن حدير قال قال لي عمر: هل تعرف ما يهدم الإسلام؟ قال قلت: لا ، قال: يهدمه زلة العالم وجدال المنافق بالكتاب و حكم الأئمة المضلين . رواه الدارمي .

اور زیاد بن حُدَیر (رحمہ اللہ، ثقہ عابد تابعی) سے روایت ہے کہ (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے مجھے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز گراتی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، انھوں نے فرمایا: اسلام کو عالم کی غلطی، منافق کا کتاب (یعنی قرآن) کے ساتھ مجادلہ (بحث ومباحثہ) کرنا اور گمراہ حکمرانوں کی حکومت ختم کرتی ہے۔
اسے دارمی (۷۱/۱ ح ۲۲۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند صحیح ہے۔
اس کی سند میں ابواسحاق سے مراد سلیمان بن ابی سلیمان الشیبانی ہیں جو کہ مشہور ثقہ تھے اور باقی سند صحیح ہے۔
اس کی مزید سندوں کے لئے دیکھئے کتاب الزہد لابن المبارک (۱۴۷۵) الفقیہ والمتفقہ للخطیب (۲۳۴/۱) اور جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر (۲۲۱/۲ ح ۹۵۲)

فقہ الحدیث:

۱: عالم سے غلطی ہوسکتی ہے، لہٰذا تقلیدِ شخصی حرام ہے۔
۲: منافقین اور اہلِ بدعت بھی کتاب اللہ سے استدلال کرتے ہیں، لہٰذا کتاب وسنت کا صرف وہی فہم معتبر ہے جو سلف صالحین سے ثابت ہے۔
۳: حکمرانوں کے کرتوتوں اور تباہیوں کا اُمت پر بہت بُرا اثر پڑے گا۔
۴: علمائے حق کو اخلاصِ نیت کے ساتھ ہر وقت کتاب وسنت اور اجماع کے راستے پر سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں گامزن رہنا چاہئے۔
۵: نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں لیکن آپ کی اُمت میں سوائے سیدنا عیسیٰ بن مریم الناصری علیہ السلام کے کوئی بھی معصوم نہیں ہے، لہٰذا شیعہ کا معصومیتِ ائمہ والا عقیدہ باطل ہے۔

[۲۷۰] وعن الحسن قال: العلم علمان: فعلم في القلب فذاك العلم النافع وعلم على اللسان فذاك حجة الله عزّوجل على ابن آدم . رواه الدارمي .

اور حسن (بصری رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک علم دل میں ہوتا ہے اور یہ علم نفع بخش ہے، دوسرا علم زبان پر ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابن آدم (یعنی اولادِ آدم) پر حجت ہے۔

اسے دارمی (۱/۱۰۲ ح ۳۷۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے ابن ابی شیبہ (۱۳/۲۳۵ ح ۳۴۳۵۰) نے ابن نمیر سے، اور حسین بن الحسن المروزی (زوائد الزھد لابن المبارک: ۱۱۶۱) نے عباد بن العوام سے اور ابن نمیر و عباد بن العوام دونوں نے ہشام بن حسان سے روایت کیا ہے۔

ہشام بن حسان مدلس تھے۔

دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (طبقۂ ثالثہ ۳/۱۱۰) اور علل الحدیث لابن ابی حاتم (۲/۲۶۰ ح ۲۲۷۵)

یہ روایت عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے اور تاریخ بغداد (۴/۳۴۶) میں ضعیف سند سے مرفوعاً بھی مروی ہے۔

[**۲۷۱**] وعن أبي هريرة قال : حفظتُ من رسول الله ﷺ وعاءين فأما أحدهما فبثثته فيكم و أما الآخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم - يعني مجرى الطعام -. رواه البخاري .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (علم کے) دو برتن یاد کئے: ایک (یعنی حدیث) کو تو میں نے تمھارے درمیان پھیلا دیا ہے اور دوسرے (یعنی احادیثِ فتن) کو اگر پھیلاؤں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے گا یعنی مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۱۲۰)

فقہ الحدیث:

۱: اس حدیث کا تعلق فتنوں کے بارے میں پیش گوئیوں سے ہے، مثلاً فلاں امیر ظالم ہوگا اور ساٹھ ہجری میں یہ ہوگا۔ وغیرہ، دیکھئے فتح الباری (۱/۲۱۶)

۲: اس حدیث سے باطنیہ (اور صوفیہ) کا استدلال باطل ہے۔ (فتح الباری ۱/۲۱۶ بحوالہ ابن المنیر)

کتاب و سنت کو علمِ شریعت کہنا اور صوفیاء کی تحریفات کو علمِ طریقت کہنا اہلِ بدعت کی اختراعات ہیں۔

۳: اگر شرعی عذر ہو تو بعض اوقات علم کی کوئی بات عام لوگوں سے خفیہ رکھنا جائز ہے لیکن یاد رہے کہ بغیر کسی دلیل کے دین کی ضروری بات چھپانا کتمانِ علم ہے۔

۴: ظالموں سے اپنی جان بچانے کے لئے خاموشی اختیار کرنا جائز ہے۔

۵: اس حدیث میں اُن واقعات کی طرف اشارہ ہے جو ساٹھ ہجری یا اس کے بعد رُونما ہوئے، مثلاً یزید کی حکومت وغیرہ۔

۶: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا مقام تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے انھیں اُمورِ فتن سے متعلقہ خاص علم بھی بتادیا تھا۔

۷: تدریس کے لئے بعض لوگوں کا انتخاب جائز ہے۔

۸: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی بعض باتیں بتادی تھیں۔

[**۲۷۲**] وعن عبد اللّٰه بن مسعود قال : يا أيها الناس! من علم شيئاً فليقل به ومن لم يعلم فليقل : اللّٰه أعلم، فإن من العلم أن تقول لما لا تعلم : اللّٰه أعلم، قال اللّٰه تعالى لنبيه : ﴿ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴾ متفق عليه .

اور (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اے لوگو! جسے کسی چیز کا علم ہو تو وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو تو وہ کہے: اللہ جانتا ہے، کیونکہ تم جسے نہیں جانتے اُس کے بارے میں اللہ جانتا ہے، کہنا علم میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فرمایا: کہہ دیجئے! میں تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (ص:۸۶)
متفق علیہ

تخریج: صحیح بخاری (۴۸۰۹) صحیح مسلم (۳۹/ ۲۷۹۸)

فقہ الحدیث:

۱: جس مسئلے کا علم نہ ہو تو صاف بتادینا چاہئے کہ مجھے پتا نہیں ہے یا میں نہیں جانتا اور خواہ مخواہ تکلف کر کے اپنا دماغی واختراعی فتویٰ جاری نہیں کرنا چاہئے۔

۲: کتاب وسنت، اجماع اور آثارِ سلف صالحین کی پیروی میں ہی نجات ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ اور جماعت اہلِ حدیث کے اعیان وارکان ۱۳۲۲ھ میں لاہور شہر میں جمع ہوئے، اس اجلاس میں اس امر پر بحث ہوئی کہ اہلِ حدیث کے نام سے کون شخص موسوم ہوسکتا ہے؟ طویل بحث ومباحثہ کے بعد یہ قرار دیا گیا کہ ''اہل حدیث وہ ہے جو اپنا دستور العمل والاستدلال احادیث صحیحہ اور آثارِ سلفیہ کو بناوے اور جب اس کے نزدیک ثابت ومتحقق ہوجائے کہ ان کے مقابلہ میں کوئی معارض مساوی یا اس سے قوی نہیں پایا جاتا تو وہ ان احادیث وآثار پر عمل کرنے کو مستعد ہوجاوے اور اس عمل سے اس کو کسی امام یا مجتہد کا قول بلا دلیل مانع نہ ہو'' (تاریخ اہلِ حدیث ج۱ص۱۵۱، از قلم ڈاکٹر محمد بہاؤالدین)

مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس معیار کے دوسرے درجہ پر جہاں صحیح حدیث نبوی نہ پائی جاتی ہو، دوسرا معیار سلفیہ آثار صحابہ کبار وتابعین ابرار ومحدثین اخیار ہیں، جس مسئلہ اعتقادیہ وعملیہ میں صریح سنت نبوی کا علم نہ ہو، اس مسئلے میں اہلِ حدیث کا

متمسک آثارِ سلفیہ ہوتے ہیں اور وہی مذہب اہل حدیث کہلاتا ہے“ (تاریخ اہل حدیث ج ۱ ص ۱۵۷)
حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں“
(فتاویٰ اہلحدیث ج ۱ ص ۱۱۱)

[**۲۷۳**] **وعن ابن سيرين قال : إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم . رواه مسلم .**

اور (محمد) ابن سیرین (رحمہ اللہ تابعی) نے فرمایا: بے شک یہ علم دین ہے، لہٰذا تم دیکھو کہ اپنا دین کس سے لیتے ہو۔
اسے مسلم (۷/۷) نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم (۷/۷)

فقہ الحدیث:

۱: صحیح العقیدہ اور ثقہ وصدوق علماء سے ہی علم سیکھنا اور دینی مسائل کا حل پوچھنا چاہئے۔
۲: دین کا دارومدار سندوں پر ہے، لہٰذا ہر بے سند بات مردود ہے۔
۳: اہلِ بدعت سے اجتناب کرنا چاہئے۔
۴: آثار سے استدلال جائز بلکہ مستحسن ہے۔
۵: اثر مذکور صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے اور اس کی سند امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ تک صحیح ہے۔
۶: اپنے متعلقین اور عام لوگوں کی تربیت کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے۔

[**۲۷٤**] **وعن حذيفة قال : يامعشر القراء ! استقيموا فقد سبقتم سبقًا بعيدًا و إن أخذتم يمينًا و شمالاً لقد ضللتم ضلالاً بعيدًا . رواه البخاري.**

اور (سیدنا) حذیفہ (بن الیمان رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اے قاریوں کی جماعت! سیدھے ہو جاؤ کیونکہ تم بہت آگے جا چکے ہو، اگر تم (دین سے) دائیں بائیں طرف مُڑو گے تو پھر بہت دور کی گمراہی میں جا گرو گے۔
اسے بخاری (۷۲۸۲) نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح بخاری (۷۲۸۲)

فقہ الحدیث:

۱: اپنے آپ کو ہمیشہ دنیاوی لالچ اور مبتدعین کی بدعات سے دُور رکھنا چاہئے۔

۲: سلف صالحین والے راستے پر چلنے میں ہی نجات ہے۔
۳: ہمیشہ نصیحت، تربیت اور اپنی اصلاح کا اہتمام کرنا چاہئے۔
۴: ضرورت کے تحت کسی گروہ کا نام لے کر اصلاح کی جاسکتی ہے۔

[**۲۷۵**] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((تعوذوا بالله من جُب الحزن)) قالوا: يا رسول الله! ما جب الحزن؟ قال: ((وادٍ في جهنم تتعوذ منه جهنم كل يوم أربعمائة مرة.)) قيل: يا رسول الله! ومن يدخلها؟ قال: ((القراء المراؤون بأعمالهم.)) رواه الترمذي وكذا ابن ماجه و زاد فيه: ((وإن من أبغض القراء إلى الله تعالى الذين يزورون الأمراء.)) قال المحاربي: يعني الجورة.

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے پناہ مانگو کہ وہ غم کے کنویں سے بچائے۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! غم کا کنواں کیا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی روزانہ چار سو دفعہ پناہ مانگتی ہے۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ! اس میں کون داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: قراء (یعنی قاری حضرات) جو اپنے اعمال کے ساتھ ریا کاری کرتے ہیں۔ اسے ترمذی (۲۳۸۳) نے روایت کیا ہے اور اسی طرح ابن ماجہ (۲۵٦) نے درج ذیل اضافے کے ساتھ بیان کیا: اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاریوں میں سے بدترین حضرات وہ ہیں جو اُمراء (حکمرانوں) سے (ذاتی مفاد کے لئے) ملاقاتیں کرتے رہتے ہیں۔ محاربی (راوی) نے کہا: امراء سے مراد ظالم (حکمران) ہیں۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس سند میں دو وجۂ ضعف ہیں:

۱: عمار بن سیف الضبی الکوفی ضعیف راوی تھا۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا:
''**ضعيف الحديث عابد**'' وہ حدیث میں ضعیف (اور) عبادت گزار تھا۔ (تقریب التہذیب: ۴۸۲٦)

۲: عمار بن سیف کا استاد ابو معان یا ابو معاذ البصری مجہول تھا۔

[**٢٧٦**] وعن علي قال قال رسول الله ﷺ : ((يوشك أن يأتي على الناس زمان لا يبقى من الإسلام إلا اسمه ولا يبقى من القرآن إلا رسمه، مساجدهم عامرة و هي خراب من الهدى، علماؤهم شر من تحت أديم السماء، من عندهم تخرج الفتنة وفيهم تعود .))
رواه البيهقي في شعب الإيمان .

اور (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے جب اسلام میں سے صرف اس کا نام باقی رہے گا اور قرآن میں سے صرف رسم یعنی اس کے الفاظ باقی رہ جائیں گے۔ لوگوں کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت سے وہ خالی ہوں گی، لوگوں کے علماء آسمان کے نیچے سب سے بُرے ہوں گے، انھی کے پاس سے فتنہ نکلے گا اور انھی کے پاس فتنہ واپس جائے گا۔
اسے بیہقی نے شعب الایمان (۱۹۰۸، دوسرا نسخہ: ۱۷۶۳) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: عبداللہ بن دکین جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اور امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''**منكر الحديث، ضعيف الحديث، روى عن جعفر بن محمد غير حديث منكر**'' وہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا، حدیث میں ضعیف ہے، اس نے (امام) جعفر بن محمد (بن علی بن الحسین) سے کئی منکر حدیثیں بیان کیں۔ (الجرح والتعدیل ۴۹/۵)

چونکہ یہ روایت بھی جعفر بن محمد سے ہے، لہٰذا عبداللہ بن دکین کی وجہ سے منکر ہے۔

۲: امام علی بن الحسین عرف زین العابدین تک اگر یہ سند صحیح بھی ہوتی تو منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوتی، کیونکہ انھوں نے اپنے دادا سیدنا علی بن ابی طالب (**رضي الله عنه و أماتنا على حُبه و حب أهل البيت والصحابة والسلف الصالحين**) کو نہیں پایا تھا۔

تنبیہ: یہ روایت بشر بن الولید القاضی (ضعیف مختلط) نے موقوفاً بھی بیان کی لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔

[**٢٧٧-٢٧٨**] وعن زياد بن لبيد قال: ذكر النبي ﷺ شيئاً فقال: ((ذاك عند أوان ذهاب العلم .)) قلت: يا رسول الله! وكيف يذهب العلم و نحن نقرأ القرآن و نقرئه أبناءنا و يقرؤه أبناؤنا أبناءهم إلى يوم القيامة؟ فقال: ((ثكلتك أمك زياد! إن

اور (سیدنا) زیاد بن لبید (بن ثعلبہ الانصاری الخزرجی البدری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کسی چیز کا ذکر کیا پھر فرمایا: یہ علم کے چلے جانے (ختم ہونے) کا وقت (یعنی نشانی) ہے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! علم کس طرح چلا جائے گا اور ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی پڑھاتے

كنتُ لأراك من أفقه رجلٍ بالمدينة ! أوليس هذه اليهود والنصارى يقرؤون التوراة والإنجيل لا يعملون بشيءٍ مما فيهما ؟ !)) رواه أحمد و ابن ماجه وروى الترمذي عنه نحوه .
وكذا الدارمي عن أبي أمامة .

ہیں، ہماری اولاد اپنی اولاد کو (مسلسل) قیامت تک پڑھاتی رہے گی؟ تو آپ نے فرمایا: اے زیاد! تجھے تمھارے ماں گم پائے، میں تو تجھے مدینے کا سب سے فقیہ آدمی سمجھتا تھا۔ کیا یہ یہودی اور نصرانی تورات اور انجیل نہیں پڑھتے؟ وہ ان میں سے کسی چیز پر بھی عمل نہیں کرتے۔!
اسے احمد (۱۶۰/۴ ح ۱۷۶۱۲) اور ابن ماجہ (۴۰۴۸) نے روایت کیا ہے اور ترمذی (۲۶۵۳) نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ اور اسی طرح دارمی (۱/ ۷۷۔ ۷۸ ح ۲۴۶) نے (سیدنا) ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

یہ الفاظ سنن ابن ماجہ (۴۰۴۸) کے ہیں۔

ابن ماجہ اور مسند احمد (الموسوعۃ الحدیثیہ ۲۹/ ۱۷) والی روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: سلیمان بن مہران الاعمش مدلس تھے اور روایت معنعن (عن سے) ہے۔

۲: امام بخاری نے سالم بن ابی الجعد کے بارے میں فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ سالم نے زیاد (بن لبید) سے سنا ہو۔

(التاریخ الکبیر ۳/ ۳۴۴ ت ۱۱۶۳)

حافظ ابن حجر نے کہا: '' **و سالم لم يلق زيادًا** '' اور سالم نے زیاد سے ملاقات نہیں کی۔ (الاصابہ ۱/ ۵۵۸ ترجمۃ زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ)

لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔ المعجم الکبیر للطبرانی (۵/ ۲۶۵) میں اس کا ایک منقطع (یعنی ضعیف ومردود) شاہد بھی ہے۔ سنن دارمی (۲۴۶) والی روایت میں حجاج بن ارطاۃ ضعیف مدلس ہے اور روایت عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

سنن ترمذی (۲۶۵۳) والی روایت حسن ہے جو اسی کتاب، مشکوٰۃ المصابیح میں مختصراً گزر چکی ہے۔ (دیکھئے ح ۲۴۵)

اس کا متن درج ذیل ہے: (سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس تھے، اتنے میں آپ نے آسمان کی طرف نظر دوڑائی پھر فرمایا: یہ وقت ہے کہ لوگوں سے علم اُٹھالیا جائے گا پھر وہ کسی چیز پر طاقت نہیں رکھیں گے۔ زیاد بن لبید الانصاری (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ہم سے کس طرح علم اُٹھالیا جائے گا اور ہم نے قرآن پڑھ لیا ہے، اللہ کی قسم! ہم ضرور بالضرور قرآن پڑھیں گے اور اسے ہم اپنے بیوی بچوں کو بھی پڑھائیں گے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے زیاد تمھاری ماں تجھے گم پائے، میں تو تمھیں اہلِ مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا تھا، یہ تورات اور انجیل یہود ونصاریٰ کے پاس ہے اور انھیں کیا فائدہ پہنچاتی ہے؟

(پھر اسی حدیث میں ہے کہ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: ابوالدرداء نے سچ فرمایا، (اے جبیر بن نفیر!) اگر تم چاہو تو

میں تمھیں بتادوں کہ لوگوں میں سب سے پہلے کون ساعلم اُٹھالیا جائے گا؟ خشوع یعنی عاجزی، عنقریب تم جامع مسجد میں داخل ہو گے تو کسی ایک آدمی کو بھی خشوع وخضوع کرنے والا نہیں پاؤ گے۔ (سنن الترمذی ص۶۰۲ وقال: ھذا حدیث حسن غریب)

اس کی سند حسن ہے اور اسے ابن حبان (۱۱۵) حاکم (۹۸/۱۔۹۹) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کے ساتھ ابن ماجہ والی روایت بھی حسن ہے۔ والحمد للہ

فقہ الحدیث کے لئے دیکھئے حدیث سابق: ۲۴۵

[**۲۷۹**] وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ: ((تعلّموا العلم وعلّموه الناس، تعلّموا الفرائض وعلّموها الناس، تعلّموا القرآن وعلّموه الناس، فإني امرؤ مقبوضٌ والعلم سينقبض وتظهر الفتن حتى يختلف اثنان في فريضةٍ لا يجدان أحدًا يفصل بينهما .)) رواه الدارمي والدارقطني .

اور (سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ، فرائض (میراث کا علم) سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ میں وفات پانے والا انسان ہوں اور عنقریب علم بھی اُٹھالیا جائے گا، فتنے ظاہر ہو جائیں گے حتیٰ کہ دو آدمیوں کا (اسلام یا وراثت) کے ایک ضروری مسئلے میں اختلاف ہو گا اور وہ اسے حل کرنے والا کوئی بھی نہیں پائیں گے۔ اسے دارمی (۷۲/۱۔۷۳ ح ۲۲۷) اور دارقطنی (۸۲/۴ ح ۴۰۵۹) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: سلیمان بن جابر الہجری مجہول ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۵۴۱)

۲: عوف الاعرابی اور سلیمان بن جابر کے درمیان رجل مجہول ہے، لہٰذا سند منقطع ہے۔

اس روایت کو ترمذی (۲۰۹۱) نسائی (الکبریٰ: ۶۳۰۵، ۶۳۰۶) اور حاکم (۳۳۳/۴) وغیرہم نے بھی عوف عن رجل عن سلیمان بن جابر اور اس مفہوم کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس باب میں سنن ترمذی والی دوسری روایت بھی ضعیف ومردود ہے۔ سنن ابن ماجہ (۲۷۱۹) میں اس کا بعض شاہد ہے، لیکن اس کی سند حفص بن عمر بن ابی العطاف (ضعیف) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[۲۸۰] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((مثل علمٍ لا ينتفع به كمثل كنزٍ لا ينفق منه في سبيل الله .)) رواه أحمد والدارمي .

اور (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس علم سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے، اُس کی مثال اس خزانے کی طرح ہے جسے اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا جائے۔ اسے احمد (۲/۴۹۹ ح ۱۰۴۸۱، الموسوعۃ الحدیثیہ ۱۶/۲۸۹) اور دارمی (۱/۱۳۸ ح ۵۶۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس کا راوی ابراہیم بن مسلم الہجری العبدی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''**لیّن الحدیث رفع موقوفات**'' وہ حدیث میں کمزور ہے، اُس نے موقوف روایات کو مرفوع بیان کر دیا۔ (تقریب التہذیب: ۲۵۲)

الاوسط للطبرانی (۶۹۳) اور جامع بیان العلم وفضلہ (۴۷۲) وغیرہما میں اس مفہوم کی ایک روایت موجود ہے، جسے ابن لہیعہ نے اختلاط سے پہلے بیان کیا تھا، مگر ابن لہیعہ مدلس تھے اور اختلاط سے پہلے والی روایت میں سماع کی تصریح موجود نہیں اور باقی سند حسن لذاتہ ہے۔

امام ابوخیثمہ کی کتاب العلم (۱۶۲) میں ''**الحسن بن موسی: ثنا ابن لهيعة: ثنا دراج عن ابن حجيرة عن أبي هريرة**'' کی سند سے مرفوعاً آیا ہے کہ ''**مثل الذي يعلم العلم ولا يحدث به كمثل رجل رزقه الله مالاً فلم ينفق به .**'' جو شخص علم جانتا ہے اُس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جسے اللہ نے مال عطا فرمایا، لیکن اُس نے اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں کیا۔ (ص ۱۴۷)

اس میں سماع کی تصریح موجود ہے، لیکن یہ سند ابن لہیعہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جامع بیان العلم وفضلہ (۴۷۵) میں اس کا ایک شاہد ہے جو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (۱/۲۴۱)

اس کا راوی عیسیٰ بن شعیب قابلِ اعتماد نہیں۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۸/۵۲۳)

اور باقی سند میں بھی نظر ہے۔ اس باب میں دو آثار بھی مروی ہیں:

۱: عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ (العلم لابی خیثمہ: ۱۲، سنن الدارمی: ۵۶۱)

اس کی سند اعمش مدلس کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ (جامع بیان العلم وفضلہ: ۴۷۳)

اس کی سند قاسم بن عبداللہ (کذاب) کی وجہ سے موضوع اور باقی سند بھی ضعیف مردود ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ مشکوٰۃ والی روایتِ مذکورہ اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف و ناقابلِ حجت ہے۔

اضواء المصابیح کی پہلی جلد اپنے اختتام کو پہنچی لہٰذا مجلس ثانی تک الوداع۔! (ان شاء اللہ)

والحمد لله رب العالمين والصّلوة والسّلام على رسوله الأمين . (۱۵/ مئی ۲۰۱۰ء)

أطراف الآيات والأحاديث والآثار



اسماء الرجال

❀❀❀

اشاریہ

❀❀❀

أضواء المصابيح

في تحقيق

مشكوة المصابيح

